

# جاسوسی دنیا

76- وبائی ہیجان

77- اونچا شکار

78- آوارہ شہزادہ



## پیشرس

جاسوسی دنیا کا چھتر واں ناول حاضر ہے.... یہ بھی تاخیر ہی سے پیش کر رہا ہوں۔ اگر ایک بار ڈیوڑھ بگڑ جائے تو پھر دوبارہ اعتدال بھی آنے کے لئے خاصی جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آج کل کراچی کا موسم کیسا جا رہا ہے۔ ایسے موسم میں اگر کوئی لکھے بیٹھے تو کیا لکھے گا اور کتنا لکھ سکے گا۔ پھر بھی آپ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے اس بار آنچ اور انگاروں میں بیٹھ کر قہقہوں کی جنت تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کہانی میں حمید آپ کو ایک ایسے روپ میں نظر آئے گا، جس روپ میں آپ نے اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کچھ دیر قاسم صاحب سے بھی ملاقات رہے گی۔ مگر اس ملاقات کے اثرات کافی دیر پا ثابت ہوں گے۔ یعنی آپ کو جب بھی یہ سچویشن یاد آئے گی۔ آپ بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔ شہر میں ایک عجیب و غریب وبا پھیلی ہوئی ہے اور حمید بھی اس وبا کا شکار ہو جاتا ہے۔ فریدی اس وباء سے بچنے کے لئے شاید وقتی طور پر شہر ہی چھوڑ دیتا ہے۔

یہ کہانی بھی میری دوسری کہانیوں کی طرح اپنا ایک الگ انداز رکھتی ہے۔ کہانی میں آپ کو کئی نکتے ایسے بھی ملیں گے، جن پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ان پر آپ خود غور کیجئے کہ ایسا کیونکر ہوا ہو گا۔ یا اس کے بعد کیا ہوا ہو گا۔

ابن صفی

## کھوپڑی

نادر محل ایک بہت پرانی عمارت تھی۔ اس کے بعض حصے ٹوٹ کر کھنڈر میں تبدیل ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی صحیح و سالم حصوں میں بیچنے کے لئے صدر دروازے کا قفل کھولنا ضروری تھا یا پھر دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ بیس بائیس فٹ اونچی دیواریں پھلانگی جائیں۔ یہ عمارت پچھلے دور کی یادگار تھی اور شہر کے اس حصے میں آباد تھی جسے آج بھی پرانے شہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں کی اکثر عمارتیں پرانی اور مرمت طلب تھیں، لیکن بہت کم ایسی تھیں، جو آباد نہ ہوں۔ غیر آباد عمارتوں میں نادر محل بھی تھا۔ ایک دن آس پاس والوں کو معلوم ہوا کہ نادر محل بھی کرائے پر اٹھ گیا ہے۔ اس کے مالکان نے شہر کے ایک جدید طرز پر آباد حصے میں رہتے تھے۔

کرائے پر اٹھنے کی خبر تو انہیں ملی تھی لیکن ابھی تک اس میں کسی نے رہائش نہیں اختیار کی تھی۔ تین چار دن بعد نادر محل کے صدر دروازے پر ایک ٹیکسی رکی اور چار آدمی اترے جن کے جسموں پر بہترین قسم کے سوٹ تھے۔ ان میں سے ایک نے صدر دروازے کا قفل کھولا اور وہ چاروں اندر داخل ہو گئے۔

صدر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ اب وہ ایک لمبی سی نیم تاریک راہداری میں تھے، جو ابیلیوں اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بدبو سے گونج رہی تھی۔

راہداری سے گزر کر وہ صحن میں آئے۔ یہاں چاروں طرف جھاڑ جھکاڑ نظر آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سالہا سال سے کوئی ادھر نہ آیا ہو۔

چاروں وحشت زدہ سے نظر آنے لگے۔ دفعتاً ان میں سے ایک نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر ایک چھوٹی سی سرخ جھنڈی لہریں لے رہی تھی۔

وہ صحن سے گذر کر وسیع والاں میں پہنچے۔ یہیں کے ایک دروازے پر جھنڈی لہرا رہی تھی۔ چوڑے شانے والے آدمی نے مڑ کر اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر دروازے میں داخل ہو گیا۔ اُسے توقع تھی کہ یہ کمرہ بھی نیم تاریک اور گرد و غبار کے اٹا ہوا ہو گا لیکن اس کے برخلاف اس کی صاف ستھری فضا نے اسے متحیر ہونے پر مجبور کر دیا۔ بڑے بڑے روشندانوں سے روشنی اندر آرہی تھی اور یہاں اُس قسم کی بدبو کا نام و نشان تک نہیں تھا جس سے گزر کر وہ صحن میں پہنچے تھے۔

کمرے کے وسط میں چمکدار سطح والی ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی لیکن اُس پر جو چیز نظر آئی اس نے اس کے قدم روک دیئے۔ یہ کسی آدمی کی کھوپڑی کی ہڈی تھی۔ شفاف اور چمکدار دانتوں کی سفید سفید قطاریں بڑی بھیاں لگ رہی تھیں۔

چوڑے شانے والا اپنے ساتھیوں سے کچھ آگے بڑھ آیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اُن کی طرف مڑ کر دیکھا۔ تینوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ انہوں نے بیک وقت اپنے ہونٹوں پر زبانیں پھیریں۔

وہ چند لمحوں اُن کی طرف دیکھتا رہا لیکن کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ یہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ شانے نمایاں طور پر چوڑے تھے اور بال بظہر کی سی اشکال میں پیشانی پر جھولتے رہتے تھے۔

وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کھوپڑی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر میز کی طرف بڑھا۔

”ٹھہرو.....!“ اس کا ایک ساتھی ہاتھ اٹھا کر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ ”پتہ نہیں یہ کون سا شیطانی چکر ہے۔ ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔“

چوڑے شانے والے نے لا پرواہی سے گردن جھٹک کر کھوپڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”نہیں.....!“ دوسرے نے بھی اُسے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ کھوپڑی پر پڑ ہی گیا مگر پھر جھٹکے کے ساتھ ہٹ آیا۔ کھوپڑی سے عجیب قسم کی آواز نکلی تھی.... اور پھر اُس نے دائرے کی شکل میں میز پر ناچنا شروع کر دیا۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے تینوں آدمی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے بھاگ نکلے لیکن چوڑے شانے والا میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے قدرے جھکا ہوا کھوپڑی کا ناچ دیکھتا رہا۔ نہ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ خوف کی جھلکیاں تھیں بلکہ انکے برخلاف حقارت جھانک رہی تھی۔ ایک بیک اس نے پھر ہاتھ بڑھایا اور ناچتی ہوئی کھوپڑی کو پکڑ لیا۔ کھوپڑی رک گئی اور اب اُس سے خارج ہونے والی جھنجھٹا ہٹ بھی رک گئی تھی۔ لیکن جیسے ہی اُس نے اُسے میز سے اٹھایا جھنجھٹا ہٹ کی آواز پھر خارج ہونے لگی۔

اس نے کھوپڑی کے نچلے حصے کو اپنی طرف کر لیا۔ تین چھوٹے چھوٹے پہیے بڑی تیزی سے گردش کر رہے تھے اور ان کی یہی گردش جھنجھٹا ہٹ کی آواز پیدا کر رہی تھی۔

وہ اسے اسی طرح اٹھائے رہا اور تھوڑی دیر بعد پہیوں کی گردش ختم ہو گئی۔ چوڑے شانے والے کے ہونٹوں پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے کھوپڑی کو میز پر ڈال دیا اور تجسسناہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ اُس قدیم عمارت کے ایک ایک گوشے میں چکر اٹاتا پھر رہا تھا۔ اسے اپنے اُن ساتھیوں کی بھی پرواہ نہیں تھی، جو کچھ دیر پہلے ڈر کر وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔ پوری عمارت کا چکر لگالینے کے بعد وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں اُس نے میز پر کھوپڑی چھوڑی تھی۔ مگر اب اُس کھوپڑی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس نے لا پرواہی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور کمرے سے باہر نکل آیا..... لیکن اس کے انداز سے خوف نہیں ظاہر ہو رہا تھا اس کے برعکس اس کی آنکھوں میں شوخیوں اور شرارتوں کی جلیاں کو ندر رہی تھیں۔

وہ بچے تلے قدم اٹھاتا ہوا عمارت سے باہر آ گیا۔ صدر دروازہ دوبارہ مقفل کر کے وہ ٹیکسی کی طرف چل پڑا۔ ٹیکسی میں اُس کے تینوں ساتھی موجود تھے۔ اُسے دیکھ کر اُن کے چہرے کھل اٹھے۔ وہ خاموشی سے ڈرائیور کے پاس جا بیٹھا۔ ڈرائیور کچھ زور سے سا نظر آ رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے تینوں ساتھیوں کی بدحواسی دیکھ کر پریشان ہو گیا ہو۔

”چلو.....!“ چوڑے شانے والا غرایا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ وہ سب خاموش تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ گرین اسکوائر کے ایک ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اتر گئے۔

شام کے تین بجے تھے۔ ابھی ہوٹلوں میں اتنی بھیڑ نہیں ہوئی تھی کہ انہیں کوئی خالی میز نہ ملتی۔ وہ ایک گوشے میں جا بیٹھے۔

چوڑے شانے والا اپنے ساتھیوں کو خوشخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

”ہم کیا کرتے ناگر....!“ دفعتاً اُس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ہمیں اس کی توقع نہیں تھی کہ وہاں....!“

”ایک ایسی کھوپڑی سے ملاقات ہوگی، جو بڑے بڑے ہاتھوں کو چبائے بغیر نگل لیتی ہے۔“ ناگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”سنو یار....!“ دوسرا ساتھی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”یہ کام ہمیں پاگل بنا دے گا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان حرکتوں کا مقصد کیا ہے۔“

”کیا اب تک تمہیں کسی کو دھوکا دینا پڑا ہے؟“ ناگر غرایا۔

”نہیں....!“

”کسی کو قتل کرنا پڑا ہے؟“

”نہیں۔“

”پھر کیوں دم نکل رہا ہے۔ کیا تمہیں معقول معاوضہ نہیں مل رہا ہے۔ اس پکڑ دھکڑ کے زمانے میں جب تم قرضوں کے بارے لہے جارہے تھے اور فاقوں کی نوبت پہنچ گئی تھی کیا یہ ملازمت ایک آسانی انعام سے کم درجہ رکھتی ہے۔“

”ہم صرف مقصد جانتا چاہتے ہیں ناگر....!“ تیسرے آدمی نے کہا۔

”مقصد تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“ ناگر نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”اگر ہمیں کسی کو قتل کرنا پڑا ہو تا تو ہم مطمئن ہو جاتے۔ چین سے سو سکتے لیکن ایسے حالات میں....!“

”تم اب بھی چین سے سو سکتے ہو۔“

”نہیں ایسے حالات میں ممکن نہیں۔“

”حالات ہی سے پیچھا چھڑالو۔ تمہیں کسی نے پکڑ نہیں رکھا ہے۔“ ناگر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

ایک ناگوار سی خاموشی چھا گئی۔ انہوں نے ناگر کا یہ جملہ اچھے دل سے نہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”تم اپنی کہو۔ وہ کھوپڑی کیسی تھی۔“

”بس کھوپڑی....!“ ناگر مسکرایا۔ ”اور.... اور ناچ رہی تھی.... پھر ناچتے ناچتے غائب ہو گئی۔“

”غائب ہو گئی۔“ تینوں نے بیک وقت کہا۔

”ہاں غائب ہو گئی۔“ ناگر نے لاپرواہی سے کہا۔

”اوہ.... تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔“

”کیا بات ہوئی۔“ ناگر مسکرایا۔ ”اگر غائب نہ ہو گئی ہوتی تو دیکھتا کہ وہ کیا بلا تھی۔“

”کیا تم ہمیں ڈرانا چاہتے ہو۔“

”میں.... نہیں تو.... تم خود ہی ڈر کر بھاگے۔“

”یہ ہیں رسم کے بھتیجے۔“ ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”تم خواہ مخواہ اپنی کھوپڑی خالی نہ کرو۔“

”ورنہ وہ بھی خالی ہو کر ناچنے لگے گی۔“ ناگر نے قہقہہ لگایا۔

”اب یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔“ تیسرا بولا، جو دیر سے خاموش تھا۔

”ناگر ہی ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے۔“

”اور تم پر ہزاروں روپے خرچ کر کے بیوقوف بن رہا ہے۔“ ناگر نے مسکرا کر کہا۔

”کون جانے کوئی لمبا چکر ہو۔ لاکھوں کے دارے نیارے ہوں اور ہمیں بیوقوف بنا کر صرف

ہزاروں سے کام نکالا جا رہا ہو۔ ناگر کو کون نہیں جانتا۔“

”دیکھو....!“ ناگر نے دفعتاً سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ مجھے جواب دہ نہیں ہو

اور نہ میں نے تمہیں نوکر رکھا ہے۔ اگر تم الگ ہونا چاہتے ہو تو شوق سے ہو جاؤ۔ یہاں تو آم

کھانے سے مطلب ہے۔ اگر ہو سکا تو گھٹلیوں کے بھی دام وصول کرنے کی کوشش کریں گے۔

البتہ درخت وہی گنتا پھرے جس نے لگائے ہوں۔“

”آہا.... تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ ناگر کو اس لوٹنیا سے روٹیاں ملتی ہیں۔“

”تمہیں کس سے ملتی ہیں۔“ ناگر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ ”ناگر کا وقت بگڑ گیا ہے۔ اس

لئے تم لوگ اُس سے اس لہجے میں گفتگو کرنے کی ہمت کر رہے ہو۔“

”کر قل فریدی کی وجہ سے بہتوں کا وقت بگڑ گیا ہے اکیلے تم ہی نہیں ہو۔“

”کچھ بھی ہو! میں تھوڑے دنوں تک ہاتھ پیر بچا کر رہنا چاہتا ہوں، اُس کے بعد کرل فریدی کو بھی دیکھوں گا۔ یہ چیز میرے ذہن سے کبھی نہیں نکل سکتی کہ میں اس کی وجہ سے کوڑی کوڑی کا محتاج ہو رہا ہوں۔ تین جوئے خانے بند کرنے پڑے.... ایک پرستانی اڈہ ختم کرنا پڑا.... اور....!“

وہ چاروں اس سمت دیکھنے لگے جدھر سے ایک اسمارٹ قسم کی یوریشین لڑکی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان کی طرف آرہی تھی۔ یہ سرمئی پتلون اور سفید سلکین جیکٹ میں بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے بال سنہرے اور گھونگھریالے تھے۔

وہ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ لڑکی نے سر ہلا کر شاید خوشی ظاہر کی تھی اور اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ گہری نیلی نظر آنے لگی تھیں۔

ایک نے اس کے لئے میز کے قریب کرسی کھسکائی اور اس نے اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھے ہوئے کہا۔ ”اس کا خیال ہے کہ اس کا یہ تجربہ تم لوگوں کے لئے تھوڑا بہت پریشان کن ثابت ہوا ہوگا۔“ پھر وہ ناگر کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

ناگر کی آنکھوں میں سوال تھا.... شاید وہ اس مسکراہٹ کا مطلب معلوم کرنا چاہتا تھا۔

”آج تصفیہ ہو گیا مسٹر ناگر....!“ لڑکی نے کہا۔

”کس بات کا تصفیہ۔“

”یہ لوگ تمہارے چارج میں رہیں گے.... باس کا خیال ہے کہ تم بہتر طور پر ان کی رہنمائی کر سکو گے۔“

”اس خیال کی وجہ....!“ ناگر مسکرایا.... وہ اُس کے گھونگھریالے بالوں میں جیسے کچھ تلاش کر رہا تھا۔

”ناچنے والی کھوپڑی.... باس تمہیں ایک مضبوط دل والا اور ذہین آدمی سمجھتا ہے۔“

ناگر نے اپنے ساتھیوں کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلکیاں دیکھیں.... اور پھر مسکرا کر بولا۔ ”مگر ان لوگوں کا خیال ہے کہ باس میں ہی ہوں۔“

”میں اور تم کوئی ایسا پلاٹ بنا رہے ہیں.... کوئی ایسا پلاٹ....!“ وہ خاموش ہو کر کچھ

سوچنے لگا۔

لڑکی نے ایک سر ہلا سا قہقہہ لگایا۔ ”حالات ہی ایسے ہیں مسٹر ناگر۔ ہم میں سے کوئی بھی کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا.... مگر چونکہ ابھی تک میری دانت میں ہم لوگوں کے ذریعہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں ہوئی۔ اس لئے سوچتی ہوں کہ....!“

”ٹھیک سوچتی ہو تم....!“ ناگر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس مسئلے پر بحث کرنا وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں.... اب یہ بتاؤ کہ مجھے احکامات تمہارے توسط سے ملیں گے یا براہ راست....!“

”فی الحال میرے ہی توسط سے....!“

”یہ بڑی اچھی بات ہے.... یہ بڑی اچھی بات ہے....!“ ناگر بے حد خوش نظر آنے لگا تھا اور اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

”کیوں....؟“ لڑکی چونک کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”اوہ.... کک.... کچھ نہیں۔“ ناگر بغلیں جھانکنے لگا۔

لڑکی نے بھی بات اڑا دی۔ اُن میں سے ایک نے دیگر کو اشارے سے بلا کر کچھ منگولیا تھا.... تھوڑی دیر بعد چائے آگئی جس کے ساتھ جھینگے اور سینڈووز بھی تھے۔ ناگر کے تینوں ساتھی غیر مطمئن نظر آرہے تھے۔ چائے کے دوران میں وہ خاموش ہی رہے۔ اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ ناگر اُس سے چھ بجے شام کو میونسپل گارڈن میں ملے۔

پھر وہ چائے پئے بغیر اٹھ گئی۔ وہ چاروں ہی اُسے پر اشتیاق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے چلنے کا انداز بے حد دلکش تھا۔

”چلو.... یہ بھی ایک ہی رہی۔“ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بولا۔ ”اب ہماری ٹکیل ناگر کے ہاتھوں میں ہے یعنی کہ....!“

وہ خاموش ہو کر ناگر کی طرف دیکھنے لگا۔ ناگر مسکرا رہا تھا۔

”تو یہ کھوپڑی کا قصہ دراصل ہمارا امتحان تھا.... کیوں ناگر۔“ دوسرا بولا۔

”نئی اطلاع سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔“ ناگر نے لا پرواہی سے کہا۔

”اچھا.... اب اگر ہم کام کرنے سے انکار کر دیں تو....!“

”میرا کیا مگرے گا اس سے.... مجھے صرف اتنا ہی کرنا ہوگا کہ تمہارے فیصلے کی اطلاع باس

ناگر تھوڑی دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے قریب آیا۔ یہ ایک سیاہ فام مگر اچھے ناک نقشے والی لڑکی تھی۔

”میری کوئی کال.....!“ اُس نے لڑکی سے پوچھا۔

”نہیں..... ناگی..... اوہ..... سنو تو..... تم آج کل عموماً بہت جلدی میں رہتے ہو۔ کیا تم مجھے نہ بتاؤ گے کہ وہ لڑکی کون ہے؟“

”وہ میری ایک ملنے والی ہے برقی۔ کبھی یہاں تمہارا دل لگ رہا ہے نا۔ کیوں لگتا ہو گا..... گھبراؤ نہیں میں پھر کاروبار شروع کرینا لاہوں۔ اچھا..... چیریو..... میری کالوں کا خیال رکھنا۔“ وہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

## چینیں

لیڈی انسپکٹر ریکھانے پکنک کا پروگرام بڑی خاموشی سے بنایا تھا اور پکنک پارٹی میں سب لڑکیاں ہی تھیں۔ ان کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی۔ لڑکیاں سب جھکے ہی کی تھیں۔ پروگرام بنانے میں رازداری اس لئے برتی گئی تھی کہ کہیں کیپٹن حمید کے کانوں میں بھٹک نہ پڑ جائے۔ مگر ان میں کچھ لڑکیاں ایسی بھی تھیں جن کے لئے حمید کی موجودگی ہی سب سے بڑی تفریح ہوتی۔ بس ایک نے حمید تک پہنچا ہی دی یہ بات۔

اتوار کی صبح تھی۔ وہ سب فن آئی لینڈ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ان کے ساتھ کھانے پینے کا بہترین سامان تھا۔ ریکھا کی ایک خالہ مرغ مسلم کی اسپیشلسٹ تھی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس موقع پر اُس کے باسکٹ میں دو چار مرغ مسلم کیوں نہ ہوتے۔ ہلدائیل جو سپرنٹنڈنٹ کی اسٹینو تھی اپنے باسکٹ میں صرف کچی اور کھلے ہوئے قیتے کے سمو سے بھر لائی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس قسم کے سموں کی لذت کا راز صرف ان کے خاندان والوں کو معلوم تھا، جو سینہ بہ سینہ اُس تک بھی پہنچا تھا۔ جولیا ڈرہم صرف پڈنگ لائی تھی اور پڈنگ بھی ایسی، جو اُس کے خیال کے مطابق ہنری ہشتم ہی کے خاندان کا راز تھا، جو سینہ بسینہ جولیا ڈرہم تک چلا آیا تھا۔

ٹریا کبر مونگ کے پاپڑ لائی تھی جس کا نسخہ اس کی دادی اپنے ساتھ لیتی چلی گئی تھی لیکن پھر

کو دے دوں۔“

”اس کے بعد پولیس بھی ہماری بہم پہنچائی ہوئی اطلاعات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔“

ایک بیک ناگر بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”جب تک ناگر اس کھیل میں شریک ہے تم ایسا نہیں کر سکو گے۔“ ناگر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سانپ کی طرح ہچکھکا رہا۔ ”یہ نہ سمجھو کہ میں بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا ہوں۔ وقتی مصلحت تھی کہ میں نے اپنے جوئے خانے بند کر دیئے، ورنہ ناگر کے بازوؤں میں اب بھی قوت موجود ہے اور اس کا جوڑ توڑ کرنے والا ذہن بھی آزاد ہے۔“

”تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو۔“ ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”صرف ایک معاملہ صاف کیا ہے۔“ ناگر نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے الگ ہو کر بھی خسارے ہی میں رہو گے۔ میں آج بھی اپنے راستے پر آئے ہوئے روڑوں کو ٹھوکر مار کر ایک طرف ہٹا سکتا ہوں۔“

”ارے یار تم مذاق کو لے دوڑے۔ ختم بھی کرو۔“

”چلو..... ختم.....!“ ناگر نے کہا اور ہنس پڑا۔

”وہ چھ بجے تم سے ملے گی۔“ ایک نے پوچھا۔

”ہاں..... آں۔“

”اور وہاں ہم میں سے کوئی بھی نہ ہو گا۔“

”قطعاً.....!“

”اگر ہم میں سے کوئی موجود ہوا تو.....!“

”اے ہم سے کم از کم اتنے فاصلے پر رہنا پڑے گا کہ وہ ہماری گفتگو نہ سن سکے۔“

انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”میں سمجھتا ہوں۔“ ناگر اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”یہ چیز تمہارے ذہنوں سے

نہیں نکل سکتی کہ میں ہی باس ہوں۔“

وہ کافی دیر تک اسی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے پھر ناگر ہی وہاں بیٹھا رہ گیا۔ اس کے تینوں

ساتھی اٹھ گئے تھے۔

غلطی کا احساس ہوتے اُسے بواپسی ڈاک ٹریاک پہنچانا پڑا تھا۔

غرضیکہ جتنی بھی چیزیں تھیں سب پر اسپیشل کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔

فن آئی لینڈ پہنچ کر انہوں نے ایک سرسبز ٹیکرہ منتخب کیا۔ جس پر ایک سایہ دار درخت بھی تھا۔  
تھوڑی دیر بعد تفریح شروع ہو گئی۔ کسی نے گراموفون سنبھال لیا اور کوئی تھرکنے لگی۔ کچھ  
تاش کھیلنے بیٹھ گئیں اور کچھ سبزے پر چت لیٹ کر ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے پیچھے ہٹا دی۔  
بھرنے لگیں۔

پھر ایک خوش رنگ پرندے کو پکڑنے کے لئے انہیں ٹیکرے سے نیچے بھی اترنا پڑا۔ یہ پرندہ  
نہ جانے کدھر سے آیا تھا، جو زیادہ دور تک نہیں اڑ سکتا تھا۔

وہ تھوڑی دور اڑا اور پھر زمین پر آ رہا۔ یہ اس کے پیچھے دوڑتیں اور پھر جیسے ہی قریب  
پہنچتیں وہ پھر اڑ جاتا۔ اس طرح وہ ٹیکرے سے نیچے اتر آئیں۔ لیکن پرندہ ابھی تک اُن کے ہاتھ  
نہیں لگا تھا۔۔۔ اور پھر ایک بار تو وہ بالکل ہی ناامید ہو گئیں۔ پرندہ ایک اونچے درخت کی شاخ  
میں بچے گاڑے پر پھنسنارہا تھا پہلے تو وہ سمجھیں کہ پرندہ سنبھل نہیں سکے گا لیکن پھر وہ شاخ پر جم  
ہی گیا تھا۔

”اگر اسے پھر اڑایا جائے۔“ ایک لڑکی نے تجویز پیش کرنی چاہی۔

”ارے جانے بھی دو۔“ ریکھانے کہا۔ ”میں تو دراصل یہی چاہتی تھی کہ وہ درخت پر پہنچ

جائے ورنہ کسی جانور کا لقمہ بن جاتا۔“

”پتہ نہیں کیا بات ہے۔۔۔ کچھ مزہ نہیں آ رہا ہے۔“ جولیابولی۔

”کیوں مزہ کیوں نہیں آ رہا ہے۔“ ریکھانے پوچھا۔

”خدا جانے۔۔۔ یہ ساری تفریح کچھ پھسکی پھسکی سی ہے۔“

”میں سمجھ گئی۔“ ریکھا مسکرائی پھر سنجیدگی سے بولی۔ ”تفریح تمہیں اسی لئے پھسکی لگ رہی

ہے کہ کوئی مرد ساتھ نہیں ہے۔“

”ضروری نہیں ہے کہ تم نے صحیح اندازہ لگایا ہو۔۔۔“ جولیابولی۔

”ارے ہم یہاں بحث کرنے نہیں آئے۔۔۔ چلو۔۔۔!“ ہلدانے کہا اور دوڑ کر ٹیکرے پر

چڑھنے لگی۔

پھر وہ سب وہیں آ گئیں جہاں اُن کا سامان رکھا ہوا تھا۔

لیکن اُس وقت قیامت آگئی جب وہ تھک تھکا کر کھانے کے لئے بیٹھیں کیونکہ ریکھا کے  
باسکٹ سے تین کڑکڑانے والی مرغیاں برآمد ہوئی تھیں مگر چونکہ مردہ تھیں اس لئے کڑکڑا کر  
اُن کا جی نہیں خوش کر سکتی تھیں۔ سموسوں کی باسکٹ میں گھونگھے اور سپیاں نظر آئیں۔ ٹریا اکبر کے  
اسپیشل پاپر پیڑیوں میں تبدیل ہو چکے تھے، البتہ جولیابولی لائی ہوئی شاہی پڈنگ بالکل محفوظ تھی۔

ریکھانے اشتباہ آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن کچھ بونی نہیں۔ صرف ریکھا ہی  
خاموش تھی، ورنہ اور تو جس کے جی میں جو آئی تھی کافی اسپڈ سے بکے جا رہی تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد انہیں ہوش آیا اور وہ چاروں طرف اُس نامعقول چور کو تلاش کرنے  
لگیں، جو انہیں اس طرح چوٹ دے گیا تھا۔

ریکھا صرف جولیابولی کو گھورے جا رہی تھی۔

”ارے۔۔۔ کیا اب تم مجھے کھاؤ گی۔“ جولیابولی نے ہنس کر کہا۔

”شاید۔۔۔!“ ریکھانے نراسمانہ بنا کر کہا۔

”ارے واہ۔۔۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو۔۔۔!“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھتی خالہ گلہری۔۔۔ وہ کوئی نیولا ہی ہو گا۔ مگر اسے لکھ لو کہ اس نیولے  
کے ساتھ ہی تم بھی اپنی دم گنوا بیٹھو گی۔“

ٹیکرے نے نیچے مغرب کی جانب بڑا جھاڑ جھنکارا تھا۔ ان میں نرکوں کی قد آدم جھاڑیاں بھی  
تھیں۔ ریکھا اُن سموسوں کو ادھر ادھر سرگرداں چھوڑ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھی۔ وہ آہستہ آہستہ  
اور بہت احتیاط سے چل رہی تھی۔ اُس نے یونہی خواہ خواہ جھاڑیوں میں گھسنے کا ارادہ نہیں کیا تھا  
بلکہ اُسے جھاڑیوں سے گزرنے والی گڈنڈی پر دو سموسے پڑے ہوئے ملے تھے۔

گڈنڈی پر وہ دبے پاؤں چلتی رہی اور پھر ایک جگہ اُسے رک جانا پڑا۔ بائیں جانب والی  
جھاڑیوں میں کوئی تھا۔ پھر اُسے کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی آہستہ سے ہنسا بھی۔

وہ اکڑوں بیٹھ کر اندر جھانکنے لگی۔



ایک مرغ حمید کے ہاتھوں میں تھا اور دوسرا قاسم کے ہاتھوں میں۔ تیسرا زمین پر بچھے

”وہ دونوں بیہوش ہو گئی ہیں۔“ ریکھانے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے



کہا۔ ”ہلدا کہاں ہے۔“

”یہاں چاروں طرف سنا ہے۔“ حمید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”آجاؤ.... اندر آجاؤ۔“ وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ دروازہ بھی پورا کھل گیا تھا۔ ناگرفٹ ہیٹ اتار کر اندر داخل ہوا۔

یہ ایک معمولی طور پر سجا ہوا کمرہ تھا۔ ناگرنے اپنتی ہوئی نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

”پچھلی شام تم میو نیل گارڈن میں نہیں ملی تھیں۔“

”کیسے ملتی.... کیا تمہارے تینوں آدمی وہاں نہیں منڈلا رہے تھے؟ باس اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف تم پر اعتماد کرتا ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر کیوں۔“

”بیٹھو مسٹر ناگر.... میرا خیال ہے کہ وجہ سمجھنے کے لئے سربار نافضول ہی ہے۔“

ناگر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”کیا پیو گے....!“ لڑکی نے پوچھا۔

”شکریہ.... مس مونا کرشی.... میں کسی چیز کی بھی حاجت نہیں محسوس کر رہا ہوں۔“

لڑکی نے میز کی دراز سے سگریٹ نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کرتی ہوئی بولی۔ ”تم سگریٹ

بھی نہ قبول کرو گے کیونکہ پائپ پیٹے ہو۔“

اس پر ناگر صرف مسکرا کر رہ گیا اور مونا اپنا سگریٹ سلگانے لگی۔ وہ اس وقت صرف ڈریسنگ

گاہن میں تھی اور اس کے سنہرے بال بے ترتیب نظر آرہے تھے۔ ہونٹوں پر سرفخی بھی نہیں

تھی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ دلکش لگ رہی تھی۔

”یہ زندگی بھی عجیب ہے مسٹر ناگر۔“ اس نے کافی مقدار میں دھواں بکھیرتے ہوئے کہا۔

”تم نہیں کہہ سکتے کہ آنے والے لمحات میں تمہارا ذہن تمہیں کدھر لے جا رہا ہو گا۔“

”اگر زندگی میں ایسے تغیرات نہ ہوں تو پھر کوئی کیسے جئے.... مس کرشی۔“ ناگر مسکرایا۔

”کیا تم اپنی موجودہ حالت پر مطمئن ہو۔“ وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

”میں سوال میرے تینوں ساتھی بھی بار بار دہرا چکے ہیں۔ مگر آج تک انہیں کوئی واضح

جواب نہیں دے سکا۔ مطمئن ہونا یا نہ ہونا بھی حالات ہی پر منحصر ہے۔ آج کل حالات ایسے ہی

ہیں کہ میں چھانسی کے تختے پر بھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہوں۔“

## کتے کی لاش

ناگر کی پیشانی پر شکنیں نظر آرہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر اس لمبی چوڑی عمارت کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ لفٹ اوپر جا چکی تھی اور ابھی کئی امیدوار اس کے منتظر تھے۔ ناگر کو اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہنا تھا جب تک وہ وہاں تنہا رہ جاتا۔ اس کے جاننے والے اس کی اس عادت سے بخوبی واقف تھے کہ وہ کسی لفٹ میں اس وقت قدم رکھتا ہے جب وہ بالکل خالی ہو۔

سب جانتے تھے کہ وہ لفٹ خالی ہو جانے کے انتظار میں اکثر ایک ایک گھنٹے کھڑا رہ گیا ہے۔ اگر کبھی کوئی اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کی وجہ پوچھ بیٹھتا تو وہ یا تو ہنس کر ٹال دیتا یا پھر بڑی سنجیدگی سے کہہ دیتا۔ ”بس عادت ہی تو ہے۔ بہتیری عادتوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔“

بشکل تمام پندرہ یا بیس منٹ بعد اس نے لفٹ کے اندر قدم رکھتے ہوئے لفٹ مین سے کہا۔

”ٹاپ فلور۔“

لفٹ مین نے باہر جھانک کر دیکھا شاید کوئی اور بھی ہو۔ لیکن کسی نے بھی اسے رکنے کا اشارہ نہیں کیا البتہ ناگر مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”میں جلدی میں ہوں دوست۔“

لفٹ ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ اوپر اٹھنے لگی۔

ناگر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ آٹھویں منزل پر لفٹ رک گئی۔ ناگر باہر نکل کر بالکنی پر آگیا۔ اب وہ بائیں جانب چل رہا تھا۔ تین فلیٹوں کے سامنے سے گزرنے کے بعد وہ چوتھے پر رک گیا۔ دروازے کے بائیں جانب نام کی تختی آویزاں تھی جس پر انگریزی میں ”مونا کرشی“ تحریر تھا۔

اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اندر سے گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا۔

اسی یوریشین لڑکی کا چہرہ باہر نکلا، جو ناگر سے ہوٹل میں ملی تھی۔

عیوض مل رہی ہے۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ تمہیں اس کے پیغامات کیسے ملتے ہیں؟“  
 ”ٹرانسمیٹر پر.....!“ اُس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔  
 ”ہام..... اچھا دیکھو..... معاملے کی بات تم نے مجھ سے کی تھی لیکن تمہیں اس کام پر کس نے اور کیسے آمادہ کیا تھا۔“

”یہ ایک لمبی کہانی ہے..... مسٹر ناگر۔“ لڑکی دردناک لہجے میں بولی۔

”کیا میری خاطر اُسے دہرانے کی تکلیف گوارا کرو گی۔“

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتی اور سگریٹ کے کش لیتی رہی پھر بولی۔

”میں دراصل اینگلو بر میز ہوں۔ چھ ماہ پہلے رنگون میں تھی۔ میرے والدین مر چکے ہیں۔“

میرا باپ انگریز تھا اور ماں بر میز۔ آج سے چھ ماہ پہلے مجھے لندن کے ایک وکیل کا خط ملا۔ جس نے لکھا تھا کہ میرے ایک لادلد بچپانے ایک بہت بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ جس کی وارث صرف میں ہی ہو سکتی ہوں۔ میرے علاوہ اور کوئی قریبی عزیز موجود نہیں ہے۔ خط کے ساتھ ایک بڑی رقم کا ڈرافٹ بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ میں اس وقت ایک پرائیویٹ فرم میں بہت ہی معمولی تنخواہ پر ملازم تھی۔ بہر حال میں لندن کے لئے روانہ ہو گئی۔ مگر وہاں مجھے اس پتے پر اس نام کا کوئی وکیل مل سکا۔ کئی دن تک سرگرداں رہی۔ آخر پھر برما کے ہائی کمیشن سے رجوع کیا۔ ایک ہفتے تک اس معاملے کی تفتیش ہوتی رہی لیکن نہ تو اُس وکیل ہی کا سراغ مل سکا اور نہ اُس بڑی جائیداد کا جس کی وارث صرف میں ہی ہو سکتی تھی۔ البتہ جس بینک کے معرفت ڈرافٹ بھیجا گیا تھا وہاں اُس وکیل ہی کے نام سے رقم جمع ہوئی تھی اور وہاں بھی اس کا وہی پتہ درج تھا جو اس نے میرے خط میں تحریر کیا تھا۔ تقریباً ایک ماہ تک جھک مارنے کے بعد میں وہاں سے برما کے لئے روانہ ہو گئی۔ بحری سفر اختیار کیا تھا۔ ایک دن جب میں عرثے سے اپنے کیمپ میں واپس گئی مجھے برتھ پر ایک افادہ ملا جس میں کئی بڑے نوٹ تھے اور ایک خط بھی تھا جس میں تحریر تھا۔

”مائی ڈیر مس کر سٹی! مجھے بے حد افسوس ہے کہ تم لندن سے بے نیل و مرام واپس جا رہی ہو۔ مگر میں کیا کروں۔ ایک بہت بڑا دشمن میری اور تمہاری گھات میں ہے۔ میں تمہارے کاغذات سمیت روپوش ہو گیا ہوں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو میں بھی مار ڈالا جاتا اور تم بھی محفوظ نہ

”اسی لئے تو باس تم پر اعتماد کرتا ہے۔“ مونا مسکرائی۔

ناگر اپنے باپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ شاید وہ کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ آنکھیں گہرے نظر کا اظہار کر رہی تھیں۔ مونا چند لمحے اُسے خالی الذہنی کے سے انداز میں دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”میں مطمئن نہیں ہوں۔“

”آہا.....!“ ناگر مسکرا پڑا۔ ”حالانکہ میری باس تم ہی ہو۔“

”میں کچھ بھی نہیں ہوں مسٹر ناگر۔“ وہ مغموم لہجے میں بولی۔ ”میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں ایک نامعلوم آدمی کے پیغامات تم تک پہنچاتی رہوں۔ خواہ وہ پیغامات کسی دیوانے کی بکواس ہی کیوں نہ ہوں۔“

وہ استقبالیہ نظروں سے ناگر کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”اور جب میں یہ بے شک پیغامات اپنے تینوں ساتھیوں تک پہنچاتا ہوں تو وہ پاگل ہو کر کتوں کی طرح بھونکنے لگتے ہیں۔“ ناگر ہنس پڑا۔  
 ”مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔“  
 ”قطعاً نہیں۔“

”جب تم اس نامعلوم آدمی کے راز سے واقف ہو گے۔“

”میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کوئی آدمی ہے یا کسی ایسے لیڈر کی روح جس کے سرے عوام کا سایہ اٹھ گیا ہو۔“

”لیڈر..... تم نے لیڈر کا حوالہ کیوں دیا۔“ مونا نے حیرت سے دہرایا۔ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ بے شک حرکتیں کسی سیاسی نتیجے کی حامل ہوں گی۔“

”لیڈر..... میرا فویا ہے۔“ ناگر مسکرایا۔ ”کسی خاص مقصد کے تحت میں نے لیڈر کا حوالہ نہیں دیا تھا۔“

”تم مجھے شروع ہی سے عجیب معلوم ہوتے ہو۔ کیا تمہیں یہ جاننے کی خواہش بھی نہیں ہے کہ وہ نامعلوم آدمی ہے کون۔“

”خواہش تو ہے..... مگر کیا یہ کبھی معلوم ہو سکے گا۔ شاید معلوم ہو جائے۔ سوال ہے کوشش کا۔ میں کوشش ہی کیوں کرنے لگا۔ مجھے یہ رقم گراں نہیں گزرتی، جو ان بے شک کاموں کے

رہیں۔ اب اس وقت تک کے لئے یہ معاملہ ٹل رہا ہے، جب تک میں اس دشمن پر قابو نہ پاؤں لیکن تمہیں مطمئن رہنا چاہئے۔ میں اسی طرح تمہاری مدد کرتا رہوں گا اور اب تمہیں زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی قسم کی ملازمتیں نہ کرنی پڑیں گی۔ مطلب یہ کہ دنیا کو دکھانے کے لئے ملازمت تو کرنی پڑے گی لیکن تمہاری زندگی کا انحصار اس کی آمدنی پر نہ ہوگا۔ برما پہنچ کر تم یہی مشہور کرو گی کہ کسی نے تمہیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ تم یہ نہیں ظاہر کرو گی کہ وکیل پوشیدہ طور پر اب بھی تمہاری مدد کر رہا ہے۔“

مونا خاموش ہو گئی اور ناگر دوبارہ اپنے پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”برما پہنچ کر میں نے دوبارہ فرم میں حاضری دی۔ عقلمندی یہی کی تھی کہ ملازمت چھوڑ کر نہیں گئی تھی بلکہ چھ ماہ کی رخصت حاصل کی تھی۔ تقریباً تین ماہ تک میں رنگون میں رہی۔ پُر اسرار وکیل مجھے ہر ماہ خاصی بڑی رقم دیتا تھا اور میں عیش کر رہی تھی۔ ایک دن اُس نے مجھے پھر ہدایت کی کہ میں چھ ماہ کی رخصت لے کر تمہارے ملک کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ میں نے پاسپورٹ کے لئے کوشش کی لیکن نہ مل سکا۔ وکیل نے اطلاع دی تھی کہ یہاں پہنچنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہاں بھی چچا نے ایک بڑا کاروبار چھوڑا ہے۔۔۔ پھر ایک دن مجھے پاسپورٹ مل ہی گیا۔ لیکن یہ میرے نام کا نہیں تھا، ویسے اُس پر تصویر میری ہی تھی۔ یہ پاسپورٹ وکیل ہی نے کسی طرح حاصل کیا تھا۔ میں نے اس پر احتجاج کیا لیکن اس نے اس کی ذمہ داری لی کہ میں قانونی گرفت میں نہیں آنے پاؤں گی۔“

مجھ پر تو بہر حال ایک بہت بڑی دولت کا نشہ طاری تھا۔ اس لئے میں بے چوں و چرا یہاں کے لئے روانہ ہو گئی۔ مونا کرسٹی میرا جعلی نام ہے، جو پاسپورٹ پر درج ہے۔ یہاں آتے ہی وہ وکیل سے میرا پاس بن گیا۔ اب مجھے اُن بڑی جائیداد کے متعلق کوئی جواب نہیں ملتا لیکن رقم اب بھی وہی ملتی ہے، جو پہلے ملتی رہی تھی۔ اکثر میں نے اُسے دھمکی بھی دی ہے کہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی جس کا جواب یہی ملا ہے کہ شوق سے دے دو۔ پولیس مجھے نہیں پاسکے گی۔ لیکن خود تم ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ کیونکہ برما سے یہاں جعلی پاسپورٹ پر آئی ہو۔ بس میں خاموش رہ جاتی ہوں اور میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ آج تک تمہارا سامنا اُس وکیل سے نہیں ہوا۔“ ناگر نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔ یقین ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ میں جب اُسے پہچانتی ہی نہیں تو وہ ہزاروں بار میرے سامنے آیا ہوگا۔۔۔ اور کیا یہ ممکن نہیں ہے۔۔۔“

وہ خاموش ہو کر ناگر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ پھر شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

”وہ وکیل تو تم بھی ہو سکتے ہو۔“

ناگر ہنسنے لگا اور وہ بدستور شرارت سے آنکھیں چمکاتی ہوئی بولی۔ ”بتاؤ نا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم وہی وکیل نہیں ہو۔“

”کیا ٹرانسمیٹر میں تم میری ہی آواز سنتی ہو۔“

”آواز بدلی بھی جاسکتی ہے اور پھر ٹرانسمیٹر پر آواز پہچاننا تو بہت مشکل ہے، جب کہ میں فون پر بھی اپنے بعض بے تکلف دوستوں کی آوازیں پہچاننے کا سلیقہ نہیں رکھتی۔“

”بات تو ٹھیک ہے۔“ ناگر مسکرایا۔ ”میں تمہیں یقین نہیں دلا سکوں گا کہ میں ہی وہ وکیل نہیں ہوں، جو اب تمہارا پاس بن بیٹھا ہے۔ مگر تم نے آخر یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا دیا۔“

”تاکہ تم مجھے ہی پاس نہ سمجھ لو۔“ مونا مسکرائی۔

وہ تھوڑی دیر تک اس مذاق سے محظوظ ہوتے رہے پھر ناگر نے پوچھا۔

”کم از کم تم یہ تو بتا ہی سکو گی کہ ٹرانسمیٹر پر بولنے والا مشرقی ہے یا مغرب کا باشندہ۔“

”لہجے سے وہ مجھے فرانسیسی معلوم ہوتا ہے اور بہترے الفاظ کا تلفظ بھی فرانسیسیوں ہی کے سے انداز میں کرتا ہے۔“

ناگر پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ مونا بھی خاموش ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے ہنس کر کہا۔ ”آج تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ایک بہت ہی گندہ کام کرنا ہے۔“

”وہ کیا۔“

”ایک کتے کی لاش کنوئیں میں پھینکنی ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“

”کتے کی لاش بھی۔۔۔ وہ تمہیں آج آٹھ بجے رات کو نادر محل کے صدر دروازے پر پڑی ملے گی۔ تم اُسے پرانے شہر کی حاتم گلی والے کنوئیں میں پھینکو گے۔“

”تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو۔“

”شاید اس سے پہلے بھی مذاق ہی کر رہی ہوں کیوں؟“  
ناگرمہ اسامہ بنائے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔



ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارے شہر کی پولیس فن لینڈ میں الٹ پڑی ہو۔ ہلدا کی تلاش بڑی تندہی سے جاری تھی۔ باوردی پولیس تو خیر تھی ہی.... لا تعداد سادہ لباس والے جزیرے کے چپے چپے پر پھیل گئے تھے۔

عمار توں کی تلاشیاں لی جارہی تھیں اور دولت مند طبقہ کے لوگ اس پر جھلا بھلا کر احتجاجاً اعلیٰ آفیسروں کو فون کر رہے تھے، لیکن اس وقت کسی کی بھی شنوائی نہیں ہو رہی تھی۔  
معاملہ محکمہ سرانگ رسانی کی ایک لڑکی کا تھا اس لئے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر گویا سارا جزیرہ الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا لیکن ہلدا نہ ملی۔

دونوں لڑکیوں کا بیان تھا کہ ہلدا کو لادے جانے والا ایک لمبا ترنگ نقاب پوش تھا جس نے جاتے جاتے پلٹ کر ان دونوں کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی اور وہ چیختی ہوئی اوپر بھاگی تھیں۔  
حمید کو اس پر بڑا غصہ آیا تھا اور اُس نے لیڈی انسپکٹر ریکھا سے کہا تھا۔ ”ماش وہ تم سبھوں کو پکڑ لے جاتا۔“

”سب تمہاری وجہ سے ہوا۔“ ریکھا دہاڑی۔

”طوفان نوح بھی تو میری وجہ سے آیا تھا۔“

ریکھا بڑی طرح چڑھ گئی اور اس کا بخار اُس نے قاسم پر نکالا۔ وہ کسی کٹے ہوئے پتنگ کی طرح جزیرے میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ ریکھا نے کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ وہ اسے زمرے میں لے لیں۔  
پھر وہ اُن دونوں لڑکیوں کو اس کے قریب لے گئی۔

”کیا یہی تھا....!“ اُس نے پوچھا۔

”نہیں اتنا لمبا چوڑا بھی نہیں تھا۔“ ایک لڑکی نے جواب دیا۔

”ارے.... بھلا.... میں.... غغ.... واہ....!“ قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکھلایا۔

اتنے میں حمید بھی وہاں پہنچ گیا۔

”غمید.... بھائی.... جرات کھو تو....!“ قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں شکایت کیا۔

”میں کیا.... خدا دیکھ رہا ہے.... یہ سب چچک کا شکار ہو کر نقشین ہو جائیں گے انشاء اللہ۔“  
”خدا کرے تم خود مرو۔“ ریکھا کی نساواریت جاگ اٹھی۔

”خدا کرے یا نہ کرے ایک دن تو مرنا ہی پڑے گا۔ مگر تمہارا چہرہ کیسا لگے گا۔ اگر نکل آئی چچک۔“  
ریکھا دانت پیس کر آگے چلی گئی۔

پھر کچھ دیر بعد حمید کو وہاں کرٹل فریدی نظر آیا جس کے چہرے پر گہری طمانیت تھی اور وہ رخسار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اُس نے حمید کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

”کیا قصہ ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

حمید کو اپنی شیطنت بھی دہرائی پڑی لیکن فریدی نے اس پر کچھ نہیں کہا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید فریدی حسب معمول پہلے تو اخلاقیات پر ایک طویل لیکچر پلائے گا اور پھر اُسے کسی بار بردار گدھے کی طرح کام پر لگا دے گا، لیکن اس کے انداز سے یہ بھی نہ ظاہر ہو سکا کہ وہ اس کیس میں دلچسپی ہی لے گا۔

”آج کل میرے پاس کام کی زیادتی ہے، ورنہ اسے بھی دیکھتا۔“ اُس نے لاپرواہی سے کہا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی اور اس نے سوچا کہ اب اتوار بارہ بجے شب تک اتوار ہی رہے گا۔

”مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ اتنی جلدی غائب کہاں ہو گیا۔“ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”وہاں پہنچنے میں بمشکل تمام دو منٹ لگے ہوں گے۔“

”لانچ میں بیٹھ کر نکل گیا ہو گا۔“

”دور دور تک کسی لانچ کا پتہ نہیں تھا۔“ حمید نے کہا۔

”کیا تم پورے جزیرے کا چکر لگا سکے ہو گے دو منٹ میں۔“

”نہیں پھر بھی میں شاید اپنی زندگی میں کبھی اتنا تیز نہیں دوڑا تھا جتنا آج دوڑا ہوں۔“

”ایک لڑکی کا معاملہ تھا۔“ فریدی مسکرایا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس معاملے کا مسئلہ کیوں لڑا رہے ہیں۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”کو اس مت کرو۔“ فریدی کہتا ہوا اٹھ گیا۔

## تین لڑا کے

اس معاملے میں تو حمید کو اس سے غرض تھی ہی نہیں کہ فریدی اس میں دلچسپی لے رہا ہے یا نہیں۔ وقتی طور پر اس سے ضرور کاہلی سرزد ہوئی تھی لیکن پھر اس نے سوچا کہ ہلدا اس کی موجودگی میں وہاں سے غائب ہوئی تھی اس لئے اسے کچھ کرنا چاہئے۔

لیڈی انسپکٹر ریکھا اس کے ہم چشموں میں اس کا مضحکہ اڑاتی پھر رہی تھی۔ وہ حمید سے یوں بھی بڑی طرح خار کھاتی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید ہی اس کے اور فریدی کے درمیان آگیا ہو۔

وہ اس وقت ریکھا ہی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔  
اس نے ریسپور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔  
”میری کوئی کال آئی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کوئی نہیں۔“

”تم کیا کر رہے ہو۔“

”میں تاؤ کھا رہا ہوں۔“

”کیوں....!“

”کیا ریکھا یہ سمجھتی ہے کہ آپ مجھ سے عشق کرنے لگے ہیں۔“

”کیا بکواس ہے۔“

”ارے وہ مجھ سے اس طرح جلتی ہے جیسے مجھے آپ کی محبوبہ بننے کا شرف حاصل ہو گیا ہو۔“

”کسی وقت تمہارا ذہن عورت سے خالی بھی رہتا ہے۔“

”اس وقت کو میرا آخری لمحہ کہیں گے جب ایسا ہو۔“

”کیا تم اپنے بیڈ روم سے بول رہے ہو۔“

”ظاہر ہے۔“

”تمہیں باہر جانا ہے۔“

”کہاں....!“

”آر لکچو.... وہاں ٹھیک ساڑھے نو بجے تین آدمی پہنچیں گے۔ تمہیں ان کا تعاقب کرنا ہے۔“  
”وہاں شاید تین ہزار.... تین آدمی ٹھیک ساڑھے نو بجے پہنچیں گے۔ لیکن میں تین ہزار تو کیا ایک سہی ایک بیادو بھی نہیں ہو سکتا۔“

”پوری بات سنو۔“

”سن رہا ہوں۔“ حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

”تم ان تینوں کو اچھی طرح پہچانتے ہو۔ وہ ایڈی۔ ٹونی اور فمبلر ہیں۔“

”ان کی نگرانی تو ویسے بھی ہوتی تھی۔“ حمید نے کہا۔

”آج کل نہیں ہو رہی ہے۔“

”ارے کسی سادہ لباس والے کو لگائیے۔“

”نہیں.... تم جاؤ گے۔“ فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ”اور میک اپ میں جاؤ گے، جلدی کرو صرف دو گھنٹے۔“

”بہت بہتر جناب عالی۔“ حمید نے اوپری ہونٹ بھیج کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

میک اپ اور بھاگ دوڑ۔ بات کیا تھی اُسے علم نہیں تھا۔ لیکن میک اپ کی ضرورت بہت ہی خاص مواقع پر محسوس کی جاتی تھی۔ مگر کچھ بھی ہو حمید اس وقت کام کے موڈ میں ہر گز نہیں تھا خواہ وہ ہلدا ہی کا معاملہ کیوں نہ ہوتا۔

دراصل اُسے آٹھ بج کر پچیس منٹ پر ہائی سرکل ٹائٹ کلب پہنچنا تھا۔ وہ اپنی ایک نئی ملنے والی کو وقت دے چکا تھا۔ الجھن.... الجھن کے علاوہ اور کیا ہوتا۔ نہ وہ یہی برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی نئی دوست اس کے متعلق کوئی بڑی رائے قائم کرے اور یہ بھی ناممکن تھا کہ وہ فریدی کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ اگر میک اپ کا جھگڑنا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی کو پھانسنے کی کوشش کرتا۔ ساڑھے آٹھ بجے وہ ہائی سرکل ٹائٹ کلب میں ملنے والی تھی اور ساڑھے نو بجے ان تینوں کو آر لکچو میں دیکھنا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کا وقت ملا لیکن اس ایک گھنٹے میں میک اپ کر کے صحیح وقت پر آر لکچو پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔

وہ سر پٹینا ہوا اوپری منزل پر آیا۔ یہاں تجربہ گاہ میں میک اپ کا سامان بھی رہتا تھا۔ وہ چند لمبے ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے بے حس و حرکت کھڑا ہا پھر یک بیک اس کے ہونٹوں پر ایک شریر

ی مسکراہٹ نظر آئی۔

اس کے بعد وہ الیکٹرک شیوگ مشین سے اپنی ڈاڑھی اور مونچھیں کھرپنے لگا۔ چہرے کی مکمل قسم کی مرمت ہو جانے پر اُسے پچھاناد شوار ہو گیا اور پھر جب اُس نے اپنے سر پر مصنوعی سنہرے بال چپکائے تو بس قیامت ہی ہو گئی۔ خود اس کا دل چاہا کہ آئینے ہی سے لپٹ جائے۔ ایسی حسین نسوانی شکل نکلی تھی کہ بس۔

اب وہ سوچنے لگا کہ ساری استعمال کرے یا اسکرٹ۔ زندگی میں پہلی بار عورت کا میک اپ کیا تھا لیکن اُسے خود پر اعتماد تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس رول میں بھی کہیں سے جھول نمایاں نہیں ہو سکتا۔ ویسے فریدی کی یہ منشا ہرگز نہیں تھی کہ حمید کسی عورت کے میک اپ میں اُن تین آدمیوں کی گمرانی کرے اس نے نہ کبھی خود پر اس قسم کا کوئی میک اپ آزمایا تھا اور نہ کبھی حمید ہی کو اس کی رائے دی تھی۔

پھر تو گویا یہ سو فیصدی اسی چھپکلی کا مسئلہ تھا جو کبھی کبھی حمید کے سر پر سوار ہو کر اُسے رسوا کیا کرتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہلکے نارنجی رنگ کی ساری میں ایک دراز قد اور غیر معمولی طور پر صحت مند لڑکی نظر آنے لگا اور پھر اُس نے آئینے میں آنکھ ماری۔

اب سوال تھا ملازموں کی نظروں سے بچ کر نکل جانے کا۔ اس کے لئے اُس نے عقبی زینے اُتار لئے اور عمارت کی پشت پر پہنچ گیا۔

پھر گیراج تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئی۔ کپاؤنڈ کا پھانگ ابھی کھلا ہی ہوا تھا۔ اُس نے گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی جس کا رنگ فوقتاً ضرورت کے مطابق تبدیل کیا جاتا رہتا تھا اور یہ بہت ہی مخصوص قسم کے موقع پر استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے کوئی مخصوص نمبر نہیں تھے اسلئے بعض اوقات اس پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف نمبر کی پلیٹیں نظر آیا کرتی تھیں۔ وہ ٹھیک نوبت پر آکر لکچو پہنچ گیا۔

مگر اپنی اسکیم کے مطابق اُسے باہر ہی رک کر اُن تینوں کا انتظار کرنا تھا۔ وہ شہر کے بدنام لوگوں میں سے تھے اور اُن کا ذریعہ معاش فریب دی اور دوسری مختلف غیر قانونی حرکات تھیں۔ یہ دیکھی ہی تھے، لیکن انہوں نے انگریزوں کے سے نام اختیار کر رکھے تھے۔

حمید نے گاڑی کپاؤنڈ کے ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی، جہاں اندھیرا تھا لیکن پورچ

یہاں سے صاف نظر آتی تھی اور پورچ کی چھت سے لٹکے ہوئے بڑے لیپ کی روشنی میں ہر آنے جانے والے کا چہرہ بخوبی دکھائی دیتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ تینوں پورچ میں نظر آئے۔ حمید چپ چاپ گاڑی سے اتر اور انتظار کرنے لگا کہ وہ لوگ اندر داخل ہو جائیں۔

پھر جب حمید اندر پہنچا تو بیک وقت درجنوں آنکھیں اُس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں خمار آلود ہو رہی تھیں۔ چال تو قیامت تھی قیامت۔ اُس نے ان تینوں کو ایک میز پر دیکھا اور ان کے قریب ہی دو ایک میزیں اور بھی خالی تھیں۔ وہ اسی طرح چل پڑا۔ ایڈی کارخ اسی کی طرف تھا۔ اس نے اُسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اُسے اس طرح ایک جانب گھورتے دیکھ کر اُس کے ساتھ بھی مڑے اور پھر اُن کی بھی وہی کیفیت ہوئی، جو ایڈی کی ہوئی تھی۔ حمید ایک میز پر جم گیا۔ وہی لاپرواہی مسکراہٹ اب بھی اس کے ہونٹوں پر تھی اور وہ کسی کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایڈی، ٹونی اور ٹمپلر نیچیں نظر آنے لگے۔ پھر کچھ دیر بعد حمید نے ایسی حرکتیں شروع کیں کہ اُن کا دل بڑھ گیا اور ایڈی اٹھ کر اُس کی میز پر آیا۔

”کیا آپ ہماری دعوت قبول کریں گی محترمہ۔“ اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

”تشریف رکھئے“ حمید نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔“

ایڈی اُس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

”یہ بد تمیزی ضرور تھی۔“ اُس نے متاسفانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”مگر میں نے سوچا ممکن ہے آپ اس شہر میں نووارد ہوں۔ بات دراصل یہ ہے محترمہ.... اب سچی بات عرض کروں۔ ہم تینوں پیشہ ور گائیڈ ہیں۔ اگر آپ نے ابھی تک کوئی گائیڈ نہ کیا ہو تو میں اپنی خدمات پیش کروں۔“

”ضرور پیش کیجئے.... میں آج ہی تو آئی ہوں۔“ اُس نے ہنس کر کہا۔ پھر منہ بنا کر بولا۔

”اُف فوہ.... کتنی پیاس ہے.... وہ کم بخت.... دیٹر۔“

”کیا بتائیں گی آپ....!“

”رات کو میں پانی نہیں پیتی۔“

”پھر بھی بتائیے ناکیا مگائیں۔“

”میں خود منگواؤں گی....“ حمید نے کچھ غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کیا تم مجھے کوئی فکرت سمجھتے ہو۔“

”ارے نہیں محترمہ.... یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔“ ایڈی بوکھلا گیا۔

”بلاؤ اپنے ساتھیوں کو بھی بلاؤ.... اور تم تینوں مل کر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش.... اے.... بوائے۔“

ویٹر تیزی سے میز کے قریب آیا۔

”شیری لاؤ اور ایک اسکاج.... یا پھر تم لوگ کیا پیتے ہو۔“ اس نے ایڈی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”وہسکی.... وہائٹ ہارس....!“ ایڈی گزبڑا کر بولا۔

”ایک بوتل وہائٹ ہارس.... ایک شیری.... جلدی کرو۔“ حمید نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

”یہ چلا گیا پھر وہ ایڈی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”بلاؤ نا اپنے ساتھیوں کو۔ نہ میں کوئی مفلس عورت ہوں اور نہ مردوں سے ڈرتی ہوں۔“

”آپ خواہ مخواہ بدگمان ہوتی ہیں محترمہ.... ہم تو آپ کے خادم ہیں۔“ ایڈی نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اسی میز پر آجانے کا اشارہ کیا لیکن حمید نے اُسکی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔

”آپ ایک مہربان خاتون ہیں۔“ اس نے ٹوٹی اور ٹمپلر سے کہا۔ ”آپ اپنے ازرہ نواز شیری خدمات قبول کر لی ہیں اور.... یہ دعوت.... آپ ہی کی طرف سے ہے۔“

اُن دونوں نے متشکرانہ انداز میں صرف سر ہلا دیئے۔ زبان سے کچھ نہیں کہا۔

”ہاں میں حاتم کی بیٹی ہوں۔“ حمید ہنس پڑا۔

ویٹر نے میز پر شراب کی بوتلیں گلاس اور سوڈا کا سائیفن لایا اور وہ دونوں اشتباہ آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب بڑی گرمجوشی سے پی رہے تھے۔ کیونکہ حمید نے انہیں تاؤڈا دیا تھا اس نے اپنے کسی ایسے دوست کا تذکرہ کیا، جو بڑا پیکر تھا، جسے ایک ہی نشست میں کئی کئی بوتلیں صاف کر دینے کے بعد بھی نشہ نہیں ہوتا تھا اور اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسے ہی پینے والوں کے ساتھ بیٹھ کر پینے میں لطف بھی آتا ہے۔

وہ تینوں شہر کے چھٹے ہوئے بد معاش تھے لیکن حمید کو ایک آوارہ مزاج رئیس زادی کے

علاوہ اور کچھ نہ سمجھ سکے۔ پہلی بوتل ذرا ہی سی دیر میں خالی ہو گئی لیکن انہیں نشہ نہیں ہوسکا۔ شاید حمید کا دوست اُن کے ذہنوں پر بُری طرح حاوی ہو گیا تھا۔ پھر ٹوٹی نے دو بوتلیں اپنی جیب سے منگوائیں۔ حمید شیریں پیتا رہا۔

اچانک ساڑھے دس بجے حمید کو وہاں شہر کا ایک اور بد معاش دکھائی دیا جس کے کئی جوئے خانے چلتے تھے لیکن ابھی حال ہی میں فریدی نے اس کا یہ بزنس بند کر دیا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اسی میز کی طرف آرہا ہے۔ تاگر کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ بھی اُسے معلوم تھا کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میک اپ ہی کا بھرم کھل جائے کیونکہ تاگر بہت عرصہ تک اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا تھا۔

”میں ابھی آئی۔“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے.... نائیں.... ہام.... کاسے.... جی.... نہیں گے۔“ ایڈی جھومتا ہوا بولا۔ لیکن حمید اپنا دوشی بیگ سنبھالتا ہوا اٹھسک ہی گیا۔ وہ بڑی تیزی سے ریکریشن ہال کی طرف جا رہا تھا۔

”اب تمہیں کہاں جانا ہے میرے دوستو.... کہ میں تمہارا تعاقب کروں گا۔“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور بے اختیار مسکرا پڑا۔ پھر بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کسی نے اُسے اس طرح خود بخود مسکراتے تو نہیں دیکھ لیا.... آج وہ جی بھر کے تفریح کرنا چاہتا تھا۔



ٹوٹی، ایڈی اور ٹمپلر بُری طرح ڈاؤن ہو گئے تھے اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاگر کو دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کوئی جیتی جاگتی چیز ہو بلکہ انہوں نے اُسے خواب میں دیکھ پایا ہو۔

”کیا کر رہے تھے تم لوگ۔“ تاگر غرایا۔

”مزہ کر رہے تھے پیارے۔ تم بھی آؤ۔“ ایڈی جھومتا ہوا انگلی نچا کر بولا۔

”وہ عورت کون تھی۔“ تاگر غصہ پی گیا۔

”حاتم کی بیٹی۔“ ٹمپلر آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔ ”حاتم کی بیٹی جس نے اپنے گھوڑے کو مہمانِ ذبح کر کے کھلا دیا تھا۔“

”میں کہتا ہوں.... تم لوگ وہاں کیوں نہیں گئے۔“

”وہاں.... سے زیادہ.... یہاں.... بچ.... مزہ آرہا.... بچ.... تھا....“ ٹوٹی ہچکیاں لیتا

کمپاؤنڈ میں پہنچ کر اس نے موٹر سائیکل سنبھالی اور ایک طرف چل پڑا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک عمارت کے سامنے موٹر سائیکل روکی اور اتر کر اندر چلا گیا۔ وہاں ہی اس کے ہاتھ میں پٹرول

“ناگر...!”

”کیوں؟“ لہجے میں حیرت تھی۔ ”اوہ ٹھہرو! ایک منٹ! ذرا میں سلپنگ گاؤن ڈال لوں۔“

پھر تقریباً تین منٹ بعد دروازہ کھلا اور ناگر نے محسوس کیا کہ وہ اس قلیل وقفے میں چہرے پر یف کرنا اور ہونٹوں پر اسٹیک پھیرنا نہیں بھولی تھی۔ ویسے اس کی خمار آلود آنکھیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ کبھی نیند سے جاگی ہے۔ بڑے بڑے پھولوں والا سلپنگ گاؤن اس کے سڈول جسم پر بہت حسین لگ رہا تھا۔



”میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں نے کتے کی لاش جلا دی۔“  
”کیوں....؟“ مونا چونک سی پڑی۔

”ٹونی، ٹمپلر اور ایڈی اُسے کنوئیں میں نہیں پھینک سکے۔“

”انہوں نے اتنی پی پی لی ہے کہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے پھینک دیں گے.... میں خود نہیں پھینک سکا۔ اپنے پاس سے کہہ دو کہ میں آدمی کی لاش برداشت کر سکتا ہوں لیکن کتوں کی لاشیں میرے بس سے باہر ہیں۔“

”مگر تم نے اُسے جلا کیوں دیا۔“

”پتہ نہیں وہ لاش کیسی تھی۔ اگر وہاں پڑی رہ جاتی تو معلوم نہیں کس قسم کے نتائج برآمد ہوتے۔ یہی سب سوچ سمجھ کر میں نے اُسے ضائع ہی کر دینا مناسب سمجھا۔ اور ہاں اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب مجھے دوسرے آدمیوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ تینوں تو شاید اب تک حوالات میں پہنچ چکے ہوں گے۔“

”اچھا اب میں جا رہا ہوں۔“

ناگروا جیسی کے لئے مڑ گیا۔ اس نے یہ گفتگو وہیں کھڑے کھڑے کی تھی۔

## تفریح

آر لکچو میں ہنگامہ ہوا اور آن واحد میں فرو بھی ہو گیا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ تین شرابی آپس میں لڑ پڑے تھے۔ انہیں پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ان کے ساتھ جو عورت تھی کہاں گئی۔ ایڈی، ٹونی اور ٹمپلر سے بہترے واقف تھے اور یہ بھی بہتروں نے دیکھا تھا کہ ہنگامے کے وقت اس میز پر کوئی چو تھا آدمی نہیں تھا۔

بس یہ ہنگامہ ڈائیننگ ہال ہی تک محدود رہا۔ ریکریشن ہال والوں کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔ مگر حمید غافل تو نہیں تھا۔ وہ اس وقت تک یہاں کی تفریحات میں مشغول نہیں ہوا تھا جب تک اس نے ناگروا ڈائیننگ ہال سے نکلتے نہیں دیکھ لیا تھا۔

اس کے بعد اُسے کسی شکار کی تلاش ہوئی۔ وہ آج جی بھر کے تفریح کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ

فریدی کی وجہ سے اپنی ایک دوست کو وقت دے دینے کے باوجود بھی ہائی سرکل ٹائٹ کلب نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں اُسے شکار نظر آگیا اور شکار بھی ایسا کہ بس مزہ ہی آجاتا۔ قاسم ان دنوں روزانہ آر لکچو میں آ رہا تھا کیونکہ رقص گاہ کے فرش پر پاؤڈر چھڑکنے والی لڑکیوں میں سے ایک اُسے بہت زیادہ پسند آگئی تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ اُسے صرف دیکھتا اور ٹھنڈی سانسیں ہی کھینچتا رہا ہو گا۔ اس میں بھلا اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ کسی لڑکی سے ملنے لانے میں پہل کر سکتا۔ ویسے اُس کا یہ قول بھی سچا ہی ہو سکتا تھا کہ

”محبوبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے“

”محبوبت کی کھاموش انگاریاں ہیں“

وہ اس شعر کو گنگنا کر پڑھا کرتا تھا۔ مگر ”چنگاریاں“ اُسے ہمیشہ ”انگاریاں“ یاد آتیں۔ اگر کوئی نوک دیتا تو ہتھے سے اکھڑ جاتا اور حلق پھاڑ کر کہتا۔ ”میں انگاریاں ہی کہتا ہوں، یہی درست ہے۔“ انگارہ سے انگاریاں.... اگر چنگاریاں صحیح ہے تو انگارہ کو چنگارہ کیوں نہیں کہتے.... نہیں کہوتا۔“ حمید نے اُسے دیکھا۔ وہ گیر کی کی ایک میز پر تنہا تھا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں دھنی بیک ہلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا.... اور جب اُس کے قریب پہنچ گیا تو قاسم نے منہ کھول کر اس طرح پلکیں چھپکا ئیں جیسے کسی الو کو پکڑ کر دھوپ میں بٹھا دیا گیا ہو۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔“ حمید نے مسکرا کر پوچھا۔ اُس کی آواز میں نہ جانے کہاں کا رس اور لوج آگیا تھا۔

”جج.... جی.... جی ہاں“ قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ میز پر سر کے بل کھڑا ہو جانا چاہتا ہو۔

”آپ بھی بیٹھئے نا۔“ حمید نے کہا، جو پہلے ہی بیٹھ گیا تھا۔

”جج.... جی ہاں.... بب.... بالکل.... بالکل....!“ قاسم پیچھے ہٹ کر کرسی سنبھالنے لگا۔ کبھی ادھر کھسکا تا اور کبھی ادھر۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ شاید زندگی میں پہلا ہی موقع تھا جب کسی ٹکڑی سی لڑکی نے خود ہی اُس سے اُس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کی تھی۔

”میں کہتی ہوں.... تشریف رکھئے نا.... یا اگر میرا بیٹھنا ناچار ہو تو میں چلی جاؤں۔“  
 ”نن.... نہیں.... ارے نہیں.... بیٹھے.... بھائی صاحب.... اُدغ.... اُدغ....  
 مطلب یہ کہ.... جی ہاں۔“

قاسم دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

حمید نشلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ قاسم کا بُرا حال تھا۔ کبھی وہ اس کی طرف دیکھتا اور کبھی بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگتا۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

”میں آپ کو کتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں آپ کے متعلق میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے.... مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ سیٹھ عاصم کے لڑکے ہیں آپ کا نام قاسم ہے۔ آپ کی شادی ایک ایسی لڑکی سے کردی گئی ہے جو آپ کو پسند نہیں کرتی۔“

”جج.... جی ہاں....!“ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ رو دے گا۔

”مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ اچھا یہ بتائیے آخر مجھے کیا پڑی تھی کہ میں نے آپ کے متعلق اتنی معلومات فراہم کر ڈالیں۔“

”جج.... خدا آپ کا بھلا کرے۔“ قاسم کو اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ سوجھا۔  
 حمید پھر خاموش ہو گیا اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ قاسم کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”آپ کتنے اچھے ہیں۔ مجھے کتنے اچھے لگتے ہیں۔“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔  
 قاسم ہکا بکارہ گیا اور اب تو وہ بالکل ہی گونگا ہو گیا تھا۔  
 ”میں اکثر آپ کو خواب میں بھی دیکھتی ہوں۔ آپ کتنے بانکے سچیلے ہیں۔“

قاسم نے بوکھلاہٹ کے عالم میں سوچا کہ اُسے بھی کچھ نہ کچھ بولنا ہی چاہئے۔ مگر بولے کیا۔ ظاہر ہے اسی جملے کے جواب میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہئے مگر اتنی دیر تک جواب بھی نہ سوچنا چاہئے کہ لڑکی کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔ اتنی عقل تو قاسم بھی رکھتا تھا۔ دفعتاً اُسے سوجھ ہی گئی کہ اس موقع پر اُسے کسر نفسی اور خاکساری سے کام لینا چاہئے۔ لہذا وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔  
 ”اجی میں کس.... لائق ہوں.... بالکل چمار ہوں.... اررر.... ہوف.... یعنی کہ خبیث

ہوں.... اُف فوہ.... مطلب یہ کہ.... الا قسم جب بھی آئینہ دیکھتا ہوں بالکل دھوبی معلوم ہوتا ہوں.... ہت تیرے کی سب غلط۔“

قاسم نے جھنجھلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبا لیا۔ اُسے شدت سے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے رو میں اچھی خاصی بکواس کر ڈالی ہے۔

”ہے ہے.... آپ کی یہی ادا تو مار ڈالتی ہے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔  
 ”لو.... مار ڈالتی ہے.... ارے باپ رے۔“ قاسم ٹڈھال سا ہو کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔  
 ”کیوں کیا ہوا....!“ حمید آگے جھک آیا۔

”آپ مردوں کی طرح کیوں بول رہی ہیں۔“ قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”آپ عورتوں کی طرح بدحواس کیوں ہو جاتے ہیں۔“ حمید نے چپک کر کہا۔

”یہاں لگ.... گرمی کتنی ہے۔“ قاسم اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

”تواٹھے.... باہر چلیں....!“ حمید نے تجویز پیش کی۔



ناگر کی موٹر سائیکل ایک بار پھر سڑکوں پر فرارے بھر رہی تھی، لیکن وہ اُسے اپنی قیام گاہ کی طرف نہیں موڑ سکا کیونکہ اسے ایک بیک وہ عورت یاد آگئی تھی جسے اُس نے اپنے ساتھیوں کی میز سے اٹھتے دیکھا تھا۔

”کیا وہ اب بھی وہاں موجود ہوگی؟ ناگر سوچ رہا تھا۔ وہ کون تھی؟ اور اس حرکت کا کیا مقصد تھا۔ ٹوٹی یاڈی اور ٹمپلر اس کے لئے نئے نہیں تھے۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ ان کی عادت سے بھی واقف تھا کہ وہ کبھی زیادہ نہیں پیتے تھے۔ اتنی زیادہ کہ ہوش ہی میں نہ رہیں اور آپس ہی میں لڑیں۔ پھر یہ کیا قصہ تھا۔“

موٹر سائیکل اسی سڑک پر مڑ گئی جس پر آر لکچو کی عمارت واقع تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آر لکچو کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا یہاں حالات معمول پر آچکے تھے۔ لیکن ڈائینگ ہال میں وہ لڑکی نہ دکھائی دی۔

ناگر نے سوچا ممکن ہے وہ چلی ہی گئی ہو۔ ویسے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ اگر وہ کسی قسم کی سازش ہی تھی تو اس کے بعد لڑکی وہاں ٹھہرنے ہی کیوں لگی۔

وہ کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا اور کاؤنٹر کلرک سے فون استعمال کرنے کی اجازت طلب کر کے کسی کے نمبر ڈائیل کئے لیکن تیسری بار رنگ کرنے پر رابطہ قائم ہو سکا۔

”ہیلو....!“ اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”اٹ از ناگر.... میری کوئی کال۔“

”جی ہاں۔“ دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ”تھری تھری ایٹ سکس ناٹ پر رنگ کر کے صرف اپنا نام لیجئے۔“

”کیا لہجہ غیر ملکی تھا۔“ ناگر نے پوچھا۔

”جی ہاں.... غیر ملکی ہی تھا۔“

”شکریہ۔“ ناگر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد اُس کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

”ناگر....!“

”گلد....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم بہت ذہین ہو ناگر اسی لئے میں تمہیں بہت

اہمیت دیتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں پہلی بار تم سے براہ راست گفتگو کر رہا ہوں۔“

”شکریہ جناب....!“ ناگر نے بہت بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”مجھے مونا سے اطلاع مل چکی ہے۔ تم نے جی جی عظیمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے ضائع کر دینا

ہی بہتر ہوا۔ مگر تمہارے ساتھیوں کا کیا بنا۔“

”وہی جو ہونا چاہئے تھا۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔“

”تم کہاں سے بول رہے ہو۔“

”آر لکچو سے۔“ ناگر نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اُن سے

مزید حقائق ہوئیں تو کیا صورت ہوگی۔“

”اسکی پروا نہ کرو۔“ دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ ”اگر انہوں نے کوئی بیان

دیا تو اسکی وقعت بھی نشے کی جھونک سے زیادہ نہ ہوگی۔ باپھر وہ پاگل قرار دے دیئے جائیں گے۔“

”جی ہاں.... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں.... ہاں دیکھئے ابھی فون ہی پر ٹھہریئے گا۔“

”کیا مطلب....!“

”میں سلسلہ منقطع کر رہا ہوں۔“ ناگر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ باہر جا رہا تھا۔ سڑک پر آکر وہ تیزی سے ایک جانب چل پڑا۔ پھر ایک ٹیلی فون بوتھ ہی کے قریب رکا۔ یہاں سے اُس نے پھر اسی نامعلوم آدمی کے نمبر ڈائیل کئے جس سے کچھ دیر پہلے گفتگو کر چکا تھا۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اب کہاں ہو!“

”ایک پبلک کال بوتھ سے بول رہا ہوں۔“

”واقعی بہت سمجھ دار ہو ناگر۔ میرا خیال ہے کہ اب تم مجھے کوئی حیرت انگیز اطلاع دو گے۔“

”حیرت انگیز ہی سمجھئے کیونکہ.... مطلب یہ ہے کہ....!“

”کہو.... ہچکچاہٹ کی ضرورت نہیں۔“

”محکمہ سراغ رسانی کی ایک لڑکی غائب ہو گئی ہے۔“

”لیکن اُس سے ہمیں کیا سروکار۔“ دوسری طرف سے متحیرانہ لہجے میں کہا گیا۔

”بہت عرصہ ہوا مجھے اُس سے سروکار تھا۔ لیکن پھر ہم میں بڑی سخت لڑائی ہوئی اور میں نے

تہیہ کر لیا کہ اُسے جان سے مار دوں گا۔ شاید میں نے اس پر بھی اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا تھا اس کے

بعد اس کی ایک پولیس آفیسر سے دوستی ہو گئی جس نے محکمہ کے سپرنٹنڈنٹ کی اسٹیٹو کی حیثیت

سے اُسے ملازمت دلوا دی تھی۔ اب یہ لڑکی فن آئی لینڈ سے غائب ہو گئی ہے۔“

”ارے تو تمہیں کیوں فکر ہے۔“

”مجھے تو ذرا اسی بات کی فکر ہو جاتی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ میرا ایک بہت بڑا دشمن شہر

میں موجود ہے۔“

”دشمن.... کیا مطلب....!“

”میرا اشارہ کر تل فریدی کی طرف تھا۔ کیا آپ اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

”میں نے بہت کچھ سن رکھا ہے۔“

”وہ مجھے پھانسنے کے لئے پیچیدہ ذرائع بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی کے

غائب ہو جانے میں اسی کا ہاتھ ہو۔“

”ارے تم ان جمہیلوں میں نہ پڑو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”شاید وہ تمہارے خلاف

کسی قسم کا ثبوت بھی نہ مہیا کر سکے۔ محض قیاسات کی بناء پر وہ کیا کر لے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اسے اپنے ذہن سے نکال ہی دو۔“



آخر کار قاسم ایک ڈنڈا تلاش کر لینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ حمید نے ہال سے باہر آتے ہی ڈنڈے کی فرمائش کی تھی اور قاسم یہ سوچے بغیر کہ کسی عورت کے لئے ڈنڈے کا شوق کیا معنی رکھتا ہے ڈنڈا تلاش کرنے لگا تھا۔

”اب ٹہیلے چلیں گے۔“ حمید نے کہا۔

”جرور.... جرور.... ڈنڈا لیجئے۔“

”میری گاڑی تک لے چلئے۔“ حمید نے کہا اور اسے کار تک لے آیا۔

تھوڑی دیر بعد کار آر لکچو کی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

”یہ رات کتنی حسین ہے۔“ حمید نے کہا۔

”جج.... جی ہاں.... بہت خوبصورت۔“

”میں آپ کو اچھی لگتی ہوں۔“

”غوب... غوب.... ارے باپ رے.... اوغ....!“ قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا

منہ دبایا۔ وہ پھر بڑی طرح بوکھلا گیا تھا۔

”کیوں.... کیا بات ہے۔ آپ مجھے پسند نہیں کرتے۔“

”پپ پسند.... بہت.... بہت....!“

”تو پھر اس طرح منہ کیوں بند کرتے ہیں۔“

”منہ میں درد ہے۔“

”منہ میں.... درد.... واہ.... یہ نئی بات سنی۔“

”درد.... دانت میں ہوگا۔“ قاسم نے کہا اور منہ پر سے ہاتھ ہٹا لئے۔

”خیر....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں بہت عرصہ سے آپ کو دیکھ رہی ہوں۔

اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیا آپ مجھ سے محبت کریں گے۔“

”الا قسم کروں گا.... کرتے دم تک مروں گا.... ارے ہش.... مرتے دم تک کروں

گا۔“ قاسم کی بوکھاہٹ شدت اختیار کر گئی۔ چونکہ اب اس بوکھاہٹ میں مسرت کی آمیزش ہو گئی تھی اس لئے اس سچویشن کا کیا پوچھنا۔ اگر خود قاسم ہی ڈرائیو کر رہا ہوتا تو شاید کار سمیت ان دونوں کے چیتھڑے اڑ گئے ہوتے۔

حمید کار کو ایک سنسان سڑک پر لئے جا رہا تھا اور یہ راہ کھٹالی کے ویران میدان کی طرف جاتی تھی۔ قاسم کو اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ وہ جنت میں جا رہا ہے یا جہنم میں۔ اس کا خیال ہی فضول تھا کیونکہ لے جانے والی ایک عورت تھی۔ ایسی جو قاسم کے معیار عشق پر پوری اترتی تھی۔ کھٹالی کے میدان میں حمید نے کار روکتے ہوئے کہا۔ ”اتر آئیے سر تاج من، عشق لڑانے کے لئے اس سے مناسب اور جگہ کوئی نہ ہوگی۔“

ایسی بے تکلف لڑکی آج تک قاسم کی نظروں سے نہیں گذری تھی اس لئے کار سے اترتے وقت ایک بار پھر اس پر بدحواسی کا دورہ پڑا اور یہ اتنا شدید تھا کہ وہ منہ کے بل نیچے چلا گیا۔

حمید نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ کر بیٹھ گیا۔

”ارے.... ارے.... یہ کیا اٹھئے اٹھئے۔“ حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ قاسم اوندھا پڑا ہوا ہلے ہلے کر رہا تھا۔

”ارے اٹھئے بھی....!“ حمید نے کہا۔

”کیسے اٹھوں....!“ قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ”آپ تو چڑھی بیٹھی ہیں۔“

”ارے توبہ....!“ حمید اس پر بے اٹھتا ہوا بولا۔ ”جج جج میں محبت میں بالکل دیوبنی ہو جاتی ہوں۔“

”قوی.... کوئی بات نہیں.... بی بی بی بی۔“ قاسم نے بدقت تمام اٹھ کر کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر حمید نے کہا۔ ”میں ازبکستان کی رہنے والی ہوں۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“ قاسم بولا۔

”مجھ سے محبت کرو۔“

”جج.... جی ہاں....!“

”تو کرونا.... تم تو کسی اداس خچر کی طرح خاموش کھڑے ہو۔“

”بی بی بی.... کیسے کروں محبت....!“ قاسم دانتوں میں انگلی دباکر ہنسا۔

”ہائیں! تم اتنا بھی نہیں جانتے۔“ حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”اچھی بات ہے تو

پھر میں ہی شروع کروں گی۔ مگر ہم ازبکستانیوں کے رسم و رواج بالکل مختلف ہیں۔ مرد کے طریقے الگ ہیں اور عورت دوسری طرح اظہار محبت کرتی ہے۔ اچھا چلو، جو کچھ میں کہتی ہوں اسے غور سے سنو پھر تمہیں بھی وہی دہراتا پڑے گا۔ اے ستارو تم کہاں جا چھے ہو باہر آؤ۔ میں تمہیں پکارتا ہوں.... اور یہ کالی گھنائیں، جو تمہیں ہڑپ کر گئی ہیں، تھوڑی دیر کی مہمان ہیں۔ تم ان میں آنکھ جھولی کھیلے رہو۔ ابھی کچھ دیر بعد تمہیں گواہی دینا پڑے گی کہ ہم دونوں ایک دوسری پر جان دیتے ہیں۔ چلو اب اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اُسے دہراؤ۔“

قاسم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور ہکلائے لگا۔ ”اے سس.... ستارو.... باہر نکل کر مجھے.... مجھے.... ہڑپ کر جاؤ.... ارے نہیں.... ہش.... وہ کیا تھا سالہ.... گالی کھنائیں.... ہائیں.... ارے باپ رے.... سب سالہ بھول گیا۔ ارے وہ کیا تھا.... مہمان آجائے گا سالہ تھوڑی دیر میں گواہی دیتے۔“

”شفاک....!“ ایک زوردار ڈنڈا اُس کے کولہوں پر پڑا۔

”ارے باپ رے۔“ وہ بے تحاشہ دھاڑ کر اچھل پڑا۔

”کہتے رہو.... پیارے.... یہ لمحے پھر لوٹ کر نہ آئیں گے۔“ حمید نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”اے تو مارتی کیوں ہو۔“ قاسم جھلا کر بولا۔

”میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ہم میں سے ایک کو اظہار عشق ضرور کرنا چاہئے۔ محبت کا یہی دستور ہے۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں اظہار محبت کرنا نہیں آتا۔ اس لئے میں نے شروع کیا تھا۔ ازبکستان کی عورتیں اسی طرح اظہار عشق کرتی ہیں۔ وہاں کا یہی رواج ہے۔“

”تو کیا ابھی اور کرو گی۔“ قاسم نے کراہ کر مردہ سی آواز میں پوچھا۔

”کم از کم تین درجن ڈنڈے....!“ حمید نے اطمینان سے کہا۔

قاسم کے دیوتا کوچ کر گئے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے.... نہ تو وہ اُسے اظہار عشق سے روک سکتا تھا اور نہ یہی چاہتا تھا کہ اُس کے کولہوں کی کھال اتر جائے۔ بہر حال جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ دل ہی میں ازبکستان والیوں کو گالیاں دینے لگا۔

”ارے تم کیا سوچ رہے ہو پیارے۔ اٹھاؤ ہاتھ اوپر۔“ حمید نے قاسم کو جھنجھوڑ ڈالا۔

”اٹھاتا ہوں.... مگر تم جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں وہ مجھے زبانی یاد نہیں ہوتا۔“

”پرواہ مت کرو۔“ حمید بول پڑا۔ ”تم کچھ بھی نہ کہو۔ بس چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑے رہو۔ میں خود ہی یہ سب کچھ دہراتے ہوئے تین درجن ڈنڈے پورے کر لوں گی۔“

”مر گئے۔“ قاسم کی آواز میں ہلاکت کا درد تھا۔

”میں.... تم پر جان دیتی ہوں.... ایک....!“ حمید نے کہہ کر دوسرا ہاتھ رسید کیا۔

”اُف.... فیہا....!“ قاسم پھر کراہا۔

”روتے کیوں ہو.... خوشست کیوں پھیلاتے ہو.... دو....!“ تیسرا پڑا۔

”ہائے.... ہا ہا ہا....“ قاسم رونے کے سے انداز سے ہنسا۔

”میں ستاروں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ ہمیشہ تمہیں پیار کرتی رہوں گی.... تین....!“

”ہاغ.... غٹ.... کھال اتر جائے گی.... پیاری۔“ قاسم کا لہجہ حد درجہ دردناک تھا۔

”پرواہ مت کرو.... یہ لمحات زندگی بھر ایک حسین یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے خوش

نصیب لوگ دنیا میں کہاں ملتے ہیں، جن سے عورتیں اظہار عشق کریں.... ہنسو.... قہقہے

لگاؤ.... تم بڑے آدمی ہو.... چار....!“

”اُغ.... ہم.... ارے تو ذرا آہستہ مارو نا۔“

”مجبوری ہے.... میں نہیں چاہتی کہ زندگی بھر ہم میں جدائی ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر

زور سے ڈنڈا نہ جمایا گیا تو شیطان ہم پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جدائی لازمی ٹھہری۔ یہ

ڈنڈے اس وقت دراصل شیطان ہی پر پڑ رہے ہیں.... پانچ....!“

”ارے جاؤ....!“ قاسم جھلاہٹ میں تقریباً ناچ کر بولا۔ ”کھال میری اتری جا رہی ہے اور

ڈنڈے شیطان پر پڑ رہے ہیں۔ ٹھیکے پر گئی ایسی محبت.... اب مت مارو۔“

دفعتاً حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور سسک سسک کر رونا شروع کر دیا۔

”ارے.... ارے....“ قاسم بوکھلا گیا۔

”نہیں مجھے رونے دو۔ میری تقدیر پھوٹ گئی۔ ازبکستان کی کوئی لڑکی اتنی بد نصیب نہ ہوگی

کہ جس کے محبوب نے اظہار محبت کرنے سے اُسے روک دیا ہو۔ اب میں کیسے زندہ رہوں گی۔ تم

کل صبح کے اخبارات میں دیکھ لینا کہ ازبکستان کی ایک لڑکی جاہرہ زہر کھا کر مر گئی۔“

حمید سر پیٹ پیٹ کر مین کرتا رہا۔

”اچھا اچھا.... روؤ نہیں.... چلو مار لو.... تین نہیں دس درجن۔ اب چوپ بھی رہو۔ خدا کے لئے.... میرا کلیجہ الٹ پلٹ ہو رہا ہے۔“

”یا خدا تیرا شکر ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا دردناک آواز میں بولا۔ ”میں تو سمجھی تھی کہ اب مجھے یا تو عمر بھر کنواری رہنا پڑے گا یا خودکشی کرنی پڑے گی۔“

اُس نے پھر ڈنڈا اٹھایا اور دھڑا دھڑا قاسم پر برسائے لگا۔ لیکن اچانک کسی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی گال پر ایک بھر پور ہاتھ بھی مارا۔ حمید لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا اور پھر اس نے فریدی کی آواز سنی، جو کہہ رہا تھا۔ ”اب میں کچھ دنوں کے لئے تمہیں کسی پاگل خانے میں بند کراؤں گا۔“

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ نہ تو اُسے اس دخل اندازی پر غصہ آیا تھا اور نہ یہ چاٹنا ہی گراں گذر رہا تھا۔ ویسے دابنے گال کی ایسی ہی کیفیت تھی جیسے کھال اتار کر پسبوی مرچیں چھڑک دی گئی ہوں۔

”اے کون ہے.... کھبر دار....!“ قاسم دہاڑا۔

”بکواس مت کرو.... گدھے کہیں کے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں ہوں۔“

”کرئل صاحب.... ارے باپ رے.... ہم.... مگر آپ نے مارا کیوں.... کیوں مارا۔“

”میں تمہیں بھی ماروں گا ورنہ خاموش رہو۔“

”خواہ.... جان چلی جائے۔“ قاسم دہاڑا۔ ”لیکن.... لیکن.... میں بتائے دیتا ہوں کرئل صاحب آپ نے اچھا نہیں کیا۔“

حمید نے ان دونوں کو الجھے دیکھا تو چپکے سے کھسک گیا۔ بہ آہستگی گاڑی میں بیٹھا اور کار حرکت میں آگئی۔

”ظہر و....!“ فریدی نے پلٹ کر کہا لیکن کون سنتا ہے۔ پھر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔

کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ ویسے حمید مڑ مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا اور اسے کسی دوسری گاڑی کی ہیڈ لائٹ بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ دوسری گاڑی کا ڈرائیور

اُسے آیلنے کے لئے کوشاں ہو۔

پھر اُسے اپنے آگے ایک کچے راستے پر بھی ایک گاڑی نظر آئی۔ یہ کچا راستہ سڑک کو کراس کرتا تھا۔ حمید نے احتیاطاً اپنی کار کی رفتار کم کر دی اور دوسری گاڑی کے سڑک پار کر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اچانک دونوں گاڑیاں ایک دوسرے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئیں۔ دونوں کے بریک کڑکڑائے تھے۔ دوسری گاڑی کا ڈرائیور حمید کو بُرا بھلا کہنے لگا اور پھر حمید کو بھی غصہ آگیا اور اس کی بھی زبان چل پڑی، لیکن اُسے اتنا ہوش تو تھا ہی کہ وہ کسی عورت کے میک اپ میں ہے۔ ہوش تو تھا۔ مگر نہ جانے کیوں جیتنے جیتنے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ دوسری گاڑی آگے بڑھ گئی لیکن حمید چیختا ہی رہا۔ اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے اپنی آواز پر بھی قابو نہیں رہا.... اور وہ اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہونے لگی ہے.... اور پھر اُسے اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ وہ بعد کی باتیں یاد رکھ سکتا۔

## چھت گری

حمید کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کتنی ویر تک بیہوش رہا تھا۔ البتہ ہوش میں آتے ہی اُس نے محسوس کیا کہ وہ اب بھی اُس کار والے پر گرج برس رہا تھا۔ جس کی ذرا سی لغزش اُسے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر دیتی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن اُسے بہت زیادہ بوکھلاہٹ میں نہیں مبتلا ہونا پڑا۔ کیونکہ وہ اپنی ہی خواب گاہ میں تھا اور زنانہ لباس اب بھی اُس کے جسم پر موجود تھا۔ لیکن مصنوعی بال سر پر نہیں تھے۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کمرے کی دیواریں اُسے پیس ڈالنے کے لئے اپنی جگہوں سے کھسک رہی ہوں۔ یک بیک وہ پلنگ پر سے اچھل کر بھاگا اور پھر دروازے کے قریب رک کر بستر کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچھ دیر پہلے اُس کے نیچے سانپ کھلبلا ہو۔ شاید اُس نے یہی محسوس کیا تھا۔ وہ پھر دبے پاؤں بستر کی طرف بڑھنے لگا، اور لیکن بستر کھینچ کر دور بھینک دیا۔

اب وہ ایک کرسی پر کھڑا ہو کر نیچے جھکا ہوا اس طرح بستر کو گھور رہا تھا جیسے سانپ نکل کر بھاگنے ہی والا ہے۔ پھر اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے سانپ بلاؤز کے نیچے اس کی پشت پر کھلبلا ہو اور وہ اچھل پڑا اور اُس کی یہ بوکھلاہٹ اُسے کرسی کے نیچے لائی۔ وہ منہ کے بل فرش پر گر رہا تھا اور اُس

کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ اسی انداز میں اپنے کپڑے نوچ رہا تھا جیسے خود کو سانپ سے بچانا چاہتا ہو۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور فریدی اندر داخل ہوا۔ وہ سلپنگ گاؤن میں لپٹا ہوا تھا لیکن ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سوتا رہا ہو۔ وہ بڑے سکون سے حمید کو فرش پر بڑپتے دیکھتا رہا۔ لیکن پھر یک بیک اُس کی آنکھوں میں استعجاب کی لہریں نظر آئیں۔

حمید چیخا۔ ”ارے سانپ.... سانپ.... بچائیے.... بچائیے۔“

پھر وہ اچھل کر فریدی سے آکر لیا۔ فریدی نے اُسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ حمید کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

”سس سانپ...!“ حمید نے ہلکی سی سسکاری لی اور اسکا سر فریدی کے بائیں بازو میں ڈھلک گیا۔

”کیا تم ہوش میں ہو۔“ فریدی نے پھر پوچھا۔

”مم.... میں ہوش میں ہوں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔“ حمید نے ایسی مضحل آواز میں کہا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

فریدی نے اُسے آرام کر سی میں ڈال دیا۔ حمید کی آنکھوں کی کیفیت اب کچھ ایسی تھی جیسے ابھی ابھی جاگا ہو۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔

”باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کر لو۔“ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

حمید کچھ کہے بغیر اٹھ کر باتھ روم میں آیا۔ اب اس کا ذہن کسی حد تک پرسکون تھا۔ لیکن ”الجبھوے والے خیالات سے دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے زنانہ لباس اتار کر سلپنگ سوٹ پہنا اور تھوڑی دیر تک آئینے پر نظر جمائے رہا۔ اس کے بعد کمرے میں آکر اس نے محسوس کیا کہ فریدی بڑے غور سے اس کے حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا ہے۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”شاید اب تم ہوش میں ہو۔“

لیکن اُس کے لہجے سے غصہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ حمید نے تھوک نگل کر جواب دیا۔ ”ہاں بالکل ہوش میں ہوں۔“

”تم گاڑی میں بیہوش پائے گئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہاں شاید میں بیہوش ہو گیا تھا.... لیکن بیہوشی کی وجہ نہ بتا سکوں گا۔“

”مگر تم شاید گاڑی روک کر بیہوش ہوئے تھے۔“

حمید نے سڑک کر اس کرنے والی کار کے متعلق اُسے بتایا۔

فریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”میا اُس گاڑی سے کوئی غیر ملکی بولا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ لہجہ مشرقی نہیں تھا۔“ حمید نے جواب دیا۔

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی پھر بولا۔ ”تم نے دستانے ابھی تک

نہیں اتارے۔ میرا خیال ہے شیری پیتے وقت بھی داہنے ہاتھ کا دستانہ نہ اتارا ہو گا۔“

”وہ.... دد.... دیکھئے.... میں نے سوچا کہ اُن تینوں کو وہیں کیوں نہ روک لوں۔“

”کیونکہ یہ ایک شاندار کارنامہ ہوتا۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”تم انہیں وہاں روک

لیتے اور نتیجے کے طور پر زمین کی گردش رک جاتی۔ نہ صبح ہوتی نہ شام ہوتی۔“

”دیکھئے آپ سمجھ نہیں۔“

”ہاں.... آں....!“ فریدی اٹھ کر ٹھٹھا ہوا بولا۔ ”تمہیں ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ میں

تمہارے محیر العقول کارناموں کو سمجھنے ہی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ داد کیا دوں گا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ کر تمباکو کی پاؤچ اور پائپ تلاش کر رہا تھا۔

”جانتے ہو.... تمہاری اس حرکت سے مجھے کیا نقصان پہنچا ہے۔“

”فائدہ ہی کب پہنچا ہے آپ کو میری ذات سے۔“ حمید جھلا گیا۔

”بکواس مت کرو۔ تم نے میرے لئے سارے راستے بند کر دیے ہیں۔“

”جب میں پوری طرح حالات سے آگاہ نہ رکھا جاؤں گا تو یہی ہو گا۔“

”تمہیں حالات سے کیسا رسوا کر۔ میں نے جو کام تمہارے سپرد کیا تھا وہ کچھ ایسا پیچیدہ نہیں تھا

کہ تمہارے لئے مسائل پیدا کرتا۔ صرف تین آدمیوں کی نگرانی کرنی تھی۔“

”اگر وہ تین مختلف راہیں اختیار کرتے تو۔“

”یہ بھی بکواس ہے.... میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اس وقت ان کی راہیں مختلف

نہ ہوں گی۔“

”جب اتنا کچھ جانتے تھے تو نگرانی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ کام ایک سادہ لباس والا بھی کر سکتا تھا۔“

”لیکن تم اُس سے بھی بدتر ثابت ہوئے ہو۔“

حمید الماری سے تمباکو کا نیا ڈبہ نکال رہا تھا۔ اچانک اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح کپڑے جھاڑنے لگا جیسے کوئی تیز رفتار کیرا آستین کے راستے اوپر چڑھ آیا ہو۔

پھر اُس نے قمیض اتار ڈالی اور اُسے جھٹکنے لگا۔

فریدی تشویش کن نظروں سے اُس کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔“

”کیوں!....!“

”کچھ دیر پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرے بستر میں سانپ گھس آیا ہو۔ پھر وہ سانپ قمیض کے نیچے پشت پر کھلبلیا تھا۔ پھر اب.... کپڑے سے ریگتے ہیں۔“

”چلو بیٹھ جاؤ....“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”تم قاسم کو وہاں کیوں لے گئے تھے اور یہ کیا حرکت تھی۔“

”صرف تفریح کے موڈ میں تھا۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

”اگر میں اُسے بتا دوں کہ وہ تم تھے تو کیسی رہے گی۔“

”کیا ابھی نہیں بتایا۔“

فریدی نے نفی میں سر ہلادیا۔

”تو اب بتائیے گا بھی نہیں، ورنہ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج اس کی کھال گرا دوں گا۔“

”اور میں تمہارے ساتھ اس سے بھی بُرا تاؤ کرنے والا ہوں۔“

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”دیکھئے سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوتا لیکن میں آج کل ہلدا کی فکر میں ہوں۔ میں نے دراصل وہ میک اپ پہلے کیا تھا۔ بعد میں آپ کی کال آئی تھی۔ میں نے سوچا چلو ایک ساتھ دو کام ہو جائیں گے۔ انہیں پناہ کر ہلدا کی فکر کروں گا ورنہ اس سے پہلے بھی کبھی میں نے زنا نہ میک اپ کیا تھا.... اور پھر وہ شراب پلانے والا والدہ

بھی یونہی ساتھ اگر مجھے غصہ نہ آجاتا تو میں انہیں ہرگز شراب نہ پلاتا۔ میں سے ایک نے مجھے آنکھ ماری تھی، بس مجھے تاؤ آگیا اور میں نے انہیں اتنی پلا دی کہ وہ آپس میں لڑ مرے۔“

حمید نے واقعات کو توڑ مڑ کر کسی حد تک غلط انداز میں پیش کیا تھا۔ لیکن اُسے ڈر تھا کہ زبان رکتے ہی فریدی کاٹ کر ناشروع کر دے گا۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ فریدی نے اس پر کچھ نہیں کہا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ کوئی دوسری بات سوچنے لگا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ”اب مجھے براہ راست ناگر ہی پر نظر رکھنی پڑے گی۔“

”آخر قصہ کیا ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”کوئی نامعلوم آدمی یہاں کے بعض تھکے ہوئے جرائم پیشہ لوگوں کو دوبارہ میدان عمل میں لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ طریقہ وہ اختیار کیا ہے کہ جرائم پیشہ لوگ بھی چکر آکر رہ گئے ہیں۔ کام تو کر رہے ہیں وہ اُس کے لئے لیکن کام کی نوعیت اُن کے لئے حیرت انگیز ہے۔ کبھی اُن سے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کتے کی لاش اٹھا کر کسی کنوئیں میں پھینک دیں اور کبھی ہدایت کی جاتی ہے کہ فلاں جگہ ایک کچھوادفن ہے اُسے کھود نکالو اور شہر کے دائر سپلائی نینک میں ڈال آؤ۔ بہر حال ایسی ہی کئی لائیہی حرکتیں وہ اُن سے کراچکا ہے۔“

”جب آپ اتنا جانتے ہیں تو اُس آدمی کو نامعلوم کیوں کہتے ہیں۔“

”ایسا ہی قصہ ہے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”ناگر کو یہ احکامات ایک لڑکی کے ذریعہ ملتے ہیں۔“

”لل.... لڑکی....!“ حمید ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہلکایا۔

”ہاں.... لیکن تمہیں اس کا پتہ نہیں بتایا جاسکتا۔“

”مجھے ضرورت بھی نہیں ہے۔“ حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ پھر یک بیک اچھل پڑا۔

اب وہ پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں پا جاسے کے پائینچے جھاڑ رہا تھا اور ساتھ ہی اچھلتا کودتا بھی جا رہا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہو تم....“ فریدی بھی جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”چھپکلی.... شش.... شاید چھپکلی چڑھ گئی ہے۔“

فریدی اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حمید کی آنکھوں سے خوف



جھانک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ٹھہرا ہوا کر سی میں گر گیا۔



مونا کرسی چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑی کسی خوفزدہ بچے کی طرح پلکیں جھپکارتی تھی۔ شاید دوسری طرف سے بولنے والا سانس لینے کے لئے رکا تھا۔  
چند لمحوں کے بعد پھر آواز آئی۔

”مونا.... ناگر بالکل ناکارہ ثابت ہو رہا ہے۔ اُس نے گدھے قسم کے آدمیوں کا انتخاب کیا تھا تمہیں ہو شیار رہنا چاہئے۔ یہاں کا حکمہ سراغ رسانی ناگر اور اس کے ساتھیوں میں اس حد تک دلچسپی لے رہا ہے کہ اس کے ساتھی اس وقت حوالات میں ہیں۔ تم ہو شیار رہو۔ ناگر کو آگاہ کر دو کہ وہ تم سے ملنے کی کوشش نہ کرے، تم اس سے صرف فون پر گفتگو کر سکتی ہو۔ اور ہاں تم یہاں دوست بنانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے علم ہے کہ تم نے کئی لڑکیوں سے دوستی کی ہے۔“  
”میں کیا کروں باس.... یہاں کی لڑکیاں عجیب ہیں، زبردستی دوست بن جاتی ہیں۔“ مونا نے کہا۔

”اُن سے بے رخی سے پیش آؤ۔ پھر نوٹ کرو کہ اُن میں سے کون اس کے باوجود بھی تم سے ملنے کی کوشش کرتی ہے۔“  
”اس سے کیا ہو گا باس۔“

”بحث مت کرو۔“ دوسری طرف سے بولنے والا غرایا۔

مونا سہم کر خاموش ہو گئی۔

دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔ ”میرا خیال ہے کہ اس ملک کا سب سے بڑا سراغ رسالہ کر تل فریدی ہمارے معاملات میں دلچسپی لینے لگا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ناگر ہی کے ذریعہ ان معاملات سے آگاہ ہوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی پہنچ تم تک ہو گئی ہو۔ اس لئے بہت محتاط رہو۔ اس ٹرانسمیٹر کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھو۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”اوور.... اینڈ آل....!“ آواز آتی بند ہو گئی۔

مونا نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ اب اُس کی آنکھوں میں خوف کی بجائے نفرت کی لہر تھی۔

تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس نامعلوم آدمی کے خلاف کچھ کر کے رہے گی۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کے چہرے سے تھکن سی ظاہر ہونے لگی۔ اس نے الما می کھول کر پورٹ کی بوجھ نکالی اور گلاس میں چار انگل ٹاپ کر انڈیلی چند لمحے رنگین شراب کی سطح پر روشنی کا عکس دیکھتی رہی پھر اسے ایک گھونٹ میں حلق سے اتار گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا لیکن باہر ابھی اتنا اجالا تھا کہ بجلی کی روشنی پھیلاؤ نہیں اختیار کر سکی تھی۔ وہ کمرے سے بالکنی پر آ گئی۔

بچے سڑک پر آدمیوں کا سیل عظیم رواں دواں تھا۔ اُس نے اپنے فلیٹ کے برابر والی بالکنی پر نظر ڈالی اور بے اختیار مسکرا پڑی۔ وہاں ایک نوجوان بڑے بے نیازانہ انداز میں کھڑا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس کے ذہن میں کسی مقبول ترین فلمی ہیرہ کا تصور رہا ہو۔ اس کی وضع قطع بھی ”فلمیوں“ ہی کی سی تھی۔

مونا دل ہی دل میں گھٹ کر رہ گئی۔ اگر وہ آزاد ہوتی تو اُس نوجوان کو بیوقوف بنا کر تھوڑی سی تفریح ضرور کرتی۔ پہلے اسے یہ ہدایت ملی تھی کہ وہ اجنبی مردوں سے ربط و مضبوط بڑھائے لیکن اب لڑکیوں سے ملنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ کس عنوان سے بے رخی اختیار کرے گی۔ کیونکہ وہ تو انہیں پہلے ہی یقین دلا چکی تھی کہ وہ بہت گاڑھی محبت کرنے والی ہے۔ ہزاروں میل کے فاصلے پر بھی اپنے پرانے ملنے والوں کو نہیں بھولتی۔

وہ یک بیک چونک پڑی۔ باہر کوئی کال بل کا ٹن دبا رہا تھا اور اندر گھنٹی متواتر چیخے جا رہی تھی۔  
”کون ہے....!“ اُس نے قریب آ کر دروازہ کھولے بغیر پوچھا۔

”میں روزی ہوں۔“ باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔

”جاؤ.... چلی جاؤ۔“ مونا حلق پھاڑ کر چیخی۔ ”میں اس وقت نشے میں ہوں، تمہیں پھاڑ کھاؤں گی۔ پھر تمہاری دادی اپنی قبر سے اٹھ کر بھاگی آئیں گی۔“  
وہ خاموش ہو گئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ باہر بھی سناٹا ہی تھا۔ پھر اُس نے لوٹے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔



”تم آخر بیہوش کیسے ہو گئے تھے۔ یہ تو بتاؤ۔“ کر تل فریدی حمید سے پوچھ رہا تھا۔

”بخدا میں بیہوش ہو گیا تھا۔ آپ ابے مکر نہ سمجھئے۔ غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھ سے چونکہ ایک بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے اس لئے میں نے بیہوشی کا ڈھونگ رچایا تھا۔ میں کیا بتاؤں مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کیسے بیہوش ہو گیا تھا۔ مگر ٹھہریے دیکھئے۔“

حمید داسنے ہاتھ کی آستین اٹھائے لگا بازو دنگا ہو جانے پر اس نے ایک جگہ انگلی رکھی اور اُسے ہولے ہولے دباتا ہوا بولا۔ ”یہ دیکھئے یہاں ایک چھوٹی سی گٹھی ہے اور اس میں ہلکا سا درد بھی ہوتا ہے۔“

فریدی اس کا بازو پکڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اُس پر سے نظر ہٹائے بغیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یہ تو انجکشن کا نشان ہے۔ سو فیصدی یہی بات ہو سکتی ہے۔“

”کیا مجھے یہاں لا کر انجکشن دیا گیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔  
”ہرگز نہیں.... میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ تم نے مجھے یہ وقف بنانے کی کوشش کی ہے اور یہ حرکتیں تم سے اسی لئے سرزد ہو رہی ہیں کہ ان میں الجھ کر میں اپنا غصہ بھول جاؤں۔“

”تو پھر.... اگر یہ انجکشن کا نشان ہے۔“  
”ٹھہرو....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم اس کا روالے کی شکل دیکھ سکتے تھے جس نے سڑک کر اس کرنا چاہا تھا۔“

”نہیں میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہاں اب آپ یہ بتائیے کہ میرے پیچھے کس کی کار تھی۔“  
”مجھے علم نہیں.... کیا حقیقتاً تمہارے پیچھے بھی کوئی کار تھی۔“  
”قطعی تھی، لیکن میں اُسے آپ کی گاڑی سمجھا تھا۔“

”مگر میں تو اس وقت کھالی کے میدان میں قاسم کو ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراصل اُسے ندامت نے ہموار کیا تھا۔ وہ اس طرح ایک عورت کے ہاتھوں پٹنے پر بے حد شرمندہ تھا۔ بہر حال ایک گھنٹے سے پہلے میری روانگی نہیں ہوئی تھی۔ واپسی پر مجھے تمہاری گاڑی ملی تھی جس کی اگلی سیٹ پر تم بیہوش پڑے تھے۔“

”اوہ.... تب تو پھر میری نادانستگی میں میرے گرد ایک بہت بڑا جال پھیلایا گیا تھا۔ بیہوش ہو جانے کے بعد کسی نے کوئی چیز میرے بازو میں انجکٹ کی ہوگی.... اوہ.... اُف فوہ.... تو کیا میری....“ حمید خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”حمید....!“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔ ”اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو پھر ہمیں بہت زیادہ محتاط ہو جانا چاہئے۔ ان واقعات کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نامعلوم آدمی شہر کے چند بُرے آدمیوں کو کسی مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ لیکن خود بھی ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ کوئی کام ان کے سپرد کر کے سو نہیں رہتا بلکہ کچھ دوسرے لوگ بھی مقامی بد معاشوں کی نگرانی اُن کی لاعلمی میں کرتے رہتے ہیں۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اُن تینوں کا حالات میں پہنچ جانا ہی بہتر ہوا، ورنہ کسی دن کم از کم اس آدمی کی شامت ضرور آجاتی، جو مجھے اطلاعات بہم پہنچاتا رہا ہے۔“

”ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں اگر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش نہ کروں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں بالکل گدھا ہی ہوں۔“  
فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور دفعتاً حمید چیخ مار کر اچھل پڑا۔ ”ارے چھت گری۔“  
دوسری ہی لمحے بعد وہ برآمدے سے صحن میں تھا اور حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ ”باہر نکلے.... باہر نکلے.... چھت گر رہی ہے۔“

## جھگڑا اور فائر

حمید کا مرض عجیب تھا۔ شہر کے بہترین ڈاکٹروں نے اُسے دیکھا لیکن مرض کے متعلق کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ یہ بات دوسری تھی کہ وہ اسے مانگو لیا ہی قسم کی کوئی ذہنی بیماری قرار دے رہے تھے۔ علامات کی بناء پر ایک معمولی آدمی بھی یہی رائے قائم کرتا۔ مگر وہ سارے ڈاکٹر اس بات پر بھی متفق تھے کہ ذہن پر مانگو لیا کے اثرات نہیں ہیں۔

اب فریدی بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سی غور کرنے لگا، ورنہ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ حمید کسی دوسری شرارت کا پلاٹ مرتب کر رہا ہے۔ اُسے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ کیونکہ حمید نے اس قسم کی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ ایک بھری پُری سڑک پر کیا تھا۔ پچھلی شام وہ صدر کے ایک فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ غالباً فریدی شاپنگ کرنے نکلا تھا۔ اچانک امید بھڑک کر بھاگا اور ٹریفک کی پرواہ کئے بغیر سڑک کے وسط میں بھاگتا چلا گیا۔

استفسار پر اُس نے بتایا تھا کہ ایک بس فٹ پاتھ پر چڑھ آئی تھی اگر وہ ذرا سا بھی چوکتا تو پھل کر رہ جاتا۔

پھر دو تین دن بعد ٹریفک کے کچھ ایسے حادثات ہوئے جن سے سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ اس طرح کچھ لوگ فٹ پاتھوں پر چلتے چلتے بھڑک کر بھاگے تھے اور بدحواسی میں بسوں، ٹراموں اور کاروں کی زد میں آکر ختم ہو گئے تھے۔

پھر چرانے شہر سے اطلاع ملی کہ وہاں کی تقریباً نصف آبادی وہم اور مایوسہ لیا کا شکار ہو گئی ہے۔ لوگ رات گئے گھرؤں سے نکل کر بھاگتے ہیں اور جدھر سینگ سمائے بھاگتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اکثر دیواروں اور درختوں کے تنوں سے ٹکرا کر زخمی ہوئے تھے۔

مکانوں کی اوپری منزلوں پر رہنے والے بے تحاشہ دوڑتے ہوئے زینوں پر آئے اور اُن کی بوکھلاہٹ پیروں کو تکلیف دیے بغیر ہی نیچے لے آئی۔ اس طرح کئی آدمی زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

اس وبا کی پہچان نے سارے شہر کو سراسیمہ کر کے رکھ دیا۔ ویسے یہ وباء ابھی نئے شہر میں نہیں داخل ہوئی تھی۔ نئے شہر میں شاید حمید ہی اس کا شکار ہوا تھا یا ہو سکتا ہے، دو چار اور بھی رہے ہوں۔ شہر کے جدید حصے میں، جو حادثے ہوئے تھے ان میں کام آنے والے بھی پرانے ہی شہر کے باشندے ثابت ہوئے تھے۔

حمید عام حالات میں بالکل نارمل نظر آتا تھا۔ مایوسہ لیا کی دورے کسی کسی وقت اچانک پڑنے لگے۔ اس سے پہلے یہ بات اسکے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتی کہ تھوڑی ہی دیر بعد دورہ پڑ جائے گا۔ اس وقت وہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا لیکن آج کل وہ خود ڈرائیو نہیں کر رہا تھا۔ فریدی نے اُسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ ڈرائیو نہ کیا کرے ویسے بھی حمید اپنی ذمہ داری پر مرنا تو ہرگز پسند نہ کرتا۔

کار کمپاؤنڈ سے باہر نکلی ہی تھی کہ ایک اجنبی نے راستہ روک لیا۔ ڈرائیور نے بریک لگائے اور حمید اس آدمی پر برس پڑا۔

”مجھے آپ کو ایک خط دینا ہے جناب۔“ اجنبی نے مودبانہ انداز میں کہا۔

”لاؤ....!“ حمید کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر غرایا۔

لفافہ لے کر اُسے کھولے بغیر اُس نے ڈرائیور سے کہا۔ ”چلو۔“

کار آگے بڑھ گئی۔ اب حمید نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا جس پر کوئی تحریر نہیں تھی۔ پھر اُس نے اُسے چاک کر کے خط نکالا۔ پہلی ہی نظر میں اس نے تحریر پہچان لی۔ یہ فریدی کا خط تھا۔ اُس نے لکھا تھا۔

”حمید.... خدشہ ہے کہ یہ حیرت انگیز وباء شہر کے جدید حصے میں بھی پھیل جائے گی۔ تم تو اس کے شکار ہو کر بیکار ہو ہی چکے ہو۔ لہذا اب میں اپنے لئے بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے شہر ہی چھوڑ دوں۔ اس دوران میں تمہیں چاہئے کہ ناگر کے متعلق چھان بین کرتے رہو۔ اس کیلئے تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر بیٹھے اُسے طلب کر سکتے ہو۔ اُس سے اس قسم کے سوالات کرتے رہو جیسے تم اُس سے اس وباء کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو۔ اُسے صرف دھمکیاں دیتے رہو۔ حراست میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ باہر مت نکلو۔ وقتاً فوقتاً میری طرف سے تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اس وباء کا ذمہ دار کوئی آدمی ہے۔“

حمید نے خط ختم کر کے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ جب سے اُس پر اس قسم کے دورے پڑنے لگے تھے اُسے زندگی کی ہما ہی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دورے کی حالت میں بھی یہ احساس اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور موجود ہوتا تھا کہ اُس سے حماقت سرزد ہو رہی ہے لیکن دورے کی شکل میں جو اضطراری افعال اس سے سرزد ہوتے تھے اُن پر وہ قابو بھی نہیں پاسکتا تھا بس ایک لہری اٹھتی تھی اور وہ اسی لہر میں بہتا چلا جاتا تھا۔ بیٹھے بٹھائے اُسے ایسا محسوس ہوتا رہتا جیسے چھت یقینی طور پر گر گئی ہوگی۔ پھر جب وہ اس ذہنی کیفیت کے دورے سے گذر جاتا اور خیالات کی رد پھر شعور سے قریب ہو جاتی تو اُسے اپنی کچھ دیر پہلے والی حماقت پر بے تحاشہ ہنسی آنے لگتی۔ غرضیکہ اس ذہنی کیفیت کو زیادہ سے زیادہ نیم شعوری کیفیت کہا جاسکتا تھا۔ بیہوشی ہر گز نہیں۔

دورے کے اختتام پر تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں بیزاری سر ابھارتی اور زندگی کی ساری رنگینیاں اس کی نظروں میں خاک و خون سے زیادہ وقعت نہ رکھتیں۔

اس نے خط کے پڑے پڑے کر کے کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور ڈرائیور سے بولا۔ ”واپس چلو۔“

ڈرائیور سمجھا شاید دورہ پڑنے والا ہے۔ لہذا اُس نے اتنی بدحواسی کے ساتھ ٹرن لیا کہ ایک حادثہ ہوتے ہوتے بچا۔



فریدی کا خیال درست نکلا۔ یہ وبا شہر کے جدید حصے میں پھیلنے لگی اور پھر سڑکیں ویران ہو گئیں، نہ جانے کتنے حادثات ہو چکے تھے۔ لوگ چلتے چلتے گاڑیوں سے جاںکراتے اور وہ انہیں کچل کر رکھ دیتے۔ لوگ شہر سے مضافات کی طرف بھاگنے لگے۔

ایک ہفتے کے اندر ہی اندر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اساطیری عفریتوں نے کسی قدیم شہر کا تاراج کر دیا ہو۔ حکومت کی ذمہ دار شخصیتیں بھی شہر سے ہٹ گئی تھیں اور سارے دفاتر ہٹا دیے گئے تھے۔ اس حیرت انگیز وبائے ساری دنیا کو چکرا کر رکھ دیا۔ مختلف ممالک سے طبی مشن آئے لگے لیکن خود ان مشنوں کے بیشتر افراد بھی اسی وبا کا شکار ہو گئے۔

ابھی تک حالات پر قابو نہیں پایا جا سکا تھا۔ بڑی بڑی طبی تجربہ گاہیں دن رات کھلی رہیں۔ اس مرض کے متعلق چھان بین ہوتی لیکن اسے ختم کرنے کا کوئی مستقل ذریعہ ہاتھ نہ آتا اور نہ اس کے اسباب ہی سمجھ میں آتے۔

اچانک ایک دن شہر کی سڑکوں پر ایک چھوٹی سی کار دیکھی گئی جس پر لاؤڈ سپیکر کے ہارن فٹ تھے اور کوئی شخص متواتر اعلان کرتا پھر رہا تھا۔

”بھائیو! میں نے اس وبائی بھجان کا علاج دریافت کر لیا ہے۔ آپ مجھے آج سے نہیں، بہت عرصہ سے جانتے ہیں۔ میں ڈاکٹر گوہن ہوں۔ میں خود بھی اس وبا کا شکار ہوا تھا لیکن اتفاقاً اس کا علاج دریافت کر لیا ہے۔ آپ بھی سنئے اور اس سے فائدہ اٹھائیے۔ جب اس وبا کا زور نہ ٹوٹے تو اسی علاج کو بار بار دہراتے رہئے۔ علاج یہ ہے کہ تین اونس چائے کے پانی میں کم از کم ڈیڑھ اونس نمک حل کر کے پی جائیے۔ دن میں کم از کم دو بار تین اونس چائے کے پانی میں ڈیڑھ اونس نمک....!“

لوگ سراسیمہ تو تھے ہی۔ انہوں نے یہ نسخہ بھی آزمایا اور پھر شام ہوتے ہوتے ڈاکٹر گوہن زندہ باد کے نعرے لگی کوچوں میں گونجنے لگے۔

دوسرے دن کے اخبارات صرف ڈاکٹر گوہن کی تصاویر اور اس کے حالات سے بھرے

پڑے تھے۔ وہ ایک مغربی ملک کا باشندہ تھا اور چند سال پہلے اُس نے یہیں کی شہریت اختیار کر لی تھی۔ ایک اچھے معالج کی حیثیت سے وہ پہلے ہی سے کافی شہرت رکھتا تھا۔

اخبارات میں وہ واقعہ بھی درج تھا جس کی بناء پر اچانک وہ علاج دریافت ہو گیا تھا، ہوا یہ کہ ڈاکٹر گوہن چائے پینے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک کپ تیار کیا اور خیالات میں ڈوبا ہوا اس کا گھونٹ حلق سے اتار گیا۔ گھونٹ حلق سے بس بوکھا ہٹ ہی میں اتر گیا تھا اور نہ وہ گھونٹ تو ایسا تھا کہ زبان ہی اسے نہ برداشت کر سکتی۔ ڈاکٹر نے غلطی سے شکر کی بجائے نمک کے دو چمچے چائے میں ڈال لئے تھے۔ اس کا موڈ اس واقعہ سے اتنا خراب ہو گیا کہ اس نے پھر چائے نہیں پی۔ لیکن اس کے بعد کئی گھنٹے تک اس پر مانگو لیائی دورہ بھی نہیں پڑا۔ ویسے پہلے دو دو گھنٹے کے وقفے سے اُس پر ہلکے قسم کے دورے پڑتے رہے تھے۔ پھر جب پورا ایک دن گذر گیا اور اس پر دورے نہ پڑے تو اس نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کس دوا کا رد عمل ہو سکتا ہے۔ اس نے وہ ساری دوائیں دوسرے مریضوں پر آزما ڈالیں، لیکن اس سے مرض میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر کار اُسے وہ نمکین چائے یاد آئی اور اس نے اسے آزما نا شروع کیا.... نتائج حیرت انگیز تھے۔ مریض رو بصحت نظر آنے لگے۔ اُن پر دن بھر دورے نہیں پڑے تھے۔

یہ کہانی لکھ کر اخبارات نے رائے ظاہر کی تھی۔ ڈاکٹر گوہن ایک سچا وطن پرست آدمی ہے، حالانکہ اس کی موجودہ وطنیت زیادہ پرانی نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں وطن کے لئے گہری محبت رکھتا ہے۔ اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اسی نسخے کی بدولت کروڑ پتی ہو جاتا، مگر وہ سڑکوں پر اس نسخے کا اعلان کرتا پھر رہا ہے۔

کئی دن تک ڈاکٹر گوہن کی کار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ لوگ اس کا نسخہ استعمال کرتے رہے۔ وبا کا زور کم ہو گیا۔ اب سرکاری طور پر بھی اس نسخے کا علاج کیا جانے لگا تھا۔

یکپٹن حمید بھی یہی نسخہ استعمال کر رہا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب اُس پر دورے نہ پڑیں گے۔ اب اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ذہنی یا جسمانی طور پر کبھی بیمار ہی نہ رہا ہو۔

اس دوران میں فریدی اکثر اُس سے فون پر گفتگو کرتا رہا تھا لیکن اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

حمید ڈاکٹر گوہن کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔ اُس نے واقعی ملک و قوم پر بڑا احسان کیا تھا....

گفتگو کر رہے تھے اور ڈاکٹر گوہن بھی اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔  
حمید کے قدم تیزی سے شامیانے کی طرف اٹھنے لگے۔ ڈاکٹر گوہن کے سامنے تین غیر ملکی  
تھے۔ یہ بھی کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا  
تھا۔ وہ ڈاکٹر گوہن کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ”میں دیکھوں گا  
کہ یہ چائے والا فراڈ کب تک چلتا ہے۔ میں کہتا ہوں....“  
”میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“ ڈاکٹر گوہن حلق پھاڑ کر دہاڑا۔  
”تمہیں سننا پڑے گا.... تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تمہاری یہ نمکین چائے اتنی ہی زود اثر ہے۔“  
”آہ نکھیں کھول کر دیکھو.... یہ ثابت ہو چکا ہے۔“ گوہن غرایا۔ ”پورا شہر تمہیں بتائے گا۔“  
”یہ ہماری تقسیم کردہ نمکیوں کا اثر ہے۔“ غیر ملکی نے کہا۔  
”تمہاری نمکیاں میں خود بھی استعمال کر چکا ہوں۔ مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں خود بھی اس  
دبا کا شکار ہو چکا ہوں۔“

”غریب تمہاری پول کھل جائے گی۔“ غیر ملکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔  
”جاؤ.... جاؤ.... اگر تم میرے ملک میں مہمان نہ ہوتے تو بتاتا تمہیں۔“ ڈاکٹر گوہن نے  
انتہائی غصے کے عالم میں ہاتھ ہلا کر کہا۔  
حمید کو اس قضیے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اس خوبصورت لڑکی کو دیکھ رہا تھا،  
جو ڈاکٹر گوہن کے پیچھے کھڑی تھی۔  
حمید چکر کاٹ کر اس کے قریب پہنچا۔  
”سنئے مجھ سے....!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

لڑکی اس کی طرف مڑی اور پھر بیساختہ چوک پڑی۔ لیکن فوراً ہی سنبھل بھی گئی۔ ہلکی سی  
مکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نظر آئی تھی۔  
”فرمائیے۔“

”ذرا.... ادھر.... الگ آئیے۔“

وہ اس کے ساتھ کچھ دور ہٹ آئی۔

”یہ کون بد تمیز ہے۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”جو ڈاکٹر جیسے فرشتہ خصلت آدمی سے

مگر اس طرح اچانک کوئی علاج دریافت ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر  
علاج بھی دریافت ہوا، اس پر تجربات بھی ہوئے اور اعلیٰ پیمانے پر مریضوں کو شفا بھی ہونے لگی۔  
مگر چونکہ اُسے فریدی کی طرف سے اس کے متعلق کوئی ہدایات نہیں ملی تھیں، اس لئے وہ  
خاموش تھا۔ مگر تو شہر سے ایسا غائب ہوا تھا جیسے کبھی وہاں وہاں رہا ہی نہ ہو۔ حمید نے اُسے تلاش  
کرنے کے لئے سادہ لباس والوں کی ایک بہت بڑی ٹولی تعینات کی تھی۔

البتہ ڈاکٹر گوہن کا معاملہ اس کے لئے ایک مستقل ذہنی خلش بن کر رہ گیا تھا۔ آخر کار اُس  
نے اس کی بھی نگرانی شروع کرادی۔ نگرانی کرنے والوں کا انچارج سارجنٹ رمیش تھا۔  
رمیش اُسے ہر تین گھنٹے بعد اُس کے متعلق اطلاعات دیتا تھا۔ مگر حمید کی دانست میں ابھی  
تک صرف ایک ہی کام کی بات معلوم ہوئی تھی وہ یہ کہ ڈاکٹر گوہن کے ساتھ دو لڑکیاں بھی  
تھیں۔ دونوں بے حد حسین تھیں۔ سفید فام تھیں۔ ان میں سے ایک روزا سیکریٹری تھی اور  
دوسری مونا کرسٹی نرس۔

حمید نے ایک دن تو کسی نہ کسی طرح صبر کیا اور اس کے بعد ڈاکٹر گوہن پر چڑھ دوڑا۔ یہ  
ماڈل ٹاؤن کی ایک بڑی عمارت میں رہتا تھا۔ ماڈل ٹاؤن شہر کی جدید ترین بستی تھی اور یہاں بہت  
زیادہ مالدار طبقے کے لگ آباد تھے۔  
عمارت جس میں گوہن رہتا تھا بڑی شاندار تھی۔ اس کے ایک حصے میں اس کی رہائش تھی  
اور دوسرے میں ہسپتال تھا۔

آج کل تو اس نے کپاؤنڈل میں ایک بڑا شامیانہ لگا رکھا تھا اور باہر ہی بیٹھ کر مریضوں کو دیکھتا  
تھا۔ پھانک کے قریب نمکین چائے کی دلیکیں چڑھی رہتی تھیں۔

حمید سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے وہاں پہنچا۔ ڈاکٹر گوہن شامیانے کے نیچے ہی  
موجود تھا۔ یہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی  
کیونکہ اس کے بال بالکل سفید تھے۔ مگر جسم کی بناوٹ اتنی شاندار تھی کہ خضاب استعمال کرنے پر  
تمیں اور چالیس کے درمیان معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر کھنی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں۔ حمید اُسے  
اس سے پہلے بھی اکثر دیکھ چکا تھا۔

مگر اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شامیانے کے نیچے ہنگامہ برپا ہو۔ کئی لوگ چیخ چیخ کر

الگ رہا ہے۔ کیا میں اسے کچا چا جاؤں۔“

”نہیں.... ابال کر کھائیے۔ کیا آپ اس کی کچھوے جیسی کھال نہیں دیکھ رہے ہیں۔“ لڑکی مسکرائی۔

”نہیں.... بتائیے تو آخر یہ کون بیہودہ ہے۔“

”کسی بیرونی مشن کا کوئی ڈاکٹر ہوگا۔“ لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔

”اور یہ نمکین چائے کو لغو قرار دے رہا ہے، جسے میں بھی استعمال کر کے فائدہ اٹھا چکا ہوں۔“

”اوہ.... تو پھر آپ کہتے کیوں نہیں اُس سے۔ کیا آپ کسی بیرونی طبی مشن کی دوائیں بھی

استعمال کر چکے ہیں۔“

”ہرگز نہیں.... ایک بھی نہیں۔ میں نے تو نمکین چائے کے علاوہ سرے سے اور کوئی دوا

استعمال نہیں کی۔“

لڑکی حمید کو جواب دیئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس نے ڈاکٹر گوہن سے آہستہ

آہستہ کچھ کہا اور ڈاکٹر گوہن جھلائی ہوئی بلند آواز میں بولا۔ ”جہنم میں جائے مجھے گواہ کرنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کس کی پرواہ ہے۔“

پھر اُس نے دوسرے غیر ملکی سے کہا۔ ”میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔

میں فراڈ رہا ہوں تو میرے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔“

اب وہ ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر عمارت کی طرف مڑ گیا۔ اس کی رفتار بڑی تیز تھی۔

مگر حمید کو اس کی رفتار سے زیادہ اُس کی پتلون کی داہنی جیب سے دلچسپی تھی، جس میں رفتار کی

تیزی کی وجہ سے کوئی وزنی چیز زور زور سے ہل رہی تھی اور یہ چیز ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں

ہو سکتی تھی۔

ایک ڈاکٹر کی جیب میں ریوالور کا کیا کام....؟ حمید سوچنے پر مجبور ہو گیا اور پھر وہ اپنے مکان

کی کمپاؤنڈ ہی میں تھا۔ کیا کوئی ڈاکٹر مریضوں کو دیکھتے وقت بھی اپنے جیب میں ریوالور رکھ سکتا ہے۔

وہ تینوں غیر ملکی قہر آلود نظروں سے عمارت کی طرف دیکھتے رہے اور پھر پھانک کی طرف

مڑ گئے جہاں ایک بڑی سیاہ رنگ کی سیڈان کھڑی تھی۔

حمید نے سیڈان کے قریب ایک مقامی ڈاکٹر کیپٹن سانگو کو بھی دیکھا۔ یہ شاید انہیں غیر ملکیوں

کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ وہ چاروں سیڈان میں بیٹھ گئے۔

اب حمید پھر لڑکی کی طرف مڑا اور اس کی آنکھیں جھپک گئیں کیونکہ اب وہاں ایک کی

بجائے دو لڑکیاں تھیں۔

”کیا مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔“ حمید بڑبڑایا اور وحشت خیز نظروں سے لڑکیوں کی طرف

دیکھنے لگا۔

”کیوں؟ کیوں....؟“ پہلی لڑکی نے پوچھا۔

”ایک کی دو نظر آنے لگتی ہیں.... دورے سے پہلے۔“ حمید کی آواز خوفزدہ سی تھی۔

دونوں ہنس پڑیں۔ لیکن یہ ہنسی طویل نہ ہو سکی کیونکہ یک یک عمارت سے پے درپے کئی

فائروں کی آوازیں آئی تھیں۔ حمید عمارت کی طرف دوڑا۔

## ناج

فریدی موٹر سائیکل پر شاؤنادر ہی بیٹھتا تھا۔ مگر جب بیٹھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ

طوفان پر سوار ہو۔

اس وقت بھی بالکل یہی کیفیت تھی۔ پرنسٹن کے چوراہے پر سرخ روشنی نے ٹریفک روک

رکھا تھا لیکن اس کی موٹر سائیکل نکل ہی گئی۔ اس پر ٹریفک سارجنٹ نے جھلا کر سیٹی بجائی۔

فریدی نے بایاں ہاتھ اٹھا کر اُسے کسی قسم کا اشارہ کیا لیکن سارجنٹ نے اپنی موٹر سائیکل اس کے

پچھے چھوڑی دی۔ شاید اس نے اُسے اچھی طرح دیکھا نہیں تھا۔ بہر حال تھوڑی ہی دیر بعد اس

نے فریدی کو جالیا۔

”دفع ہو جاؤ۔“ فریدی غرایا۔ ”میں ٹریفک کے اصولوں کا اس وقت پابند نہیں ہوتا جب کوئی

اہم معاملہ درپیش ہو۔“

دونوں موٹر سائیکلیں برابر سے دوڑ رہی تھیں۔

”معاف کیجئے گا جناب.... کرئل صاحب۔ میں نے پہچانا نہیں تھا۔“ سارجنٹ نے کہہ کر

رفتار کم کر دی۔ فریدی کی موٹر سائیکل بدستور فرار لے بھرتی رہی۔

کچھ دیر بعد آبادیاں بہت پیچھے رہ گئیں اور جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور آہستہ آہستہ دھند کا پھیل رہا تھا۔

فریدی نے موٹر سائیکل روک کر ایک گڑھے میں اتار اور اس کے رستے کے سرے پر چلا آیا، جو بائیں جانب والے جنگل سے نکل کر سڑک سے آ ملا تھا۔

اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور کچے رستے کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔

شاید دس ہی منٹ بعد بائیں جانب والا جنگل موٹر سائیکل کی کرخت آواز سے گونجنے لڑا۔ موٹر سائیکل اسی کچے رستے پر آرہی تھی۔ جھاڑیوں کے قریب آکر اس کی رفتار برائے نام رہ گئی کیونکہ کچے رستے کا سراجو سڑک کی طرف تھا کافی اونچائی پر تھا۔

”رک جاؤ دوست....!“ دفعۃً فریدی نے جھاڑیوں سے نکل کر کہا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پھر بائیں ہاتھ سے اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

موٹر سائیکل والا بوکھلا گیا کیونکہ یہ حادثہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔ موٹر سائیکل رک گئی۔ فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔ موٹر سائیکل دوسری طرف لڑھک گئی کیونکہ سوار تو اس جھٹکے کے ساتھ ہی اس پر سے اکھڑ گیا تھا۔

”ڈاکٹر گوہن ختم ہو گیا ہوگا.... ناگر....!“ فریدی نے ریوالور کی نال سے اُسے زمین سے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ناگر اٹھا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

”میں اس کے علاوہ اور کیا چاہتا کرتل۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تو تم اقبال جرم کرتے ہو۔“

”ہاں.... میں پھانسی کے تختے پر بھی اقبال جرم کروں گا۔ بشرطیکہ اس کے بعد مجھے ایک

محبت وطن کہا جائے۔“

”خوب.... تو تم وطن کی خدمت انجام دے کر آرہے ہو۔“

”یقیناً.... کرتل.... وہ پورے ملک کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔“

”وہ کیسے....!“

”اس طرح....!“ ایک بیک ناگر نے فریدی پر چھلانگ لگا لی لیکن فریدی جو خود کو غافل ظاہر کر رہا تھا حقیقتاً غافل نہیں تھا۔ ایک طرف ہٹ کر اس نے جو ناگر کی پسی پر ٹھوکر رسید کی ہے تو ناگر کی متواتر کئی چیخیں نکل گئیں۔

”اس طرح بھی ہو سکتا ہے مسٹر ناگر۔“ فریدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ اس کے انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شطرنج کی بساط پر کوئی اچھی سی چال چل کر مطمئن ہو گیا ہو۔ اب اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور ناگر کو گریبان سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”اگر تمہاری وطن پرستی کی مناسب داد نہ دوں تو یہ بڑی بُری بات ہوگی۔ کیونکہ تمہارے جوئے خانے بھی بند ہو چکے ہیں۔“

ناگر نے فریدی کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن اس سے قبل ہی اُس کی ٹھوڑی پر گھونہ پڑا اور وہ ایک بار پھر زمین پر نظر آیا۔

”اب یہ بتاؤ کہ ہلدا کہاں ہے۔ تمہارے علاوہ اور کون اُسے غائب کر سکے گا۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

اس بار ناگر زمین ہی پر پڑا رہا لیکن وہ ہوش میں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح مزید مرمت سے بچنا چاہتا رہا ہو۔

”میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا.... قطعی نہیں جانتا۔ میں اس وقت تم پر حملہ نہ کرتا مگر تمہاری طرف سے میرے دل میں بہت غبار ہے۔“

”نکال بھی ڈالو۔“ فریدی مسکرایا۔

”ابھی نہیں.... آج کل میرے ستارے گردش میں ہیں۔“ ناگر نے جواب دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”مگر تم اس وقت یہاں کیسے!“

”یہ کیسے ممکن تھا کہ تم میری آنکھوں کے سامنے اُسے قتل کر کے نکل آتے۔“

”ہااا....!“ ناگر نے قہقہہ لگایا۔ ”میں تو اُسے قتل کر بھی چکا۔ میری سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی۔“

”تم جھک مارتے ہو.... وہ زندہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تمہارے بھاگنے کے بعد میں نے اُسے کھڑکی میں دیکھا تھا اور پھر مجھے یہ تو معلوم ہی تھا کہ تم اس کے بعد کہاں جاؤ گے، لہذا میں

اطمینان سے روانہ ہوا تھا اور تم سے دس منٹ پہلے یہاں پہنچ گیا۔  
 ”ہوں تو تم نے پوری طرح مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر نظر رکھی ہے۔“ ناگر نے بھرائی  
 ہوئی آواز میں کہا، پھر سنبھل کر بولا۔ ”لہذا تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں کس کے لئے کس  
 طرح کام کرتا رہا ہوں۔“

”ہاں.... میں یہ بھی جانتا ہوں۔“  
 ”کس کے لئے۔“

”یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی نے جواب دیا۔  
 ”ہاں.... اگر تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو تو میں نے اُسے مار ڈالا۔“  
 ”ڈاکٹر گوہن....!“  
 ”ہاں ڈاکٹر گوہن۔“  
 ”یقین نہیں آتا۔“

”کیوں کیا تم اُس لڑکی سے واقف نہیں، جو مجھ سے اس کے لئے کام لیتی تھی۔“  
 ”شاید میں اُسے نہیں جانتا۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
 ”مونا کر سٹی.... جو آج کل اس کی نرس کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔“  
 ”اوہ....!“

”ہاں کرمل.... اس لڑکی نے مجھے اپنی درد بھری کہانی بھی سنائی تھی۔ اب سوچتا ہوں کہ وہ  
 سب کچھ فراڈ تھا۔“

”تو تمہارا خیال ہے کہ اس وبا کا ذمہ دار وہی ہے۔“

”ہاں کرمل.... اُس نے مجھ سے درجنوں مردہ کتے شہر کے کنوؤں اور واٹر سپلائی کے  
 تالابوں میں پھینکوائے ہیں۔“  
 ”میں نہیں سمجھا۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ انہیں کتوں سے پیدا ہونے والے جراثیم نے یہ وبا پھیلائی ہے۔“  
 ”اور اب اُس نے ایک سہل سانفہ بھی دریافت کر لیا ہے۔“ فریدی مسکرایا۔  
 ”کوئی چال ہے۔“ ناگر بولا۔ ”کیا ممکن نہیں ہے کہ ملک گیر شہرت کے حصول کے لئے اس

نے ایسا کیا ہو۔ ظاہر ہے کسی ڈاکٹر کی شہرت اس کے لئے دولت ہی لاتی ہے۔ میرے جوئے خانے  
 دولت ہی کے لئے چلتے تھے۔ دولت ہی کے لئے دنیا کا بڑے سے بڑا جرم کیا جاتا ہے اور محکمہ  
 سراغ رسانی کے قیام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر گوہن اگر ڈاکٹر نہ ہوتا تو میری طرح  
 ایسا آدمی ہوتا جسے سب لٹیرا اور بد معاش کہتے۔“

”لڑکی کی کہانی کیا تھی۔“

”کیا میں بیٹھ سکتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔ ناگر اٹھ کر بیٹھ گیا اور مونا کر سٹی کی داستان دہرانے لگا۔  
 جب یہ کہانی ختم ہو گئی تو فریدی نے پوچھا۔ ”آخر تم نے اس پر حملہ کیوں کیا جبکہ اس سے  
 خاصی اچھی رقم مل جاتی تھی۔“  
 ”وہ خود ہی مجھے ختم کر دینے کے چکر میں تھا۔ اس دوران میں مجھ پر تین بار حملہ کر چکا ہے،  
 جب سے اسے علم ہوا ہے کہ سرکاری سراغ رساں میرے پیچھے ہیں وہ مجھے زندہ دیکھنا پسند نہیں  
 کرتا تھا۔“

”خیر....!“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”فی الحال تمہیں میرے ساتھ کو توالی چلنا ہے۔“  
 ”میں تیار ہوں۔“



حمید کے پیچھے دونوں لڑکیاں بھی دوڑ رہی تھیں اور ان میں سے ایک اُسے بتاتی جا رہی تھی  
 کہ اسے کدھر چلنا ہے۔ وہ ایک ایسے کمرے میں آئے جس کی ایک جانب کی کھڑکیاں کپاؤنڈ کے  
 بائیں بازو میں کھلتی تھیں۔

یہاں حمید کو ڈاکٹر گوہن نظر آیا، جو ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے ویران ویران آنکھوں سے  
 کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

اُن کی آہٹ پر وہ چونک کر ان کی طرف مڑا اور حمید پر نظر پڑتے ہی بُری طرح جھلا گیا۔  
 ”تم کون ہو.... میری اجازت کے بغیر یہاں کیوں گھس آئے۔ جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔“  
 ”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم زندہ تو نہیں ہو۔“ حمید نے لا پرواہی سے کہا۔ لیکن قبل  
 اس کے ڈاکٹر کا ہاتھ اس کی جیب تک پہنچتا حمید نے اپنا ریوالتور نکال لیا۔



لیکن پھر یک بیک اس کو عقل آگئی اور اس نے جلدی سے کہا۔ ”یہ تو صرف اس لئے ہے ڈاکٹر کہ کہیں تم اپنا ریو الور نہ نکال لو۔ تمہاری اس حرکت سے مجھے گہرا صدمہ پہنچتا لہذا میں سوچا کہ میں ہی پہل کیوں نہ کروں۔“

”تم کون ہو۔“

”کیپٹن حمید.... فرام سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔“

”اوہ....!“ ڈاکٹر کا منہ حیرت سے کھل گیا اور حمید ریو الور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”میو ہل حدود میں جہاں بھی مجھے فائرنگ کی آواز سنائی دے۔ میں صاحب خانہ کی اجازت حاصل کئے بغیر بھی مکان میں داخل ہو سکتا ہوں۔“

”بالکل بالکل....!“ ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ ”اوہ.... کیپٹن میں اس وقت ختم ہی ہو گیا ہوتا.... یہ دیکھئے۔“

اُس نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا جہاں گولیوں سے کئی جگہ کا پلاسٹر اڑھڑ گیا تھا۔ حمید نے ریو الور کے سامنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔

باہر شور ہو رہا تھا۔ دوسروں نے بھی فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں اور شاید وہ بھی عمارت کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔

”انہیں روکو....!“ ڈاکٹر نے ایک لڑکی سے کہا۔ ”یہاں سب ٹھیک ہے۔“

طویل قامت لڑکی چلی گئی۔ حمید کنکھیوں سے دوسری لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”فائر کس نے کئے تھے۔“ حمید نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

”کاش میں اس کی شکل دیکھ سکا ہوتا۔“

”اس سے پہلے بھی کبھی آپ پر حملہ ہوا تھا۔“

”نہیں کبھی نہیں۔“

”شامیانے کے نیچے کن لوگوں سے آپ کا جھگڑا ہو رہا تھا۔“

”اوہ.... وہ کینہ تو زڈاکٹر سانگوا نہیں مجھ پر چڑھا لایا تھا۔ خود قریب نہیں آیا مگر میں جانتا ہوں۔ وہ میرا حریف ہے۔ مجھ سے پہلے اس شہر میں اس کا طوطی بولتا تھا مگر اب اُو بھی نہیں بولتا۔“

”مگر وہ لوگ تھے کون۔“

”ڈاکٹر برو نو.... ایک بیرونی طبی مشن کا قائد.... اس کا دعویٰ ہے کہ وہاں کا زور اس کی ادویات سے کم ہوا ہے۔“

”مگر اس اتنی سی بات کے لئے وہ لوگ آپ پر فائر تو نہیں کر سکتے۔“ حمید بولا۔

”میں نے کب کہا ہے کہ فائرنگ کا تعلق اُن سے ہے۔“ ڈاکٹر گوہن جھلا گیا۔

حمید نے کھڑکی کے قریب جا کر باہر دیکھا۔ یہاں سے چار دیواری کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ بیس فٹ رہا ہو گا اور چار دیواری چار فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اس کے نیچے سلاہ کی کیاریاں تھیں۔ حمید کھڑکی سے نیچے کود گیا۔

چار دیواری پھلانگ کر کپاؤنڈ میں آنا اور دوبارہ پھلانگ کر واپس جانا مشکل نہیں تھا۔ حمید نے ایک کیاری میں سلاہ کے کچلے ہوئے پودے بھی دیکھے۔ اس کے سامنے ہی دیوار پر گیلی مٹی کے نشانات ملے، جو غالباً حملہ آور کے جوتوں کے نشانات تھے۔

ڈاکٹر کھڑکی ہی میں کھڑا تھا۔ حمید نے ایک بار مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سلاہ کی کیاری پر نظریں جمادیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن کم از کم اس وقت اس پر فائر کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ یہ اس کے لئے کوئی نیا واقعہ نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی ایسے مجرم اس کی نظروں سے گزرے تھے جنہوں نے پولیس کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے اس قسم کی حرکتیں کی تھیں۔ خود ہی اپنے اوپر حملے کرائے تھے اور پھر اس کام کے لئے یہ موقع تو بے حد مناسب تھا کیونکہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر یہاں موجود تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ یقینی طور پر اُس سے واقف تھے، ورنہ وہ لڑکی اُسے دیکھ کر چونکی کیوں تھی۔

”اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔“ حمید نے ڈاکٹر گوہن کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔

حمید اس طرح چونک کر اُس کی طرف مڑا جیسے حقیقتاً اس سے بے خبر رہا ہو۔

”باقائدہ رپورٹ درج کرائیے۔“ اس نے جواب دیا۔

”آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

”یقیناً کسی نے آپ پر گولی چلائی تھی۔“ حمید مسکرایا۔ ”لیکن آپ بھی کافی مشاق معلوم ہوتے ہیں۔ شاید اندر دیوار پر چار نشانات ہیں لیکن ایک بھی گولی آپ کے نہیں لگی مجھے حیرت ہے۔“

”تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مرجاتا۔“ ڈاکٹر گوہن جھلا کر بولا۔

”میں تو یقیناً مرجاتا اگر مجھ پر چار فار ہوتے۔“

”آپ محکمہ سراغ رسانی کے آفسر ہیں یا کسی کالج کے پروفیسر۔“ گوہن کے لہجے میں طنز و مزاح تھا۔  
حمید آگے بڑھا اور کھڑکی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر اوپر اٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کمرے کے اندر تھا۔ ڈاکٹر گوہن پیچھے ہٹ کر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ہر وقت جیب میں ریوالور کیوں لئے پھرتے ہیں۔“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرے پاس لائسنس ہے۔“

”لیکن اس کے باوجود بھی لوگ ہر وقت جیب میں نہیں ڈالے رہتے۔“

”میری عادت ہے۔“

”ڈاکٹروں میں اگر ایسی عادتیں پائی جائیں تو ہم انہیں حیرت انگیز کہیں گے۔“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

”تم اس طرح مسکراتے کیوں ہو۔ کیا میں گدھا ہوں۔“ ڈاکٹر دہاڑا۔

”گدھوں کو دیکھ کر میں ہمیشہ سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ آپ غلط سمجھئے۔“

دونوں لڑکیاں منہ پھیر کر مسکرائیں لیکن ڈاکٹر نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد وہ اور زیادہ جھلا ہوا نظر آنے لگا۔

”آپ تشریف لے جائیے۔ میں رپورٹ نہیں درج کراؤں گا۔“ اس نے کہا۔

”وہ تو درج بھی ہو چکی۔ میری موجودگی کا یہی مطلب ہے۔ اب آپ کو مجھے مطمئن کرنا پڑے گا کہ آپ رپورٹ کیوں نہیں درج کرانا چاہتے۔“

دفعتاً ڈاکٹر کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی اور اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔  
”روزانہ نہیں مطمئن کر دو۔“

”چلئے۔“ روزانہ حمید کی طرف دیکھ کر کہتا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلاویز مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ خود ہی آگے بڑھی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف چلنے لگی۔

حمید بوکھلا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسے اس کی توقع نہیں تھی۔ دروازے کے باہر قدم رکھتے

وقت وہ یہ بھی بھول گیا کہ ابھی کس مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی۔

لڑکی اُسے کھینچتی ہوئی ایک کمرے میں لائی اور مسکرا کر بولی۔ ”ناچو گے....؟“

حمید خاموش کھڑا پلکیں جھپکا رہا۔ لڑکی نے گراموفون پر رقص کی موسیقی کا ریکارڈ چڑھا دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ناچنے لگی۔

”ارے.... ارے....؟“ حمید کو بھی بلا آخر شرارت سو جھی۔

”کیوں.... ناچو نا....!“

”ارے بچاؤ....“ دفعتاً حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا اور لڑکی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر یک بیک سنبھل کر بولی۔

”بڑے ڈرپوک ہو۔ حالانکہ تمہاری جیب میں ریوالور بھی موجود ہے۔“

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے۔ کچھ دیر پہلے جس عمارت میں فاروڈ کی آوازیں گونجی تھیں، وہاں اب رہبانج رہا ہے اور جس پر فاروڈ ہوئے تھے خود اسی نے لڑکی کو اس حرکت کے لئے اس کے ساتھ بھیجا تھا۔

وہ دوبارہ بڑھتی ہوئی لڑکی کو دھکیل کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

”بڑی بات ہے۔“ اس نے ڈاکٹر گوہن کی آواز سنی اور پلٹ پڑا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ ”لڑکیوں سے اس طرح نہیں پیش آیا کرتے۔“

”میں تو لڑکیوں کو قتل کرکھاتا ہوں۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اسی لئے صورت پر اتنی خوش برسر رہی ہے۔“ گوہن بولا۔ ”ہضم نہیں ہو میں شائد۔“  
”میں تمہیں دیکھ لوں گا۔“ حمید اُسے مکا دکھا کر بولا اور اسی میں عافیت سمجھی کہ جلد از جلد عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ گوہن کا رویہ ناقابل فہم تھا۔

اس نے اپنی پشت پر اُن دونوں کے قہقہے سنے۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔

## رنگین جراثیم

اسی رات کو حمید نے فون پر فریدی کی کال ریسیو کی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”حمید! بے نیکی حقائق سے یہی بہتر ہے کہ تم اپنی تفریحات میں مصروف رہو۔ مجھے کوئی

اعتراض نہ ہو گا۔ تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن تک جا پہنچو۔  
 ”ارے جناب! یہ ریش بڑا ادابیات آدمی ہے؟“ حمید چہک کر بولا۔  
 ”کیوں؟“

”آخر مجھ سے ان دونوں لڑکیوں کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جو ڈاکٹر گوہن یہاں پائی جاتی ہیں۔“  
 ”کیا بکواس ہے۔“

”یقین کیجئے اُس نے نہ صرف تذکرہ کیا تھا بلکہ اُن کے حسن کے اتنی شدت سے تعریف کی تھی کہ بس شاید آپ بھی بے قابو ہو جاتے اگر سن لیتے۔۔۔ کہئے تو بیان کروں۔“  
 ”میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔۔۔ اور اب سنو! تم اس وقت تک گھر سے باہر قدم نہ ڈال گے، جب تک کہ میں نہ کہوں۔“  
 ”میں ہلدا کی تلاش میں ہوں۔“

”حمید میں تمہارے ہاتھ پیر توڑ کر بٹھا دوں گا۔۔۔ ہلدا کا کیس دوسروں کے پاس ہے نہ جھک نہ مارو۔“

حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اسے اس پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ بور ہو گیا تھا۔

بہت عرصہ سے فریدی نے شہر میں سادہ لباس والوں کا جال سا بچھا رکھا تھا۔ کوئی ایسا ہوٹل کوئی ایسی تفریح گاہ نہیں تھی کہ جہاں دو چار ہر وقت نہ موجود رہتے ہوں۔ اس رات جب حمید نے عورت کے میک اپ میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔ فریدی کی معلومات کا باعث یہی سادہ لباس والے بنے تھے۔ پھر حمید کی دانست میں ڈاکٹر گوہن پر تو خصوصیت سے اس کی نظر رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اس کی تاک میں رہا ہو۔ بہر حال حمید جو گوہن اور اس کی لڑکیوں کا ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا فریدی کی اس سرزنش پر ٹھنڈا پڑ گیا اور پھر ہلدا کو بھی جہنم میں جھونک کر اُس نے سوچا کہ اب کچھ دن بچ بچ آرام کرے گا یعنی گھر سے باہر ہی نہ نکلے گا۔

کھانا ہضم کرنے کے لئے اچھی صورتیں بھی ضروری تھیں اس لئے اس نے سوچا کہ باتصویر مسائل ہی سے کام چلائے گا۔

لیکن دوسرے ہی دن اس کا دم گھٹنے لگا مگر فریدی کی کوئی کال نہ آئی۔ یہ مسئلہ بڑا تکلیف

تھا۔ ایسی بھی کیا پابندی۔۔۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ مگر غنیمت یہی تھا کہ اس غصے کے ساتھ ہی ساتھ سر پر وہ پرانی چھپکلی نہیں سوار ہوئی جس نے اکثر اسے اندیکھے جہانوں تک کی سیر کرا ڈالی تھی۔ تیسرے دن اچانک فریدی کی کال آئی۔

”ہیلو۔۔۔!“ وہ ریسیور اٹھا کر ایسی کمزور آواز میں بولا جیسے دم نکل رہا ہو اور پھر یک ایک اسے شرارت سو جھی اور وہ ماؤتھ پیس میں گھوڑے کی طرح ہنہنایا۔

”او حمید کے بچے۔۔۔ تم۔۔۔!“

”ذرا ایک منٹ۔۔۔“ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ”گھوڑوں اور آدمیوں میں تمیز مشکل ہو گئی ہے اس لئے مجھے کم از کم ایک ہفتے کی قید اور برداشت کرنی پڑے گی۔“

”اوہ۔۔۔ تو کیا بچ مچ تم گھر ہی تک محدود رہے ہو۔“

”نہیں۔۔۔ اڑن کھٹو لے اترتے تھے آسمان سے میرے لئے۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”اور کل کا گھوڑا روئے زمین کی سیر کراتا تھا اور قاف کی پریاں۔۔۔ ہا۔۔۔!“

”بات سنو۔۔۔!“ فریدی جھلا گیا۔ ”تمہیں ڈاکٹر سانگلو سے مل کر ڈاکٹر گوہن کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔“

”ڈاکٹر سانگلو نہیں ہوتے۔“

”سانگلو۔۔۔ گدھے۔۔۔ سانگلو۔۔۔!“

”سانگلو گدھے۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔ ”ارے بابا میں نے گدھوں کی اقسام کے متعلق آج تک چھان بین نہیں کی۔ میں نہیں جانتا کہ یہ سانگلو گدھے کس قسم کے ہوتے ہیں۔“ فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا اور حمید نے بھی ریسیور کریڈل میں ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی۔ ان دنوں وہ ڈاکٹر گوہن اور اس کی دونوں لڑکیوں ہی کے متعلق سوچتا رہا تھا لہذا ڈاکٹر سانگلو سے اس کے متعلق گفتگو کرنے میں ذرا بھی بوریت محسوس نہ کرتا۔ ویسے یہی کیا کم تھا کہ گھر سے باہر قدم نکالنے کی اجازت مل چکی تھی۔

وہ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر ڈاکٹر سانگلو کی قیام گاہ پر جا پہنچا۔ اس کی کمپاؤنڈ میں بھی ویسا ہی ایک بہت بڑا شامیانہ نظر آیا جیسا وہ تین چار دن پہلے ڈاکٹر گوہن کی کمپاؤنڈ میں دیکھ چکا تھا۔ یہ ایک غیر ملکی طبی مشن کی ادویات کی تقسیم کا مرکز تھا۔

حمید نے کپاؤنڈ میں اُن غیر ملکیوں کو بھی دیکھا جن سے ڈاکٹر گوہن کو جھگڑتے دیکھا تھا۔ وہ سیدھا ڈاکٹر سانگلو کی طرف بڑھ گیا جو اس وقت ایک مریض کے بازو میں انجکشن دے رہا تھا۔ سانگلو نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور پھر مریض کے بازو سے سوئی نکال کر اُسے روئی کے ٹکڑے سے صاف کرتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں جناب۔“

”یہ میری خوش قسمتی ہے۔“ حمید مسکرایا۔ ”ویسے کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دینا پسند کریں گے۔“

”ضرور..... ضرور..... لیکن دس منٹ کے لئے مجھے معاف کیجئے۔ مجھے تین انجکشن اور دینے ہیں۔“

حمید سر ہلا کر رہ گیا۔

سانگلو کا شمار شہر کے اچھے ڈاکٹروں میں تھا۔ لوگ اس کی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کے بھی مداح تھے۔ اکثر کو کہتے سنا گیا تھا کہ آدھا مرض تو اس کی دلچسپ گفتگو ہی ختم کر دیتی ہے۔

اُس نے دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا۔

”فرمائیے..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”چند بہت ضروری باتیں کرنی ہیں آپ سے۔“ حمید نے کہا۔

”یہیں..... یا کہیں الگ چلیں۔“ ڈاکٹر سانگلو نے کہا۔

”کہیں اطمینان سے۔“ حمید نے کہا۔ ”یہاں اس بھیڑ بھاڑ میں تو.....!“

”اوہ..... تو آئیے میرے ساتھ۔“

وہ دونوں عمارت کے بیرونی برآمدے میں آئے اور پھر ڈاکٹر سانگلو نے ایک الگ تھلک کمرے تک حمید کی رہنمائی کی۔

”تشریف رکھئے جناب۔“ اس نے جھک کر کہا۔

حمید ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

”اس دن.....!“ حمید کچھ دیر بعد بولا۔ ”میں نے آپ کو ڈاکٹر گوہن کی کپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔“

”کس دن.....!“

”جب وہ آپ کے غیر ملکی دوستوں سے جھگڑا کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر بروٹوی

کے وفد کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”میں دراصل اس آدمی ڈاکٹر گوہن کے متعلق الجھن میں ہوں۔“

”کیوں؟ کسی الجھن جناب۔“

”وہ پھر بتاؤں گا..... پہلے آپ یہ بتائیے کہ اس حیرت انگیز وبا کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“

”اوہ..... میرے خدا..... تو کیا..... محکمہ سرانغ رسانی بھی اسی راہ پر دوڑ رہا ہے جس پر ہم

چل نکلے ہیں۔“ ڈاکٹر سانگلو نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

”میں نہیں سمجھا.....!“

”کچھ نہیں کیپٹن.....!“ ڈاکٹر سانگلو مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”کچھ نہیں! ہم

جب تک اپنے تجربات مکمل نہ کر لیں اس مسئلے پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں۔“

”آخر محکمہ سرانغ رسانی کس راہ پر دوڑ رہا ہے۔“ حمید نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں کیپٹن میں اپنی اس بے ٹکی کپاس پر شرمندہ ہوں۔ بعض اوقات خیالات زبان کا

ساتھ نہیں دیتے۔ آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے زبان سے، نکلتا کچھ ہے۔“

”ہاں ہو سکتا ہے..... خیر..... ہاں..... تو میں آپ سے ڈاکٹر گوہن کے متعلق کچھ معلومات

حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں بھلا اس کے بارے میں کیا بتا سکوں گا۔ مگر نہیں..... جو آپ مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں

ممکن ہے میرے علم میں ہو۔“

”یہ اس شہر میں کب سے مقیم ہے۔“

”اندازاً چار سال سے۔“

”کیا وہ بکثیر یا لو جسٹ بھی ہے۔“

”کوہ..... یقیناً..... میرا اندازہ یہی ہے۔ وہ ایک خاصی بڑی تجربہ گاہ بھی رکھتا ہے۔“

”اس علاج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو اس نے دریافت کیا ہے۔“

”آہا..... اُس دن وہاں اس کا طریق علاج ہی زیر بحث تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے وہاں

آپ کو بھی دیکھا تھا۔ میں کیا بتاؤں کیپٹن..... آج تک کی رپورٹ یہ ہے کہ اس مرض کی وجہ

ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی۔ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے عموماً مرض کا سبب دریافت کیا جاتا ہے اس

”اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے ڈاکٹر۔“ حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔  
”آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔“

”آخر بات کیا ہے۔“

”دیکھئے ہم کوئی ایسی بات قبل از وقت نہیں کہنا چاہتے جس پر بعد میں ہمیں شرمندہ ہونا پڑے۔ بعض اوقات آدمی دھوکا بھی کھا جاتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ کے متعلق ایک نظریہ قائم کر لیا ہے کہ آپ فلاں شخص کے قاتل ہیں۔ چونکہ یہ خیال اچھی طرح ذہن میں جم گیا ہے اس لئے آپ کا ہر فعل ہمارے لئے اشتباہ انگیز ہو گا اور ہمارا یہ نظریہ پختہ ہوتا جائے گا کہ آپ قاتل ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ حقیقت بھی یہی ہو۔“

”کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر گوہن ہی اس وباء کا ذمہ دار ہے۔“ حمید نے ضرورت سے زیادہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ لہجہ بھی سجدہ خشک تھا۔

”جی ہاں..... میرا یہی خیال ہے لیکن خدارا یاد رکھیے کہ یہ ابھی شبہ کی حدود سے باہر نہیں ہوا۔ آپ نے چونکہ رگ پکڑ لی ہے اس لئے آپ کے سامنے یہ خیال الفاظ کا جامہ پہن سکا ہے ورنہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ثبوت مہیا کئے بغیر کہی جائے۔“

حمید اس وقت اپنے خالص پیشہ ورانہ انداز پر اتر آیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر سانگلو پر کچھ اس طرح نظر ڈالی جیسے وہ اپنا جرم ڈاکٹر گوہن کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”کیوں.....؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ڈاکٹر گوہن کو اتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کرنیکی ضرورت ہی کیا تھی اور پھر اب وہ اس کا ایک سہل سانخہ کیوں بتاتا پھر رہا ہے۔“  
”سہل کہاں کیپٹن.....!“ ڈاکٹر کے لہجے میں طنز تھا۔ ”وہ سادہ پانی میں بھی نمک کا محلول بنا سکتا تھا۔ آخر چائے ہی کیوں۔“

”چائے نئے کا ایک جزو ہے۔“

”قطعی نہیں کیپٹن! میں صرف سادہ پانی میں بہترے مریضوں کو نمک استعمال کرا چکا ہوں مگر نتیجہ وہی نکلا ہے جو چائے کے محلول سے نکلتا رہا ہے۔“

”تب تو آپ کی معلومات اس سے بہر حال زیادہ ہونگی۔“

”یقیناً..... لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اُسے صرف پانی کے محلول کا علم نہ ہو گا۔“

”کے بعد ہی طریق علاج کا تعین ہو سکتا ہے۔“  
”سامنے کی بات ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”پھر! آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ مرض کے اسباب سے واقف ہو چکا ہے یا پھر اسے تسلیم کیجئے کہ وہ جھوٹا ہے اور اس میں سچائی نہیں ہے کہ وہ علاج اتفاقاً دریافت ہوا تھا۔“  
”ٹھیک ہے..... میں آپ سے متفق ہوں۔“

”اچھا! اب اگر اس نے مرض کا سبب دریافت کر لیا ہے تو اسے تسلیم کیوں نہیں کرتا طریق علاج کی دریافت کو اتفاقات پر کیوں نال رہا ہے۔“

”بہت عمدہ نکتہ ہے۔ یقیناً اس پر غور کرنا پڑے گا۔“ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ”مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس دن آپ کے غیر ملکی ساتھی اس طریق علاج کو ڈھونگ قرار دینے کی کوشش کر رہے تھے، جس پر وہ آپ سے باہر ہو گیا تھا۔“

”جی ہاں..... لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کا دریافت کردہ علاج سو فیصدی کامیاب رہا ہے۔“  
”مگر آپ کے ساتھی تو اپنی دواؤں کا تذکرہ کر رہے تھے۔“

”کیپٹن! وہ بکواس کر رہے تھے مگر ضرورتاً ہم ڈاکٹر گوہن سے حقیقت اگلوانا چاہتے ہیں۔ اسے مرض کے اسباب معلوم ہیں۔ اُسے تسلیم کرنا پڑے گا۔“

”وہ تو شاید آپ لوگ اُسے خواہ مخواہ غصہ دلا رہے تھے تاکہ سچی بات اس کی زبان سے نکل جائے۔“

”جی ہاں..... ہماری یہی خواہش تھی۔“

”مگر آپ آج تک کامیاب نہیں ہو سکے۔“

”ابھی تک تو نہیں۔“

”مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی ڈاکٹر صاحب۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔  
”آخر وہ اسے کیوں چھپانا چاہتا ہے کہ اس نے مرض کے اسباب معلوم کر لئے ہیں اور آپ لوگ اس پر کیوں مصر ہیں کہ وہ اس کا اعتراف کر لے؟“

”خدا کی پناہ۔“ ڈاکٹر سانگلو مسکرایا۔ ”کیا آپ تہیہ کر کے آئے ہیں.....!“

وہ جملہ ادھر اچھوڑ کر خاموش ہو گیا اور حمید کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

”اگر ہو تا تو وہ چائے کا کھڑاگ کیوں کرتا۔“

اس پر ڈاکٹر سانگلو نے قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر ہنستا رہا پھر بولا۔ ”اگر وہ سادہ پانی ہی کے محلول کا اعلان کرتا تو پھر یہ بات کیسے بنتی کہ علاج اتفاقیہ طور پر دریافت ہوا تھا۔ کوئی دھوکے سے بھی سادہ پانی میں نمک ملا کر نہیں پیتا۔ چائے کے ساتھ یہ فقرہ چل گیا تھا کہ شکر کے بجائے غلطی سے نمک کے چمچے چل گئے تھے۔“

”یہ بات بھی پکی ہے ڈاکٹر۔“ حمید اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”لیکن یہ مسئلہ ہے کہ اگر ہم طبیبوں کو کوئی خاص بات اتفاقاً معلوم ہو جائے تو ہم ہر زاویے سے اس کا تجربہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر چائے اور نمک ہی کو لے لیجئے۔ اگر یہ واقعہ مجھے پیش آیا ہو تا تو میں یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرتا کہ چائے اور نمک دونوں میں سے کون زیادہ اہم ہے۔ چائے کی اہمیت یوں ختم ہو جاتی کہ مریض دن بھر میں سیروں چائے پی جاتے ہیں لیکن اس سے ان کے مرض میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ لامحالہ نمک ہی اہم جزو قرار پایا۔۔۔۔۔ یہ تو ہوئی ذہنی دلیل۔۔۔۔۔ اور عملی دلیل یہ ہوتی کہ نمک صرف سادہ پانی میں حل کر کے مریضوں کو پلایا جاتا۔ میں نے یہی کیا تھا۔ نتیجہ وہی نکلا یعنی چائے قطعی غیر ضروری ثابت ہوئی۔“

حمید نے تعریف کرنے کے سے انداز میں سر ہلایا۔

ڈاکٹر سانگلو پھر بولا۔ ”کیپٹن! ہم مسئلے پر بہت محنت کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر گوہن کے اس نئے

ہی کی بدولت ہم مرض کے اسباب تک پہنچ گئے ہیں۔“

”وہ کس طرح۔۔۔۔!“ حمید نے اشتیاق ظاہر کیا۔

”دیکھئے! وہابی امراض کے جراثیم مختلف ذرائع سے ہمارے سسٹم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یا تو

وہ فضا میں موجود ہوتے ہیں اور ہوا کے ساتھ ہمارے جسم میں پہنچتے ہیں یا اس پانی میں ان کا وجود

ہوتا ہے جسے ہم پیتے ہیں یا پھر کیڑوں مکوڑوں کے ذریعے وہ ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔

ہم نے سارے ذرائع چھان مارے لیکن ہمیں نئے قسم کے جراثیم کہیں بھی نہ ملے۔ ایک دن میں

تجربہ گاہ میں سلائڈز پر مشتبہ پانی کی چند بوندیں ڈال کر خوردبین سے ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ کسی

نے مذاقاً اس پر ایک چنگی نمک ڈال دیا۔ شاید اُس نے ایسا کرتے وقت ڈاکٹر گوہن پر بھپتی بھی کہا

تھی لیکن کیپٹن مجھے تو خدا کی قدرت کا تماشا نظر آگیا۔ نمک کی چنگی پڑتے ہی پانی میں لاتعداد

بارنجی رنگ کے ذرات سے نظر آنے لگے لیکن یہ غیر متحرک تھے۔ بس پھر یہیں سے ہمارے کام کا آغاز ہوا۔ نمک نہ صرف ان کے لئے سم قاتل ہے بلکہ ان کی رنگت بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ رنگت تبدیل ہونے سے قبل انہیں خوردبین سے بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ یعنی آپ انہیں صرف مردہ حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ زندہ ہوں تو دنیا کی طاقتور ترین خوردبین سے بھی نہیں دیکھے جاسکتے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو میرے ساتھ میری تجربہ گاہ تک چلے، حالانکہ یہ تجربہ گاہ بڑی حقیر سی ہے اتنی بڑی نہیں ہے، جتنی بڑی ڈاکٹر گوہن رکھتا ہے میرا خیال ہے شہر میں شاید ہی کوئی بیکیٹیریا لوجسٹ اتنی بڑی تجربہ گاہ رکھتا ہو۔“

حمید اس کے ساتھ اس کی تجربہ گاہ میں آیا اور ڈاکٹر سانگلو نے اُسے وہ سب کچھ دکھادیا جس کے متعلق دعوے کرتا رہا تھا۔

”واقعی ڈاکٹر۔۔۔۔۔!“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”یہ سارے معاملات چکر ادینے والے ہیں۔ ڈاکٹر گوہن ابتداء میں یہ نہیں معلوم ہوا کہ چائے ہی پر ازار ہوتا۔ آخر وہ کیا چیز ہو سکتی ہے جس نے اسے ایک جھوٹا افسانہ تراشنے پر مجبور کیا۔“

ڈاکٹر سانگلو کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ بڑبڑایا۔ ”کاش میں صرف ایک ہی بار اس کی تجربہ گاہ میں پہنچ سکتا۔“

”اس سے کیا ہوتا۔۔۔۔۔ ڈاکٹر۔۔۔۔۔!“ حمید نے پوچھا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ کیپٹن! ابھی کچھ نہ پوچھئے۔۔۔۔۔ یہ غدار۔۔۔۔۔ کمینہ جو وطن پرستی کا دعویٰ کرتا رہتا ہے

کتنا بچ ہے۔ یہ میں دنیا کو دکھا دوں گا۔“

”بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ میں اس لیبارٹری کی تلاشی کا وارنٹ بھی نہیں حاصل کر سکتا

کیونکہ آج کل وہ شہر بھر کی آنکھوں کا تاراج بنا ہوا ہے، حکام اس کی بے حد عزت کرتے ہیں۔

وزیراعظم اور صدر مملکت نے اُسے بڑے شاندار پیغامات بھیجے ہیں۔ لیکن مجھے اس پر شبہ ہے۔

کرفل بھی اس کی ناک میں ہیں۔ کاش اس کے خلاف کچھ ثابت ہو سکے کوئی واضح ثبوت مل سکے۔

اچھا ڈاکٹر! میں کوشش کروں گا کہ آپ اس کی لیبارٹری تک پہنچ سکیں، حالانکہ وہ اُس دن کے

بجائے کا قصہ شاید ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک پہنچا چکا ہو گا۔ دیکھئے اگر کوئی قانونی صورت نہ نکلی تو

غیر قانونی ہی سہی۔۔۔۔۔ مگر ہاں وہ ڈاکٹر کون تھا جس نے سلائڈز پر نمک ڈالا تھا۔“

”یہی تو یاد نہیں پڑتا۔ مگر وہ کسی غیر ملکی طبی وفد ہی کا کوئی آدمی تھا۔ اُس دن میری لیبارٹری میں کئی ممالک کے لوگ تھے۔“

حمید تھوڑی دیر بعد وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد کہاں جاتا۔ وہ ڈاکٹر گوہن کے خلاف دل ہی دل میں کھولتا ہوا واپس آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پھر فریدی کی کال آئی اس نے یہی معلوم کرنے کے لئے اُسے رنگ کیا تھا کہ اس نے گوہن کے متعلق معلومات فراہم کیں یا نہیں۔ حمید کو اپنی اور ڈاکٹر سانگلو کی گفتگو کا ایک ایک لفظ دہراتا پڑا۔

”یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔“ فریدی نے پوری روداد سن کر کہا۔ ”مگر ڈاکٹر سانگلو اپنے نام سے کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ڈاکٹر گوہن اُس سے بُری طرح خار کھاتا ہے اس کے لئے اسے کسی غیر ملکی وفد کے آدمی سے کام لینا پڑے گا۔ غیر ملکی.... ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے استدعا کرے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت ڈاکٹر گوہن کی تجربہ گاہ میں کچھ تجربات کرتا چاہتا ہے کیونکہ شہر میں صرف وہی ایک ڈھنگ کی تجربہ گاہ ہے۔“

## انسانیت کے محسن

ایک غیر ملکی وفد کے قائد ڈاکٹر بروڈون نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا اجازت نامہ حاصل کر لی لیا اور ڈاکٹر سانگلو نے اسکی اطلاع حمید کو دیتے ہوئے استدعا کی تھی کہ ان کیساتھ وہ چلے تو بہتر ہے۔ آج بھی حمید کو ڈاکٹر گوہن کی تجربہ گاہ سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی اس کی دونوں لڑکیوں سے تھی۔ اُس نے سوچا اسی بہانے سہی ایک بار اور ان سے قریب ہونے کا موقع مل جائے گا اور اگر بن پڑا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس لڑکی روزا سے اس دن کی حرکتوں کا بدلہ بھی لے ڈالے، جب ڈاکٹر گوہن نے خود پر کسی کے حملے کا ڈھونگ رچایا تھا۔

شاید ڈاکٹر گوہن کو براہ راست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اس کی اطلاع ملی تھی کہ کچھ لوگ اس کی تجربہ گاہ استعمال کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب یہ لوگ وہاں پہنچتے تھے تو ان دونوں لڑکیوں نے کچھ ایسے ہی انداز میں ان کا استقبال کیا تھا جیسے انہیں اُن کی آمد کی اطلاع پہلے ہی سے رہی ہو۔ لیکن ڈاکٹر گوہن موجود نہیں تھا۔ حمید کو اس کے اس بے پروائی کے مظاہرے پر بڑا تاؤ آ رہا

مردہ اس کو لڑکیوں کے شربت دیدار میں گھوٹ گھٹ کر پی ہی گیا۔ ڈاکٹر گوہن کے دوسرے ساتھی شامیانے کے نیچے مریضوں کو دیکھ رہے تھے۔ حمید، ڈاکٹر بروڈون اور ڈاکٹر سانگلو دونوں لڑکیوں کے ساتھ لیبارٹری میں آئے۔

ڈاکٹر بروڈون ایک آلے کے قریب بیٹھ گیا اور ڈاکٹر سانگلو بالکل کسی چھوٹے سے بچے کی طرح لیبارٹری کا جائزہ لینے لگا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی ایسی تجربہ گاہ دیکھی ہو جس میں اندیکھی چیزیں موجود ہوں۔ حمید لڑکیوں سے غپ لڑانے لگا۔ روزا کہہ رہی تھی۔ ”پتہ نہیں کیوں اُس دن آپ بھاگ نکلے تھے۔ میں بڑے اچھے موڈ میں تھی اور میرا ارادہ تھا کہ آپ کو شام تک نچاتی رہوں گی۔ ڈاکٹر براخوش مزاج آدمی ہے۔ نوجوان جوڑوں کو ہنستے کھیلتے دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔“

”بس بہت ہو چکا۔“ اچانک ڈاکٹر گوہن کی غراہٹ سنائی دی۔ حمید چونک کر مڑا۔ ڈاکٹر گوہن ایک دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو رہا تھا۔ ”اوہ.... ڈاکٹر....“ بروڈون اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہم بغیر اجازت آپکی لیبارٹری میں نہیں داخل ہوئے۔“

”لیکن تمہارے ساتھ ایک پولیس آفیسر کیوں آیا ہے۔“ ”یہ مجھ سے پوچھو ڈاکٹر....!“ حمید نے مسکرا کر کہا۔ ”میں نے سنا ہے کہ تم نوجوان جوڑوں کو ناپتے دیکھ کر بیحد خوش ہوتے ہو۔ اگر اجازت دو تو ہم لوگ، یہیں تمہارے خوش ہونے کا انتظام کر دیں۔“

”میں کہتا ہوں تم نے کس کی اجازت سے میری تجربہ گاہ میں قدم رکھا۔ میں نے صرف ڈاکٹرڈوں کے داخلے کی اجازت دی تھی۔“

”میں حسن کا ڈاکٹر ہوں.... ڈیز.... کیا اس تجربہ گاہ میں حسن بھی موجود نہیں ہے۔ جب حسن نزلے زکام میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ عموماً آئی خاکسار کو یاد کرتے ہیں کیونکہ حسن کی چھٹیکیں اس شہر میں صرف میں ہی برداشت کر سکتا ہوں۔“

”اے ڈاکٹر....!“ گوہن نے دفعتاً ڈاکٹر سانگلو کو لٹکارا۔ ”تم میری الماریوں میں کیوں جھانکتے پھر رہے ہو۔“

”مجھے ان جراثیم کی تلاش ہے جو مردہ ہونے پر ہی نظر آ سکتے ہیں۔“ ڈاکٹر سانگلو نے لاپرواہی

تہہاری نہیں بلکہ تمہارے ملک کی بات کر رہا ہوں۔“

”اور تم اب اس ملک کے باشندے بن کر اسے تباہ کر رہے ہو۔“ ڈاکٹر سرخو غصیلے لہجے میں بولا۔

”میں دو غلے دیسی کتوں سے بات نہیں کرنا چاہتا۔“ ڈاکٹر گوہن براسامنے بنا کر بولا۔

”خاموش رہو۔“ حمید گرجا۔

”حلق پھاڑتے رہو۔ پاگلوں کی طرح۔“ ڈاکٹر گوہن نے لا پرواہی سے کہا۔ پھر مونا کر سٹی کی

طرف مڑ کر بولا۔ ”وہ جو دیسی ڈاکٹر اُدھر کھڑا ہے.... جا کر اس کے گارن پر طمانچے لگاؤ۔“

”کیا مطلب....!“ ایک بیک ڈاکٹر سانگلو چونک پڑا۔

”مطلب یہ کہ تم اس لڑکی کو برما سے ورغلا کر انگلینڈ لے گئے تھے اور انگلینڈ سے پھر برما

واپس لائے تھے اس کے بعد پھر یہاں لائے.... اور دکیل کے بجائے اس کے پاس بن بیٹھے۔“

حمید نے دیکھا کہ مونا کا چہرہ سفید پڑ گیا ہے اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ڈاکٹر گوہن کو گھور رہی تھی۔

”کیپٹن یہ پتہ نہیں کیا کہ اس کر رہا ہے۔“ ڈاکٹر سانگلو نے حمید کو لاکارا۔ ”آپ کی موجودگی

میں یہ ہمیں مار ڈالنے کی دھمکیاں دے رہا ہے اور آپ کھڑے منہ دیکھ رہے ہیں۔“

”ڈاکٹر گوہن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ریوالور زمین پر ڈال دو۔“ حمید نے گرج کر کہا۔

”میں تمہارا پابند نہیں ہوں۔“ ڈاکٹر گوہن نے لا پرواہی سے کہا اور مونا کر سٹی سے بولا۔ ”کیا

تم نے سنا نہیں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ڈاکٹر سانگلو کے منہ پر تھپڑ لگاؤ کیونکہ اس نے تمہیں

بڑی اذیتیں دی ہیں اور یہ ابھی ابھی اپنے ساتھ دو ایسے خطرناک ٹیوب لایا ہے جو مجھے پھانسی دلوا

سکتے ہیں۔“

”کیا بک رہے ہو تم....!“ ڈاکٹر برو نو دھاڑا۔

”ششے کے دو ٹیوب جن میں اختلاجی وبا کے جراثیم ہیں اور یہ ابھی میری لیبارٹری کے

ایک حصے میں چھپائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر سانگلو نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔“

”کیپٹن یہ جھوٹا ہے.... اسے ڈر ہے کہ کہیں تم لیبارٹری کی تلاشی نہ لے بیٹھو۔“ ڈاکٹر

سانگلو پر سکون لہجے میں بولا۔

”تلاشی....!“ ڈاکٹر گوہن نے قہقہہ لگایا۔ ”کیا تم میرے ہاتھ میں ریوالور نہیں دیکھ رہے

ہو۔ ایسے میں تلاشی لینے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔ روز لیبارٹری کے سارے دروازے مقفل کر دو۔“

سے جواب دیا۔

”کیا مطلب....!“

”میرا یہ جملہ بجائے خود مطلب ہے۔“ ڈاکٹر سانگلو کا جواب تھا۔

حمید کی نظر ڈاکٹر گوہن کے داہنے ہاتھ پر تھی کہ کب وہ جیب کی طرف جائے اور کب ہر

اپنا ریوالور نکال لے لیکن ڈاکٹر گوہن کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا۔ البتہ اس کی آنکھیں مڑا

چنگاریاں برسانے لگی تھیں۔

”ہاں ڈاکٹر....!“ سانگلو پھر بولا۔ ”اس جملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ تم تو ایک بہر

سمجھدار آدمی ہو۔ چائے کے ساتھ نمک پلاتے ہو کیونکہ سادہ پانی چائے سے زیادہ مہنگا

ہے.... اور.... اور کیا کہوں۔ تم تو سمجھتے ہی ہو۔“

”اوہ.... تو یہ کہو۔“ ڈاکٹر گوہن حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”مجھے کسی چکر میں پھانسنے کے

لئے کوئی پلاٹ مرتب کیا جا رہا ہے۔“

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بے تحاشہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

”اس ہنسی کی وجہ....؟“ حمید اُسے گھور کر بولا۔

”کیا یہاں.... میری تجربہ گاہ میں کسی قسم کی سازش کامیاب ہو سکتی ہے۔ ابھی تک تو اب

نہیں ہوا کہ مجھ سے ٹکرانے والے پاش پاش نہ ہو گئے ہوں۔“

بڑی پھرتی سے حمید کا ہاتھ جیب میں گیا لیکن پھر دفعتاً اس کے پیروں تلے سے زمین نکل

گئی۔ ریوالور جیب میں نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنی ساری جیبیں ٹٹول کر رکھ دیں۔

ڈاکٹر گوہن کا قہقہہ پھر گونجا اور اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”یہ میری تجربہ گاہ ہے۔ یہاں

ریوالور کے پر لگ جاتے ہیں۔ یہ دیکھو تمہارا ریوالور میری جیب میں اڑا آیا ہے۔“

ڈاکٹر گوہن نے ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور جیب سے نکال کر حمید کو دکھایا اور بولا۔

”اس کے سارے جیمیر بھرے ہوئے ہیں.... اور تم صرف تین ہو۔ کیا سمجھے.... چلو کیپٹن....“

تم بھی ان دونوں کے قریب پہنچ جاؤ۔“

”کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔“ ڈاکٹر برو نو غرایا۔

”ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں کیونکہ تم لوگ بے حد ذلیل ہوتے جا رہے ہو۔ میں صرف



روز آگے بڑھی اور جلدی جلدی دروازے بند کرنے لگی۔ پھر جب ڈاکٹر گوہن کے پار واپس آگئی تو وہ بولا۔

”ہاں ڈاکٹر برونو.... اور ڈاکٹر سانگلو اب معاملے کی بات کرو۔ کیا میں بھی ایک بڑی رقم حقدار نہیں ہوں۔“

”کیا مطلب....!“ دونوں بیک وقت بولے۔

”مجھے سب کچھ معلوم ہے اور تم لوگوں کے خلاف ثبوت بھی رکھتا ہوں۔“ ڈاکٹر گوہن نے کہا۔ ”مونا کرستی کے ٹرانسمیٹر سے سانگلو کی آواز اس وقت ریکارڈ کی گئی تھی جب وہ اُسے ایک پیغام دے رہا تھا.... کیوں مونا اس وقت تمہارے پاس تمہاری دوست پکیسی بھی موجود تھی؟ جب تمہارے نامعلوم باس نے تمہیں ہدایت دی تھی کہ اس رات کو بھی تین کتے واٹر پلائی ٹیڈ میں پھینکے جائیں گے۔“

”میں پاگل ہو جاؤں گی۔“ مونا اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

”نہیں پاگل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہاں اس وقت پکیسی موجود تھی اور اس کے پاس ایک ٹیپ ریکارڈر بھی تھا جسے تم نہیں دیکھ سکی تھی۔ لیکن اس وقت تم اس آدمی کی آواز تو پہچان ہی سکتی ہو، جو فرانسیسیوں کی طرح ڈال کو ڈال اورٹ کوٹ بولتا ہے۔ یہ اس کی کمزوری ہے، لیکن ٹرانسمیٹر پر بولتے وقت یہ سچ سچ فرانسیسیوں ہی کا سالجہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا تھا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

مونا نے نفی میں سر ہلادیا۔ ڈاکٹر گوہن کہتا رہا۔ ”سانگلو تم منظر عام پر آئے بغیر ہی ایک بہت بڑی سازش کر رہے تھے، جن لوگوں سے تم کام لے رہے تھے وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کے سرگروہ کون ہے۔ اس کام کے لئے تم نے مونا کو پھانسا تھا اور مونا نے گردہ ترتیب دیا تھا بس تم کہتے تھے وہ کرتی رہتی تھی۔ اس نے تمہارے لئے ناگر کو ملازم رکھا اور ناگر نے کچھ اور آدمی بھی کئے۔ تم خود تو مردہ کتے گھیسٹ نہیں تھے اس لئے تمہیں ایسے آدمیوں کی بھی ضرورت تھی.... اور میری طرف دیکھو.... ڈاکٹر سانگلو.... کیپٹن کی طرف دیکھنے سے کیا فائدہ.... اگر نہ

نے مجھ سے سودا کر لیا تو یہ بیچارہ آسمان بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس کی قبر یہیں بنے گی اور یہ نہایت ثابت ہو سکے گا کہ کیپٹن حمید نے کبھی یہاں قدم بھی رکھا تھا۔ ظاہر ہے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

انتہائی جانتا ہے کہ صرف تم اور برونو یہاں آئے ہو۔“

”تمہارا باپ کرمل فریدی بھی جانتا ہے۔“ حمید غریبا۔

”کرمل فریدی جیسے لوٹے میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔“ گوہن نے لا پرواہی سے کہا۔

”اس کا بھی انتظام کر چکا ہوں۔ ہاں ڈاکٹر سانگلو.... جب وہاں پہنچنے لگی تو مونا کرستی نے تم سے اس کا تذکرہ کیا کہ وہ بھی اس دبا کا شکار ہو گئی ہے۔ تم نے اُسے نمک اور پانی والا نسخہ بتایا کیونکہ انہی نمک برونو صاحب جادو کی نکلیاں لے کر نہیں تشریف لائے تھے۔ اس نے نسخہ استعمال کیا اور ٹھیک ہو گئی۔ اس کی سہیلی پکیسی بھی اسی مرض میں مبتلا تھی۔ بھلا وہ اُسے کیوں نہ یہ نسخہ بتا دیتی۔ پکیسی نے یہ نسخہ مجھ تک پہنچایا۔ میرے تجربات نے یہ بتایا کہ نمک کی زیادہ مقدار خواہ کسی سیال میں استعمال کی جائے، خواہ اپنی اصلی شکل میں اثر بہر حال ہوگا.... اس لئے میں نے چائے والا اسٹ تیار کیا۔ مقصد یہ تھا کہ تم لوگ میری طرف متوجہ ہو کر مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کرو اور میں تمہیں بلیک میل کروں.... آخر میں نے کیا تصور کیا ہے۔ مجھے بھی میرا حصہ ملنا چاہئے۔ اگر نہ ملا تو میں تمہاری آواز کا ریکارڈ اور دونوں ٹیوب جن پر صرف تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں، پولیس کے حوالے کر دوں گا۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر برونو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”خاموش رہو ڈاکٹر.... یہ بکواس کر رہا ہے۔“ ڈاکٹر سانگلو غریبا۔

”اچھا اگر میں بکواس کر رہا ہوں تو مونا کرستی میرے پیچھے کیوں لگائی گئی تھی۔ پہلے وہ رضا کارانہ طور پر میرے ساتھ کام کرتی رہی تھی، پھر اس نے درخواست کی تھی کہ میں اپنے مکان کے کسی حصے میں اس کی رہائش کا بھی انتظام کر دوں۔ میں تو واقف ہی تھا کہ وہ یہاں یوں آئی ہے لہذا مجھے کوئی اعتراض نہ ہوا کیوں مونا کیا تمہیں اس کے لئے ٹرانسمیٹر پر ہدایت نہیں ملی تھی۔“

مونا نے اثبات میں سر ہلادیا۔

”میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔ تم فراڈ کر رہے ہو۔“ سانگلو دہاڑا۔

حمید خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن کی نظریں ہر طرف ہوتی ہیں۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اصل مجرم بھی اُس کے سامنے ہی تھے

اور ایک بلیک میلر بھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اُن دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس  
اس ایک نکتے پر دونوں ہی متفق ہو سکتے تھے کہ حمید کو مار ڈالا جائے۔

ڈاکٹر گوہن نے سانگو کی بات کا جواب دیئے بغیر کہا۔ ”ڈاکٹر بروڈو تم سمجھدار آدمی ہو  
تمہارے مقابلے میں سانگو جاہل ہے۔ اس لئے کم از کم تمہیں تو اس کا خیال رکھنا ہی چاہئے کہ ہاتھ  
زیادہ آگے تو نہیں بڑھ رہی ہے۔“

”ڈاکٹر سانگو..... ختم کرو.....!“ بروڈو نے کہا پھر حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کا کیا ہوگا۔“  
”پانچ لاکھ.... کم سے کم مطالبہ ہے میرا۔“ ڈاکٹر گوہن مسکرایا۔  
”مجھے منظور ہے.....“ بروڈو نے کہا۔ ”یہ رقم تمہیں آج ہی مل سکتی ہے۔ مگر یہ جاسوس۔“  
”اسے تم دونوں قتل کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔“

بروڈو چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ آہستہ حمید کی طرف بڑھنے لگا۔ ڈاکٹر سانگو اب بھی  
خاموش کھڑا پلکیں جھپک رہا تھا۔ لیکن پھر بیک بیک بول اٹھا۔  
”ٹھہرو ڈاکٹر بروڈو..... جلد بازی اچھی نہیں ہے۔“

”کیا ٹھہروں....!“ بروڈو غرایا۔ ”تم اتنے گدھے ہو کہ تمہاری ہی دج سے اس کی نوبت  
آئی۔ ہم مطمئن تھے کہ تم ذہین آدمی ہو۔“

”اس کی ذہانت میں کوئی شبہ نہیں ہے ڈاکٹر بروڈو.....!“ گوہن نے کہا۔

”اب یہی دیکھو کہ اس نے کتنے پاپڑ تیل ڈالے محض اس کی خاطر کہ گروہ کے دوسرے  
آدمیوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ مونا کرشی کو نہ جانے کہاں کہاں نچاتا پھرا۔ پھر جلی  
پاسپورٹ پر برما سے یہاں لایا۔ اُسے قابو میں رکھنے کے لئے یہی دھمکی کیا کہ تھی کہ وہ یہاں جلی  
پاسپورٹ پر آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بیچاری اپنے خلاف قانونی کارروائی سے بھی ڈرتی تھی۔“

”ارے چھوڑو.....!“ بروڈو ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”اس سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ جاسوس کا انتظام کرو۔“  
”تم ہی لوگ مارو اسے۔ میں تو بدھٹ ہو گیا ہوں۔ کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔“

دفترا بروڈو نے حمید پر چھلانگ لگائی اور حمید جھکائی دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر وہ گوہن  
کے روالور کی زد سے بچنا ہی چاہتا تھا کہ گوہن نے اردو میں کہا۔ ”ہاں بیٹے حمید اب تم سمجھ بوجھ  
لو۔ میرا کام تو ختم ہو گیا۔“

حمید کی کھوپڑی ہوا میں اڑ گئی کیونکہ یہ آواز سو فیصدی فریدی کی تھی۔

بس پھر کیا تھا۔ اس نے اچھل کر ایک بھر پور رلات ڈاکٹر بروڈو کے سینے پر رسید کی اور وہ کراہ  
کر دوسری طرف الٹ گیا اور اٹھتے اٹھتے اس نے ڈاکٹر گوہن سے کہا۔ ”تم کھڑے دیکھ رہے ہو  
ڈاکٹر۔ یہ ہم دونوں کا یکساں دشمن ثابت ہو گا۔“

اس بار حمید کا مکا اس کے جڑے پر پڑا اور بروڈو نے ڈاکٹر گوہن کو ایک گندی سی گالی دی، جو  
ریوالور لئے ہونے کے باوجود بھی حمید پر فائر نہیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سانگو کو غیرت  
دلائی لیکن ڈاکٹر سانگو جو بہت زیادہ پرسکون نظر آ رہا تھا بولا۔ ”تم ہی پٹتے رہو۔ مجھے لڑائی بھڑائی  
سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تمہاری حماقت تھی کہ تم کرل فریدی کے فقرے میں آگئے۔“

”کہاں ہے کرل فریدی۔“ بروڈو حلق پھاڑ کر چیخا۔  
”جس سے تم اتنی دیر سے بکواس کرتے رہے ہو حالانکہ میں تمہیں منع کر رہا تھا۔“ ڈاکٹر  
سانگو نے پرسکون لہجے میں کہا۔

حمید کے پانچویں گھونے پر ڈاکٹر بروڈو ڈھیر ہو گیا۔ مونا کرشی بے حد خوفزدہ تھی۔ روزا  
البتہ بُری طرح ہنس رہی تھی۔

دفترا حمید نے ڈاکٹر سانگو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی اور جھلا کر اس کی طرف بڑھا۔  
”نہیں کیپٹن! شریف آدمی مار دھاڑ سے دور ہی رہتے ہیں۔“ ڈاکٹر سانگو ہاتھ اٹھا کر بولا۔  
”اچھی بات ہے حمید۔“ فریدی نے بھی سر اکر کہا۔ ”اس شریف آدمی کو ہاتھ مت لگاؤ۔“  
”دروازہ کھلو..... میں باہر جانا چاہتا ہوں۔“ ڈاکٹر سانگو نے کہا۔

”سسرال جانا چاہتے ہو تو میں کوشش کروں۔“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھیج کر بولا۔  
”دقت نہ برباد کرو حمید دونوں کے ہتھکڑیاں لگاؤ۔“ فریدی نے کہا۔

”مر گئے ہتھکڑیاں لگانے والے۔“ سانگو چلتے چلتے رک کر انہیں گھورنے لگا۔ حمید آنکھیں  
نکل کر اس کی طرف جھپٹا تھا لیکن فریدی نے اُسے روکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ”کیوں کیا باقی  
رہا ہے۔“

”میرے خلاف کچھ بھی نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ تم نے جو آواز شیپ کی ہے وہ تمہاری ہی  
ہو گی کیونکہ تم آوازوں کے ایک کامیاب نقال ہو۔ جس طرح گوہن کا بہروپ بنا سکتے ہو اسی

طرح.... اور پھر بھلا میں بچا رہ کس شمار میں ہوں۔ رہے وہ ثیوب جن کا ابھی تذکرہ ہوا تھا۔ نئی وضع کے ہیں اس لئے میں نے انہیں اٹھا کر دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اب میری انگلیوں کے نشانات ضرور ملیں گے۔ نہیں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کر تل.... اور پھر یہ سب کچھ کرنے ہی کیوں لگا۔ آخر مجھے خواہ مخواہ کیا پڑی ہے کہ وہاں پھیلاؤں گا۔“

”مگر ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ایک بلیک میلر سے بہت سی باتیں کی تھیں۔“ فریدی نے کہا۔

”یقیناً کی تھیں.... ابھی گھنٹوں کر سکتا ہوں لیکن عدالت میں تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔“

دفترا فریدی نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر ایک بڑی سے جانا اور بس پھر لیبارٹری تباہ ہونے لگی۔ وہ شیشے کے مختلف آلات اٹھا اٹھا کر فریدی پر پھونک رہا تھا۔ حمید ایک ہی سانس میں اس تک پہنچا اور لیٹ پڑا۔

ٹھیک اسی وقت ایک دروازے پر دستک ہوئی اور روزانے آگے بڑھ کر قفل کھول دیا۔ بہرے مسلح کانسٹیبل اندر گھس آئے۔ سب سے آگے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔

”شکریہ.... کر تل۔“ اس نے کہا۔ ”آپ نے واقعی بڑی چالاکی سے کام لیا تھا ورنہ بد بخت عدالت میں ہم سبھوں کے لئے مستقل دروسر بن جاتا۔ یہاں کی پوری گفتگو ریکارڈ کر گئی ہے شروع سے آخر تک۔“

”گفتگو ریکارڈ کر لی گئی ہے۔“ سانگھو حلق پھاڑ کر چنچا۔

”ہاں....!“ فریدی کی گرجدار آواز لیبارٹری میں گونجی۔ ”یہاں لیبارٹری میں ایک بہت زیادہ قوت والا ڈکٹافون تمہارے داخلے سے پہلے ہی رکھ دیا گیا تھا۔ شروع سے اب تک کی سارا گفتگو برابر والے کمرے میں ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔“

ڈاکٹر سانگھو پاگلوں کے سے انداز میں گالیاں بکتے لگا۔ ڈاکٹر برونا بھی تک فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔

سب کچھ ہوا مگر حمید کو وجہ جرم نہ معلوم ہو سکی۔ کسی کو بھی نہیں معلوم تھی۔ اخبارات میں اس پکڑ دھکڑ کا کہیں ذکر تک نہیں آیا تھا۔ لوگ بدستور ڈاکٹر گوہن کو دعائیں دیتے رہے۔ وہاں کا زور ٹوٹا رہا۔ شہر پھر پہلے کی طرح پر رونق نظر آنے لگا تھا۔ اب لوگوں کے بھڑک کر بھاگ

کی خبریں نہیں سنی جاتی تھیں۔

فریدی کو حمید نے بہت ہلایا جلایا لیکن اس نے کچھ ایسے انداز میں خاموشی اختیار کر لی تھی جیسے ابھی یہ کیس نامکمل ہی ہو۔

”کیا بتاؤں....!“ آخر ایک دن فریدی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”یہ آدمی کے

چھپورے پن کی کہانی ہے۔ آدمی کتنا گر سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے اس کیس میں

جرم کی وجہ ایسی ہے کہ شاید ہی کسی کو اس پر یقین آئے۔ مگر دنیا کی وہ بڑی طاقتیں جو اپنے اقتدار

کے لئے آپس میں رسہ کشی کر رہی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ گر سکتی ہیں۔ ان کے بلند بانگ نعرے

جو انسانیت کا بول بالا کرنے والے کہلاتے ہیں کتنے زہر آلود ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔ یہ ایسے

ہی ایک ملک کی کہانی ہے، جو اپنے حریف سے نپٹنے کے لئے ایشیاء کی لاش پر کھڑے ہونے کی

کوشش کر رہا ہے مگر کم از کم ہمارے ملک کے عوام اس سے بیزار ہی رہے ہیں، لہذا ان کی

ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ یہاں ایک ناقابل فہم قسم کی دبا پھیلا کر

اس کا علاج کیا جائے.... دبا پھیلائی اور غیر ملکی طبی مشن آنے لگے۔ اس ملک کا وفد بھی آیا جس

کے ایجنٹوں نے یہ دبا پھیلائی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ اتنے اعلیٰ پیمانے پر ادویات نہیں تقسیم

کر سکتا تھا کہ سارا شہر بیک وقت مستفید ہو سکتا اس لئے اس ملک کا طبی وفد جلد ہی شہر ت نہیں

حاصل کر سکتا تھا۔ اسی دوران میں اچانک ڈاکٹر گوہن نمک اور چائے والے نسخے کا اعلان کر کے ان

کی ساری اسکیموں پر پانی پھیر دیا۔ وہ جھلا گئے اور انہوں نے سوچا کہ اب ڈاکٹر گوہن ہی کی گردن

پھنسا دینی چاہئے۔ وہ کامیاب بھی ہو جاتے لیکن گوہن تو وہی کر رہا تھا جو میں نے چاہا تھا۔ میں

تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ناگر کے ایک آدمی نے کسی پراسرار آدمی کی ملازمت کے بارے میں

مجھے بتایا تھا۔ میں ناگر کی گمراہی کرتا رہا۔ مونا کرشی بھی میری نظروں میں تھی، لیکن دشواری یہ

تھی کہ وہ مردوں سے کترات تھی، لہذا اب ایک لڑکی کی ضرورت پیش آئی، جو مونا سے دوستی

کر سکے۔ نظر انتخاب ہلدی پر پڑی اور میں نے اسے فن آئی لینڈ سے غائب کر دیا۔ ہلدی کو علم تھا کہ

ایسا ہو گا کیونکہ میں نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا اور اس طرح غائب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ناگر

صرف میری طرف سے محتاط ہو جائے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ جو مجرم جتنی زیادہ احتیاط برتتے

گاتنی ہی جلدی گرفت میں بھی آجائے گا۔ ناگر کے ساتھ یہی ہوا۔ وہ احتیاط برتنے کے سلسلے میں

بے شمار غلطیاں کرتا چلا گیا۔ ویسے خود اُسے بھی فکر تھی کہ کسی طرح اس نامعلوم لباس کا پردہ فاش کر دے، جو اسے انگلیوں پر نچا رہا ہے دوسری طرف بلدانے پکیسی کے روپ میں مونا سے دوڑ بڑھائی۔ میں نے اُسے اسی لئے منتخب کیا تھا۔ وہ بہت جلد دوستی پیدا کر لیتی ہے۔ ڈاکٹر سانگلو مونا کو ہدایت دی تھی کہ وہ اپنی دوست لڑکیوں سے بد اخلاقی سے پیش آئے اور پھر دیکھے کہ اس کے بعد بھی کوئی لڑکی اس سے قریب ہونے کی کوشش کرتی ہے یا نہیں۔ لیکن مونا نے اسے نہیں بتایا کیونکہ وہ پکیسی جیسی بیاری لڑکی کا دل نہیں توڑ سکتی تھی وہ اس سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس سے نہ ملا کرے۔۔۔ اسی دوران میں وباء اچھی طرح پھیل گئی اور پکیسی یا بلدانے بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی۔ مگر مونا نے اُسے نمک کے پانی والا نسخہ بتا دیا۔ پھر وہ نسخہ میرے توسط سے ڈاکٹر گوہن تک پہنچ گیا اور ہم دونوں نے گھنٹوں غور و غوص کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ سادہ پانی کی بجائے چائے کا اعلان کیا جائے اور وہ اتفاقات بھی عوام کی نظروں میں لائے جائیں جن کے تحت وہ نسخہ اچانک دریافت ہو گیا تھا۔ غرضیکہ پھر سانگلو نے مونا کو بھی ڈاکٹر گوہن کے پیچھے لگا دیا۔ ادھر ناگرنے جو اُسے ڈاکٹر گوہن کے ساتھ دیکھا تو یہی سمجھا کہ ڈاکٹر گوہن ہی ان کا پُر اسرار ہمارے ہے کیونکہ اس دوران میں ناگر پر کچھ حملے بھی ہو چکے تھے۔ اس نے جھلاہٹ میں ڈاکٹر گوہن پر کی فائر جھونک مارے۔ بڑھا پھر تیرا ہے اس لئے بچ گیا۔ جب مونا ادھر آگئی تو بلدانے کو دوسرے میک اپ میں پیش کیا گیا۔ یہ ڈاکٹر گوہن کی سیکریٹری روزا تھی۔۔۔ میں نے تمہیں سانگلو کے پاس اسی لئے بھیجا تھا کہ اس کے آئندہ کے ارادوں کا اندازہ کر سکوں۔ تم نے جو کچھ مجھے بتایا اس سے بکلی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی چیز ڈاکٹر گوہن کی لیبارٹری تک پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ گرفت میں لینے کے لئے بہترین موقع تھا۔ بس اسی دن ڈاکٹر گوہن کے میک اپ میں میں آ گیا۔ نتیجے کے طور پر تم نے ان لوگوں کی شکست دیکھ لی۔“

”مگر ان کا ہوا کیا۔۔۔!“

”بند کمرے میں ان کا مقدمہ چل رہا ہے۔ مونا سرکاری گواہ بنالی گئی ہے۔ چونکہ اس معاملے میں کچھ بین الاقوامی قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اس لئے منظر عام پر نہیں لایا جاسکتا۔ البتہ ان ملکي عدالت سانگلو پر کچھ دوسرے سنگین الزامات عائد کر کے کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اُسے سزا تو بہر حال ملنی چاہئے۔“

”مگر اتنی ذرا سی بات کے لئے اتنا ہنگامہ۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ یہ ذرا سی بات نہیں تھی، حمید صاحب! تم خود سوچو کہ اگر درمیان میں ڈاکٹر گوہن والا نسخہ نہ نکل پڑتا تو بروہی کا وفد کامیاب ہوتا۔ اپنی کوششوں میں اور ہمارے عوام میں جو اس کے ملک کے خلاف بُرے خیالات پائے جاتے تھے۔ کیا وہ برقرار رہتے۔۔۔۔۔ ارے یہ بڑی طاقتیں اسی طرح تو ایشیا پر سکہ جمار ہی ہیں۔ کہیں غلہ تقسیم ہو رہا ہے کہیں کپڑے بانٹے جا رہے ہیں اور کہیں کسی وباء کا خاتمہ کرنے کے لئے مفت دوائیں بھاری مقدار میں تقسیم کی جا رہی ہیں، جہاں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی، وہاں بھی ضرورت پیدا کر لی جاتی ہے۔ طریقہ یہی ہوتا ہے جو ہمارے یہاں اختیار کیا گیا تھا۔ مصنوعی قحط پیدا کئے جاتے ہیں۔ مصنوعی وبائیں پوری پوری بستیوں پر دھاوا بول دیتی ہیں اور پھر یہ فرشتے آکر ہمارے آنسو بھی پونچھتے ہیں، اور ہماری دعائیں بھی لے جاتے ہیں۔ کتنا کمینہ ہے آدمی۔۔۔۔۔ ذرا سوچو تو۔۔۔۔۔ کیا وہ کتوں کے ساتھ یہی باندھے جانے کے لائق ہے؟“

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

”اس وباء کے متعلق دنیا کا جو کچھ بھی خیال رہا ہو مگر قاسم بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک طلسمی لڑکی نے شہر بھر پر ڈنڈے برسائے۔ پہلے سب کا دماغ ٹھنڈا ہوا اور پھر گرم ہو گیا۔ بس دورے پڑنے لگے۔ قاسم پر تو پیٹنے کے دوسرے دن ہی دورہ پڑا تھا۔“

جب اس کے باپ پر بھی دورہ پڑا تو اس نے بسور کر کہا۔ ”ہائے۔۔۔۔۔ کم بخت نے بابا جان کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کے بڑھاپے پر بھی رحم نہ کیا۔“ پھر خود ہی لپک کر بولا تھا۔ ”ارے واہ۔۔۔۔۔ یہ بڑھاپے میں کیا سو جھی تھی۔۔۔۔۔ اظہار محویت کر بیٹھے۔۔۔۔۔ ہی ہی ہی ہی۔“

وہ منہ بنا کر دیر تک ہنستا رہا تھا۔ کسی طرح اس کے باپ کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑ گئی اور پھر جو اسی اختلاج کے عالم میں قاسم کی چٹائی شروع ہوئی ہے تو ساری کوٹھی ہل کر رہ گئی اور قاسم ہتھوں ہتھوں سے ملنے کو ترستا رہا۔ لیکن لڑکی کا راز اسے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔

تمام شد

## جاسوسی دنیا نمبر 77

پیشرس

### اونچا شکار

اب جاسوسی دنیا کا سترواں ناول ”اونچا شکار“ ملاحظہ فرمائیے....  
 اسے آپ ایسا ہی پائیں گے، جیسے ناول کی خواہش آپ عرصہ سے ظاہر کر رہے تھے۔ حمید اور فریدی دونوں ہی خاصے Active نظر آئیں گے۔  
 اس بار فریدی نے مجرم کو ٹھکانے لگانے کے لئے ایسا طریق کار اختیار کیا ہے کہ آپ کچھ دیر تک یہی سوچتے رہ جائیں گے کہ اس کا وہ اقدام صحیح تھا یا غلط.... لیکن اس کا اعتراف آپ کو بھی ہو گا کہ بہترے چالاک مجرم بڑے سے بڑے جرم کے مرتکب ہونے کے باوجود بھی قانون کی دسترس سے باہر ہی رہتے ہیں۔ ان کا طریق کار انوکھا ہوتا ہے۔ وہ قانون کے محافظوں ہی سے قانون شکنیاں کراتے ہیں۔ اس طرح کہ قانون کے محافظوں کو اس کا احساس تک نہیں ہونے پاتا کہ ان سے قانون شکنی سرزد ہو رہی ہے اور وہ مجرم کو انتہائی معصوم سمجھ کر اس کی قدر بھی کرتے رہتے ہیں۔

(مکمل ناول)

## لفافہ

کرتل فریدی نیارہ ہوٹل کی ایک نیچی سی دیوار پر دونوں ہاتھ ٹیکے جھکا ہوا نیچے دیکھ رہا تھا۔ یہ نیارہ کی تیسری منزل تھی.... اور اس تیسری منزل کو بھی گلزار بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ چاروں طرف چار چار فٹ اونچی دیواریں تھیں اور فرش پر تقریباً ایک فٹ اونچی مٹی ڈال کر گھاس اگائی گئی تھی۔ دیواروں سے ملی ہوئی پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ بعض جگہ لکڑی کے بڑے بڑے گملوں میں پام بھی نظر آرہے تھے۔ سورج غروب ہو جانے پر ہوٹل کا یہ حصہ بے حد پروقتی نظر آنے لگتا۔ ذرا ہی سی دیر میں ساری میزیں بھر جاتیں اور آرکسٹرا موسیقی بکھیرنے لگتا۔ میزوں کے درمیان کوئی شوخ سی رقصہ تھرکتی نظر آتی۔ اس حصہ کی میزیں عموماً پہلے ہی سی مخصوص کرائی جاتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ فریدی کو دیوار پر ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہونا پڑا تھا۔ اکیلے وہی نہیں، اس جیسے اور بھی تھے۔ میز مخصوص کرائے بغیر تیسری منزل پر آنا حماقت تھی۔ اس کے باوجود بھی لوگ آتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے پہل کچھ لوگوں کو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی ہو۔ مگر اب تو عام رواج ہو گیا تھا لوگ دیوار کے قریب کھڑے ہو کر کھانے پینے میں ذرہ برابر بھی جھجک نہیں محسوس کرتے تھے۔ لیکن کیا فریدی بھی انہیں لوگوں میں سے تھا، جو یہاں کسی نیم عریاں تھرکنے والی کے لئے کھڑے ہی کھڑے چائے کافی یا دوسرے مشروبات پیا کرتے تھے؟

کیپٹن حمید اگر اسے اس حال میں دیکھ لیتا تو اس کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہ لیتے۔

ایسے مجرم کو اس کی منزل تک پہنچانے کے سلسلے میں کتنی دشواریاں پیش آسکتی ہیں، اس کا اندازہ آپ کو اس کہانی کے اختتام ہی پر ہو سکے گا۔

دولت کی ہوس آدمی کو اندھا کر دیتی ہے۔ لیکن اسے سوچنا چاہئے کہ چیونٹیاں بھی اندھی ہوتی ہیں اور ان میں بھی ذخیرہ اندوزی کی جبلت پائی جاتی ہے۔ پھر کیا آدمی کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی صف میں آکھڑا ہو۔ دولت مند بننے کی خواہش گناہ نہیں ہے لیکن حصول دولت کے لئے قانون کی حدود سے گذر جانا یقینی طور پر اندھی چیونٹیوں ہی کی طرح حقیر ہو جاتا ہے۔

نقالوں کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ آپ اصلی اور نقلی گھی کی طرح میری کتابوں کو بھی پرکھنا سیکھئے۔ یہ ایک مصنف کی خوش نصیبی بھی ہے اور بد قسمتی بھی کہ لوگ اس کے نام پر پڑھنے والوں کو دھوکا دیں.... دنیا کی کسی زبان کو ایسا مصنف نصیب نہ ہوا ہوگا۔

ابن صفی

۳۰ جولائی ۱۹۵۸ء

ہیں۔ ان کے گلاس دیر سے بھرے رکھے تھے لیکن وہ انہیں اٹھا کر ہونٹوں کی طرف لے جانے کی بجائے کچھ سوچے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا سوگ منانے کے لئے وہاں اکٹھے ہوئے ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر نے کافی کی ٹرے لا کر دیوار پر رکھ دی۔

”بل بھی لیتے آؤ شاید میں جلد ہی چلا جاؤں۔“ فریدی نے کہا۔

”بہت بہتر جناب۔“ ویٹر احتراماً جھکا اور واپس چلا گیا۔

فریدی نے کافی ختم کرنے میں جلدی نہیں کی۔ ویسے اس نے بل تو ادائی کر دیا تھا۔ کافی ختم کر کے وہ دیوار سے نکل گیا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔

اسے تیسری منزل پر اتنی دیر نہیں ٹھہرنا تھا وہ تو پورے ہوٹل کا سرسری جائزہ لینے آیا تھا۔ ان دنوں شہر میں کوئین کا کاروبار بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا تھا اور اول درجہ کے ہوٹلوں کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہی فروختگی کے اڈے ہیں لیکن کاروبار اتنے سائنٹیفک طریقے پر ہو رہا تھا کہ ابھی تک ایک آدمی بھی نہیں پکڑا جاسکا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر زینوں کی طرف چل پڑا۔ اس کی رفتار سے غلٹ نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔

دوسری منزل پر رہائشی کمرے تھے۔ وہاں کی ایک راہداری سے وہ ان زینوں کی طرف مڑ گیا، جو پہلی منزل پر ڈائننگ ہال تک لے جاتے تھے۔

نیچے ڈائننگ ہال میں بھی کافی چہل پہل تھی۔ وہ یہاں بھی نہیں رکا۔ حالانکہ اس کے کئی شناسا یہاں موجود تھے اور انہوں نے اسے اپنی طرف متوجہ بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ باہر نکل آیا مگر اس کا رخ اس حصے کی طرف نہیں تھا جہاں اس نے لنگن پارک کی تھی۔ بلکہ وہ سوئمنگ پول والے ویران حصے کی طرف جا رہا تھا.... اور اس سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ وہ تینوں آدمی بھی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر آ رہے ہیں، جنہیں وہ کچھ دیر پہلے شبہ کی نظر سے دیکھ چکا تھا۔

وہ اطمینان سے چلتا رہا۔ شاید اسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ کہیں ان میں سے کوئی فائر نہ کر بیٹھے۔

ایک بیک فریدی چونک کر مڑا۔ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بڑے بے تکلفانہ انداز میں ”ہلو“ کہی تھی۔ یہ ایک دراز قد اور سیاہ فام آدمی تھا۔

”اوہ....!“ اس نے خجالت آمیز لہجے میں کہا۔ ”معاف فرمائیے گا۔ جناب مجھے غلط فہمی ہوئی تھی،“ ”کوئی بات نہیں۔“ فریدی مسکرایا۔

”آپ کا ڈیل ڈول میرے ایک دوست کا سا ہے۔ میں پھر معافی چاہتا ہوں۔“

”میں پھر عرض کرتا ہوں کہ کوئی بات نہیں۔“ فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ سیاہ فام آدمی کچھ شیشیا ہوا سا تھا۔

ایک بیک وہ اس طرح دوسری طرف مڑ گیا جیسے کسی نے جھٹکا دے کر زبردستی موڑ دیا ہو۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ بظاہر

ان تین آدمیوں سے بے خبر تھا جو تھوڑے ہی فاصلہ پر بیٹھے شراب پی رہے تھے لیکن یہ حقیقت

ہے کہ اس نے انہیں اسی وقت تازہ لیا تھا جب سیاہ فام آدمی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر اسے

مڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ممکن ہے یہ واقعہ عام آدمی کے لئے ”چلتے کی چیز“ ہو تا۔ لیکن فریدی اسے

غیر معمولی ہی سمجھتا تھا۔ نیا گره میں عموماً بہت ہی پولشڈ قسم کے لوگ آتے تھے اور کسی پولشڈ قسم

کے آدمی سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے ملنے والوں سے کسی پبلک مقام پر اس قسم کی

تکلفی کا مظاہرہ کرے گا۔ اس لئے فریدی نے ان تینوں آدمیوں کو فوراً ہی بھانپ لیا، جو اسے اس

انداز سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کا حلیہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں۔

اس نے سگار سلگا کر دانتوں سے دبایا اور اب اس کی توجہ کامرکز وہ نیم عریاں لڑکی تھی،

آرکسٹر کی دھن پر میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھی۔

اس نے سیاہ فام آدمی کو بھی اس وقت تک نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا جب تک

کہ وہ زینوں کی طرف نہیں مڑ گیا تھا۔

”کافی....!“ اس نے ویٹر سے کہا جو قریب ہی سے گذر رہا تھا۔

ویٹر موڈ بانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر آگے بڑھ گیا۔

فریدی سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ احمق کون ہو سکتے ہیں۔ تینوں آدمی

اب بھی اسی میز پر تھے۔ لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پینے سے زیادہ پینے کی ایکننگ کر رہے

یہ حصہ نیم روشن تھا۔ دور دور پر دو ایک آہنی ستونوں سے برقی قمقمے لٹک رہے تھے، جن کی روشنی اتنی محدود تھی کہ بعض گوشے تو بالکل ہی تاریک ہو کر رہ گئے تھے۔

”اے.... جناب.... یہ ڈائری شائد.... آپ کی ہے۔“ پشت سے آواز آئی۔

اور فریدی رک گیا.... اس کا دل چاہا کہ زور سے تہمت لگائے۔ یہ تینوں اس شہر باشندے تو نہیں معلوم ہوتے۔ اس نے سوچا۔

وہ تینوں قریب آگئے۔ ایک نے کوئی چیز اس کی طرف بڑھائی.... فریدی نے بایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے داہنے ہاتھ سے دوسرے کا جڑا سہلا دیا جس نے دھوکے میں رکھ کر اس جھپٹنے کی کوشش کی تھی۔

پھر بایاں ہاتھ اس کی ناک پر پڑا جس نے کوئی چیز اس کی طرف بڑھائی تھی۔

تیسرا تیر کی طرح اس پر آیا.... لیکن اس کے پیٹ کے لئے داہنا گھٹنا تیار تھا۔

یہ سب کچھ تو افتتاحیہ تھا اس کے بعد سچ بہت ہی خوریز قسم کی جدوجہد شروع ہو گئی۔ یہ تینوں بڑی طرح چیخ رہے تھے۔ فریدی کے منہ سے ابھی تک ہلکی سی آواز بھی نہیں نکلی تھی۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اب حملہ آور صرف پٹ ہی رہے ہیں اور گدھوں کی طرح بڑبڑ رہے ہیں۔

”کون ہے.... کون ہے۔“ تھوڑے ہی فاصلے پر سے آوازیں آئیں جن میں بھاگتے ہوئے قدموں کی بھی آوازیں شامل تھیں۔

ایک بیک تینوں حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن فریدی نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ سامنے سے کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس پر پڑ رہی تھیں۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ آنے والے قریب آگئے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔ چار ہوٹل کے چوکیدار تھے اور ایک ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

”کیا قصہ ہے جناب۔“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں، چند آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ آپ لوگوں کی آوازیں سن کر بھاگ گئے۔“

فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

”حملہ....!“ اس نے حیرت سے دہرایا اور ٹارچ کی روشنی فریدی کے جسم پر ڈالی جس نے

جلد نمبر 25

شفاف اور ستھرے لباس پر کہیں ہلکی سی شکن بھی نہیں تھی۔

”حملہ آور کس طرف گئے ہیں۔“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”پتہ نہیں! میں نے غور نہیں کیا۔“ فریدی نے لا پرواہی سے کہا۔ پھر بولا۔ ”اس تکلیف کے لئے شکریہ۔“ وہ عمارت کی طرف جانے کے لئے آگے بڑھ گیا۔

وہ آدمی اس کے ساتھ چلنے لگا ہوٹل کے چوکیدار پیچھے تھے۔

”میں ابھی ابھی اپنی گاڑی سے اتر تھا۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”اچانک شور سنائی دیا۔ فدیلی مجھے روک رہی تھی۔ لیکن میں چوکیداروں کو ساتھ لے کر دوڑ ہی پڑا۔ فدیلی بہت ڈر پوک ہے۔ وہ سوچ رہی ہوگی کہ پتہ نہیں کیا ہوا ہو۔ حملہ آور کتنے تھے جناب۔“

”تین....!“

”مجھے حیرت ہے۔“ اس نے کہا۔

فریدی نے اس سے حیرت کی وجہ نہیں پوچھی، خاموشی سے چلتا رہا۔

پھر وہ اجالے میں آگئے۔ اب فریدی نے اس آدمی کی شکل دیکھی۔ تھا تو وہ ادھیڑ عمر کا آدمی لیکن آنکھوں سے پکنا پن ٹپکتا تھا۔ صحت اچھی تھی اور یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔

”مجھے اس پر حیرت ہے جناب کہ حملہ آور تین تھے لیکن آپ کا لباس تک شکن آلود نہیں ہوا....!“ اس نے کہا۔

”اللہ کی مرضی....!“ فریدی کے لہجے میں لا پرواہی مترشح تھی۔

”مجھے کہنے دیجئے کہ آپ مجھے پہلے آدمی ملے ہیں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی مسکرایا۔ ”اس بھری پوری دنیا میں آپ کو آدمی نہیں ملے۔“

”آپ نہیں سمجھے۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ عجیب آدمی ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”مگر آپ اس وقت اندھیرے میں وہاں کیوں گئے تھے۔“

”اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔“ فریدی نے معنی خیز تبسم کے ساتھ کہا۔

”اُدھ معاف کیجئے گا۔ میرا یہ سوال بڑا احمقانہ تھا۔“ وہ بھی اسی انداز میں مسکرایا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ”یہاں تو زندگی کا لطف ہی جاتا رہا ہے۔ ہوٹلوں باروں اور کلیوں نے زندگی کی ساری



لذتیں چھین لی ہیں.... جو مزا چھپ چھپ کے ملنے میں ہے.... ہائے....!“  
فریدی بے اختیار مسکرا پڑا مگر کچھ بولا نہیں۔

وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں.... یہاں گیراج بھی موجود تھے اور انتظام بہت ہی اعلیٰ قسم کا تھا۔ لیکن گرمیوں میں کوئی بھی گیراج تک گاڑیاں لے جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ کھلے ہی میں پارک کی جاتی تھیں۔

ایک سیاہ رنگ کی بیوک کے قریب وہ رک گئے۔ یہاں ایک نو عمر یوریشین عورت بچہ موجود تھی۔ اس کے خدو خال خاصے دلکش تھے۔

”اوہ.... ڈکی.... کیا ہوا.... کیا تھا....؟“ وہ مضطربانہ انداز میں بولی اور پھر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

”یہ بیچارے تین آدمیوں میں گھر گئے تھے۔“ جواب ملا۔

”اوہ.... چوٹ تو نہیں آئی۔“ اس نے ہمدردانہ لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

”جی نہیں....!“

”ارے.... فدیلی.... تم چوٹ کی باتیں کر رہی ہو۔ ذرا دیکھو ادھر دیکھو....!“ اس نے کہا اور ایک بیک چوکیداروں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”تم لوگ جا سکتے ہو۔“

ان کے چلے جانے پر اس نے کہا۔ ”تین آدمیوں نے ان پر حملہ کیا تھا اور یہ شائد کافی دیر تک ان سے الجھے رہتھے لیکن ذرا ان کا لباس دیکھو.... کون کہے گا کہ یہ لڑکر آرہے ہیں۔“

”قطعاً نہیں....!“ لڑکی نے نیچے سے اوپر تک فریدی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ رپورٹ نہیں درج کرائیں گے۔“ ڈکی نے فریدی سے پوچھا۔

”میں خود ہی درج کر لوں گا۔“ فریدی مسکرایا۔

”کیا مطلب....!“

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔

”اوہ.... ہو....!“ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس

سکتے ہو گیا ہو۔ کارڈ اب بھی اس کی چنگی میں دبا ہوا تھا۔ لڑکی جھک کر اسے دیکھنے لگی۔

”گڈ گاڈ....!“ وہ قریب قریب اچھل سی پڑی۔

ڈکی کے ہونٹ ہلے اور اس قسم کی بڑبڑاہٹ سنائی دی، جیسے وہ خود سے مخاطب ہو۔ ”مقدر

کے علاوہ.... اور کیا....!“ اور پھر وہ لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”فدی ڈیئر.... کیا یہ ایک

دلچسپ اتفاق نہیں ہے۔ اب میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا استاد پھر عروج کی طرف جا رہا ہے۔“

”ڈکی.... یہ خدا کی مہربانی ہے.... کیوں اب تو تمہیں اس پر حیرت نہیں ہے کہ ان کے

لباس پر ٹکٹیں تک نہیں پائی جاتیں۔“

فریدی خاموش کھڑا ان کی گفتگو سنتا رہا۔

دفعتاً اس آدمی نے اپنا کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھادیا۔ کارڈ پر ڈکسن ہارویل تحریر تھا۔

دوسری لائن اس کے پتے کی تھی۔

”ڈکسن ہارویل....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ مل اوزر

ایوسی ایشن کے صدر ہیں۔“

”جی ہاں آپ کا خیال درست ہے کرمل۔“ ڈکسن بولا۔ ”اس موقعہ پر اگر میں آپ کا وقت

برباد کروں تو یہ بڑی زیادتی ہوگی۔ پھر کیا آپ میرے لئے کبھی تھوڑا سا وقت نکال سکیں گے۔“

”مجھے اس وقت بھی فرصت ہی ہے۔“

”مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے.... آپ تھکن محسوس کر رہے ہوں۔“

”یہ اتنی ہی معمولی سی ورزش تھی کہ خون کی روانی میں ہلکی سی تیزی آجائے۔“ فریدی

مسکرایا۔ ”آئیے.... شائد آپ اندر جا رہے تھے۔“

”جی ہاں.... میں بہت مشکور ہوں گا کرمل.... چلئے۔“

وہ عمارت کی طرف چل پڑے....!

”تیسری منزل پر ہماری میز مخصوص ہے....!“ فدیلی نے کہا۔

”میں ڈاننگ ہال ہی کو ترجیح دوں گا محترمہ....!“ فریدی بولا۔

”ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے.... اوپر ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے۔ وہاں تو طوفان بد تمیزی

برپا ہوتا ہے۔“

”ڈاننگ ہال میں بھی ہمارے لئے ایک بڑا کین مخصوص ہے۔“ فدیلی نے کہا۔

”ہاں یہ مناسب ہے۔“

وہ مغربی گوشے والے کیمین میں آئے.... یہ اتنا کشادہ تھا کہ یہاں بڑی میز کے علاوہ ایک سہری بھی بچھائی جاسکتی تھی اور اسی کی مناسبت سے تھوڑے بہت سامان کا بھی اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے۔ فدیلی فریدی کو برابر گھورے جارہی تھی۔ لیکن فریدی اس کی طرف ایک بار بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

”میری کتنی بڑی خوش نصیبی ہے۔“ ڈکسن نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے ملوں۔ فدیلی سے بھی اس کا تذکرہ آیا تھا اور آج اس طرح.... میرے خدا.... میں اسے کیا سمجھوں۔“

”ایسے اتفاقات کم ہی پیش آتے ہیں۔“ فدیلی نے کہا۔  
”اوہ.... میں بھی کتنا احمق ہوں کر مل.... خواہ مخواہ باتوں میں وقت برباد کر رہا ہوں.... ہاں آپ کیا نہیں گے۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔“

”ٹھنڈا پانی میرا پسندیدہ مشروب ہے۔“ فریدی نے کہا۔  
”میں نے سنا ہے کرئل شراب نہیں پیتے۔“ فدیلی نے کچھ ایسے پر محبت لہجے میں کہا جیسے کرئل یا تو اس کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں یا پھر انہیں اس کا شوہر ہونے کا فخر حاصل ہو۔  
”آپ نے غلط نہیں سمجھنا....!“ فریدی بولا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ ڈکسن نے کہا۔ ”دماغی کام کرنے والے عموماً پیتے ہیں۔“  
”کمزور دماغ کے لوگ ہوتے ہوں گے۔ یہاں تو صرف ایک قہقہہ جو دل کی گہرائیوں سے نکلا ہو، ساری ذہنی تھکن دور کر دیتا ہے۔“

”آپ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں کرئل.... پھر بتائیے میں آپ کی کیا خاطر کروں۔“  
”کیا آپ محض خاطر کرنے کے لئے مجھے یہاں لائے تھے۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں کرئل.... لیکن ہم ایسے موقعہ پر ملے ہیں کہ مجھے اس سلسلہ میں کچھ کہتے ہوئے جھپکا ہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ میں ایک بہت بڑے جنجال میں پھنس گیا ہوں۔ لیکن یقین کیجئے مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے کہ اس چکر میں کیونکر پڑا ہوں۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔“

”میرا خیال ہے تم اس وقت کرئل کو بور نہ کرو ڈکی.... کرئل اگر اپنے گھر پر ہمیں دقت

دے سکیں تو بہتر ہے۔“ فدیلی نے کہا۔ جو شاید اس گفتگو سے اکتا گئی تھی۔  
”اچھا.... اچھا....!“ ڈکسن نے کہا اور ویٹر کو طلب کرنے کے لئے کھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

ویٹر شاید کیمین کے دروازے ہی پر موجود تھا۔ وہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔

”لائم جوس.... اور وہسکی....“ ڈکسن نے کہا۔

ویٹر قدرے جھک کر اٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

فدیلی فریدی کو بڑی پیاسی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”میں اندر آسکتا ہوں جناب۔“

وہ چونک کر کیمین کے دروازے کی طرف مڑے.... ہوٹل کا بل کیپٹن ہاتھ میں ایک لفافہ لئے کھڑا تھا۔

”مجھے افسوس ہے جناب۔“ اس نے ندامت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن مجھ سے کہا گیا تھا کہ یہ خط بہت ضروری ہے۔“

”لاؤ....!“ ڈکسن نے اُسے گھورتے ہوئے ہاتھ بڑھادیا۔ خط دے کر بل کیپٹن واپس چلا گیا۔

”میں معافی چاہتا ہوں۔“ ڈکسن نے لفافہ چاک کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا اور فدیلی سے اجازت لے کر سگار سلگانے لگا اور فدیلی

نے کہا کہ وہ دنیا کا مہذب ترین آدمی ہے.... پھر اچانک وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ لفافہ ڈکسن

کے ہاتھ سے گر گیا تھا.... اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اس طرح کرسی کی پشت سے جاٹکا تھا، جیسے

کسی نظر نہ آنے والی قوت نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ لفافے کے پاس ہی میز پر ایک کارڈ پر پڑا

ہوا تھا جس پر جنگلی سور کی تصویر تھی۔

## چور یا آرٹسٹ

رات کے سناٹے سے اکتا کر کیپٹن حمید نے بڑبڑاتا شروع کر دیا اور پھر یہ بڑبڑاہٹ باقاعدہ قسم کے مکالموں میں تبدیل ہو گئی۔ ایک بار اس کے حلق سے مردکی سی آواز نکلی اور دوسری بار

عورت کی سی۔

”میں بہت اداس ہوں ڈارلنگ....!“ مرد کی آواز۔

”پھر کیا میں تمہارے لئے پالک کی بجایاں کروں۔“ عورت کی آواز۔

”بڑی غیر شاعرانہ باتیں کر رہی ہو۔“ مرد کی آواز۔

”ستیا ناس شاعروں کا۔ میرا بس چلے تو سب کو فوج میں بھرتی کرادوں.... جہاں ایک بڑا

بھی لفٹ رائٹ کرنا پڑا فعلوں فعلوں کا بخار اتر جائے گا۔“

”خدا کے لئے پور نہ کرو ڈارلنگ، میں بہت اداس ہوں۔“ مرد کی آواز۔

”کھلی ہوا میں دوڑ لگاؤ۔ طبیعت صاف ہو جائے گی۔“

”آخر آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔“ مرد کی آواز۔

”شاعرانہ باتوں سے طبیعت بیزار ہو گئی ہے.... اب میں بچوں کی چپاؤں میاؤں

چاہتی ہوں۔“

”یہ بہت بُری علامت ہے ڈیر.... مجھے تشویش ہے۔“ مرد کی آواز۔ ”میری زندگی کا سب

سے بڑا مشن یہی ہے کہ میں باپ نہ بننے پاؤں۔“

”میں تمہارا ساتھ دینے سے قاصر ہوں۔“ عورت کی آواز۔

”کیا تمہارے کانوں تک بڑے آدمیوں کی آوازیں نہیں پہنچتیں۔“ مرد کی آواز۔

”میں نے ان آواز کی طرف سے کان بند کر لئے ہیں.... یہ خود غرض ہیں۔ یہ فصلوں

نقصان پہنچانے والے کیڑوں مکوڑوں کی طرح آدمی کی پیدائش بھی روکنا چاہتے ہیں۔ یہ اس قابل

ہیں کہ سب سے پہلے یہی کھیتوں کی کھاد بنائے جائیں۔“

”اوہ.... ڈارلنگ پور مت کرؤ....!“ مرد کی آواز۔

پھر یک بیک حمید نے اپنی آواز میں چیخ کر کہا۔ ”اے اور حمید کے پٹھے آخر اس طرح کیے

کام چلے گا۔“

اور ایک بار پھر وہ اپنی کار کے انجن پر جھک پڑا۔

جنگل کی اندھیری رات تھی۔ سڑک کی دونوں جانب گھنیرے درختوں کی قطاریں تھیں

اس لئے وہ تاروں کی چھاؤں سے بھی محروم ہو گیا تھا۔

اسے اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے اب تک کتنی مسافت طے کی

ہو گی اور یہاں سے تار جام کتنے فاصلے پر ہے۔

دینس اس نے بڑے چاؤ سے خریدی تھی۔ لیکن ڈرائیور کون رکھتا.... ڈرائیور ہوتا یا نہ ہوتا

اس وقت تو دراصل اسکرپو ڈرائیور کا مسئلہ درپیش تھا۔ اگر اسکرپو ڈرائیور اس وقت موجود ہوتا تو

نہ اسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فلمی گیت گانے پڑتے اور نہ وہ دیوانوں کی طرح عورت اور مرد کے

مکالمے ادا کرتا۔ بس اسے دو ایک پرزے نکالنے پڑتے.... انہیں صاف کرتا اور کار پھر اپنی راہ

لگتی۔ اوزاروں کا تھیلا ڈکے میں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ اتنا عاقبت اندیش کب تھا۔

اس وقت وہ تقریباً تار جام کے لئے نہیں روانہ ہوا تھا۔ بلکہ وہاں اسے ایک ایسے آدمی کو

چیک کرنا تھا جس کے متعلق شبہ کیا جا رہا تھا کہ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرنے والے گروہ سے

تعلق رکھتا ہے۔

ان دنوں ذرا سکون نصیب ہوا تھا کہ یہ نئی مصیبت نازل ہو گئی.... شہر میں ایک ایسے

پراسرار گروہ کی سرگرمیوں کا پتہ چلا تھا، جو منشیات کی اعلیٰ پیمانے پر تجارت کر رہا تھا اور اس گروہ کا

ایک آدمی بھی ابھی تک پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا.... اکثر لوگوں پر شبہ کیا جاتا، پولیس

انہیں سختی سے چیک کرتی مگر قریب سے دیکھنے پر ان کے ہاتھ صاف نظر آتے تھے.... آج جس

آدمی کے چکر میں حمید تار جام کے لئے روانہ ہوا تھا اس کے متعلق بھی پولیس کے پاس کوئی واضح

ثبوت نہیں تھا کہ وہ کاروبار میں شریک ہی ہو گا۔ محض اس کے پچھلے ریکارڈ کی بناء پر یہ قیاس کر لیا

گیا تھا کہ وہ کسی ایسے گروہ کا ممبر ہو سکتا ہے۔

انجن پر جھکتے ہوئے حمید نے مارج روٹن کی اور بے بسی سے روشنی کے دائرے کو چکر دینے

لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی جیب میں تو اس وقت قلم تراش چاقو بھی

نہیں تھا کہ اسی سے کوشش کرتا۔

پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گاڑی کو اپنی دم میں باندھ کر تار جام تک

کریٹ دوڑتا چلا جائے....!

”اے باپ رے....!“ وہ اچانک اچھل کر پیچھے ہٹا۔ کوئی اس سے ٹکرایا تھا اور پھر کسی نے

اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔

”اوں..... ہوں..... صرف اتنا سا معاوضہ کہ میں لفٹ چاہتی ہوں.... مگر جلدی۔“ اس نے شاید اپنے پنڈ بیگ سے قلم تراش چاقو نکالا تھا۔  
حمید اس کے ہاتھ سے چاقو لے کر جھک پڑا.... پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ دوبارہ انجن بند کر رہا تھا۔ لڑکی پہلے ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔  
اچانک قریب کی جھازیاں کھرکھرائیں اور کئی ٹارچوں کے روشن دائرے فضا میں گردش کرنے لگے۔

”وہ..... رہی..... کار میں۔“ کسی نے چیخ کر کہا اور تین چار آدمی چھلانگیں لگاتے ہوئے سڑک پر آگئے۔  
”ارے کھڑے کیا ہو..... بھاگو.....!“ لڑکی دانت کچکچا کر بولی۔  
لیکن دوسرے ہی لمحے حمید کا ریوالتور نکل آیا۔ اس نے کار کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھنے والوں کو لٹکارا۔

”بیچھے ہو ورنہ فائر کر دوں گا۔“

”وہ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔“

”اس لڑکی کا تعاقب کیوں کر رہے ہوں۔“ حمید نے گرج کر پوچھا۔

”تم سے مطلب.....!“ دوسری طرف سے کوئی غرایا۔

”اچھا احمقو! آؤ اور اسے گاڑی سے نکال لے جاؤ۔“ حمید کا لہجہ بہت سرد تھا۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ انہوں نے اپنی ٹارچیں بجھادی تھیں۔

- دفعتاً حمید نے اپنی گاڑی کا انجن اشارت ہونے کی آواز سنی اور اس کے دیوتا کو جھک کر گئے۔ وہ تو گاڑی ہی لئے جا رہی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اچھل کر نہ صرف اندر بیٹھ گیا بلکہ دوسری طرف کی کھڑکی سے ان لوگوں پر ایک ہوائی فائر بھی جھونک مارا۔  
کار نے چکنی سڑک پر سپانا بھرا اور تیر کی طرح تار جام کی طرف ہولی۔ یہی سیدھی سڑک تار جام تک جاتی تھی۔

”کریش..... کریش.....!“ دو گولیاں کار کے عقبی حصے سے نکلتی گئیں۔

”چاقو کے لئے شکر گزار ہوں محترمہ.....!“ حمید کا لہجہ تلخ تھا۔

قدرتی طور پر اس کا گھٹنا اس کے پیٹ پر پڑنا چاہئے تھا لیکن وہ اس سے پہلے ہی بوکھلا گیا کیونکہ اس کی گردن جکڑنے والی کوئی عورت تھی۔ اس نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ پھر اس کے اس کے سر پر پڑے اور اُسے یقین ہو گیا..... وہ عورت ہی تھی۔  
”یہ کیا مذاق ہے۔“ وہ غرایا۔

”خدا کے لئے خاموش رہو۔“ وہ آہستہ سے بولی۔ ”میں ان جھازیوں سے تمہیں دیر دیکھ رہی ہوں۔“

”چونکہ آپ دیر سے مجھے دیکھ رہی تھیں اس لئے میں خاموش رہوں..... اور آپ گھونٹ کر مجھے ختم کر دیں کیوں؟“

”اوہ..... معاف کیجئے گا.....!“ وہ اسے چھوڑ کر ہٹ گئی۔ حمید جھک کر ٹارچ ڈھونڈنے لگا۔  
اور پھر جب ٹارچ کی روشنی میں اس نے اس کا جائزہ لیا تو غیر ارادی طور پر اس کی زباں آہستہ آہستہ نچلے ہونٹ پر ریگنے لگی۔

وہ مرمر کا مجسمہ تھی..... متناسب الاعضاء، صحت مند..... جسم پر ہلکے تاریخی رنگ کے چادر کی ساری تھی اور اسی رنگ کا بلاؤز..... بال سیاہ اور گھونگھریا لے تھے..... ساری پر کئی چھروں تھے، جیسے وہ چلتے وقت کانٹوں سے الجھی ہو۔ بازوؤں پر لمبی اور باریک خراشیں بھی تھیں۔

”اگر جھازیوں میں سانپ نہ ہوتا تو میں اس طرح اچھل کر کبھی نہ بھاگتی۔ کیا میں خوفزدہ ہوں۔“ قطعی نہیں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”آپ تو بھوکے شیر فی معلوم ہو رہی ہیں..... مجھے

ملائم گوشت والا پھچھڑا نہیں پائیں گے۔“

”وہ تو آپ کی شکل ہی سے ظاہر ہے..... کیا آپ ابھی تک انجن کی خرابی نہیں دور کر کے“ میں نے دانتوں سے اسکرپڈ ڈھیلے کرنے کی کوشش کی تھی لیکن..... پکڑ میں نہیں آئے۔“ اسکرپوڈ رایتور نہیں ہے۔“

”اگر ہو تا تو ایک ڈنٹس کی بھی ضرورت کیوں محسوس کرتا۔“

”چاقو سے کام چلے گا؟“

”چاقو.....!“ حمید خوش ہو کر بولا۔ ”ضرور چلے گا..... مگر اس کے لئے مجھے کتنی ہمارا

سرفروید اہونا پڑے گا۔“

”میں اس میں تمہارا چاقو رکھ رہا تھا.... یہ لو۔“ اس نے ہینڈ بیگ اس کی طرف بڑھادیا اور وہ چھوٹا سا پستول اُٹھاپلے ہی اس کی جیب میں پہنچ چکا تھا۔

لڑکی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ”کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔ صورت سے تم شریف معلوم ہوتے تھے ورنہ میں تم سے دور ہی رہتی دیکھو اچھے دوست کیا فائدہ؟“

”میری صورت اب بھی شریفوں کی سی ہے، اگر ہو تو تمہارے حسن کی بھی تھوڑی سی تعریف کر دوں حالانکہ میں اسے قطعی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا نظریہ ہے کہ ہر عورت خوبصورت ہوتی ہے، خواہ وہ افریقہ میں پیدا ہوئی ہو، خواہ فرانس میں۔“

”تم میری نہیں سنو گے۔“ لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”سناؤ! اتنی دیر سے تو سن رہا ہوں.... تم خود ہی جواب طلب کرتی ہو۔ ورنہ میرا دل تو یہ

چاہتا ہے کہ چیئر ڈکشنری تمہا کر استاد کا رول کہ اے سے زید تک سنا جاؤ۔“

”تم پڑھے لکھے اور شائستہ آدمی معلوم ہوتے ہو کیوں ان لوگوں کے ساتھ اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔“

”پتہ نہیں تم کن لوگوں کا تذکرہ کر رہی ہو۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

”کیا تمہارا تعلق جنگی سوار سے نہیں ہے۔“ لڑکی نے کہا۔

”میں خود ہی ہر قسم کا سوار ہوں.... کسی ایک قسم کے سوار سے میرا تعلق کیوں ہونے لگا۔“

لڑکی چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”میں یہیں اتروں گی۔“

”ہیچا بھی چھوڑو کسی صورت سے۔ خواہ خواہ میری بھی راہ کھوٹی کرتی ہو۔“

”میرا پستول واپس کر دو۔“

حمید دروازہ کھول کر کار سے اتر آیا اور پھر اگلی نشست کا دروازہ کھول کر لڑکی کو بھی نیچے کھینچ لیا۔

”یہ لو اپنا پستول اور دفع ہو جاؤ۔“ اس نے اس کی طرف پستول بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”تم جیسی

دو جنوں اسمارٹ لڑکیاں میری جیب میں پڑی رہتی ہیں جاؤ۔“

اس نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا.... اور پھر کار میں بیٹھ کر.... اسٹیئرنگ

سنجھاتے ہوئے مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ لڑکی کس حال میں ہے۔

”ٹھہرو.... ٹھہرو....“ وہ چیختی ہوئی کار کے پیچھے دوڑی.... ”خدا کے لئے ٹھہر جاؤ....“

جواب میں اس نے ایک کھٹکتا ہوا سا قہقہہ سنا.... اور پھر وہ بولی۔ ”میرے ستارے اچھے ہیں کہ آپ ٹرگمے ورنہ وہ کئی دنوں سے کوشاں ہیں کہ میری کھوپڑی میں سوراخ کر دیں۔“

”میں اس راہ کا مقصد ہرگز نہ پوچھوں گا۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”اگر تم تار جال چلنا چاہو تو میں باآسانی ایک مختصر سی نیند لے سکوں گا۔“

لڑکی کچھ نہ بولی، حمید بھی پشت گاہ سے نکلا رہا۔ البتہ اس کا دہانہ ہاتھ اب بھی جیب میں پڑ ہوئے ریوالور کے دستہ پر تھا۔

دفعۃً لڑکی بولی۔ ”دیکھو فیٹ ہیڈ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم لوگوں کو خود پر ہاتھ ڈالنے

موقعہ دوں گی۔ کار اس وقت میرے کنٹرول میں ہے.... میں اسے کسی درخت سے بھی ٹکراؤں

ہوں۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے خود کشی کا ارادہ ملتوی کر کے تم سے ٹکرا جانے کا فیصلہ

کیا تھا.... لہذا ابھی سمجھو کہ خود کشی کی نیت اب بھی برقرار ہے۔ ویسے تم لوگوں سے تمنا ہے

خود کشی ہی کے مترادف ہے۔“

مگر اس نے جواب میں حمید کے ہلکے ہلکے خراٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔

کار اسی رفتار سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

”کیا تم نہیں سن رہے ہو۔“ لڑکی زور سے چیخی اور حمید اچھل پڑا۔

”کیا ہوا.... کیا ہوا....!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم مجھے دھوکا نہ دے سکو گے۔ حالانکہ تمہاری جیب میں ریوالور

موجود ہے۔“

”ریوالور سے دھوکا نہیں دیا جاتا ہنی.... کھوپڑی میں سوراخ کیا جاتا ہے۔“ حمید نے

انداز میں کہا جیسے کسی بچے کی غلطی کی اصلاح کر رہا ہو۔ پھر وہ آگے جھکا اور چپ چاپ اتر

ہینڈ بیگ اٹھالیا۔

کار بدستور دوڑتی رہی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔

اس کے بعد شائد لڑکی نے بائیں ہاتھ سے اپنا ہینڈ بیگ ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ

اس کے بعد ہی اس نے کار روک دی اور مڑ کر غرائی۔

”میرا ہینڈ بیگ....!“

”میں شراب سے نفرت کرتا ہوں۔“ حمید نے اس سے بھی برا منہ بنا کر کہا۔

”ارے جاؤ..... مجھے یہ توقف نہ بناؤ، کیا تم کوئی نیک اور پارسا آدمی ہو۔“

”عورت اور شراب کی حد تک یقیناً بڑا پارسا آدمی ہوں..... لیکن اگر تمہارے ہینڈ بیک میں

کوئی بڑی رقم ہوتی تو تم دیکھتیں۔“

”چور.....!“

”نہیں تم مجھے آرٹسٹ ہی کہو..... کیونکہ تم بھی مجھے کسی مولوی یا پنڈت کی صاحبزادی نہیں

معلوم ہوتیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کیا تم ایسی ہی پاک و صاف ہو کہ مجھے چور کہہ سکو۔“

”میں نے کب کہا ہے کہ میں پاک و صاف ہوں۔“

”لیکن مجھے چور تو کہا تھا۔“

”بھی چور کو کیا کہیں گے۔“

”ایک چور دوسرے چور کو آرٹسٹ کہتا ہے..... چور نہیں۔“

”اوہ..... اب سمجھی۔“

”سمجھنے کی رفتار سست ہے..... میرا خیال ہے کہ تم بقیہ آدمی شیشی بھی خالی کر دو۔“

”تم کون ہو.....؟“

”یہ دوسری ہوئی! اب میں اتنا آلو کا پٹھا ہوں کہ تمہیں اپنے متعلق کچھ بتا دوں! ویسے اگر تم

چاہو تو جنگی سور کے متعلق مجھے بتاتی رہو..... میں دل لگا کر سنوں گا۔“

”میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر پائی کہ تم پر اعتماد کروں یا نہ کروں۔“

”کیا تم قارون کا خزانہ میری تحویل میں دینے والی ہو۔“

”کیا مطلب.....!“

”تم مجھ پر اعتماد کرو تو کیا اور نہ کرو تو کیا! کچھ دیر بعد میں تمہیں تار جام کی کسی سڑک پر چھوڑ

دوں گا۔“

”لوکی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔“ تم نے ابھی تک میرے متعلق کچھ نہیں معلوم

ٹھہر جاؤ۔“

اس کی آواز میں رودینے کا سا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ کار کی رفتار بھی تیز نہیں ہوئی تھی۔

حمید نے کار روکی اور پھر اتر آیا۔

”..... دیکھو..... میں کہتی ہوں آخر ہم جھگڑا کیوں کریں۔“

”میری ایک تجویز ہے۔“ حمید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں سامنے لیٹا جاتا ہوں

تم مجھ پر سے گاڑی گزار دو۔“

”کیوں.....؟“

”یہ توقف قسم کی لڑکیاں جی کا جبال ہو جاتی ہیں..... تمہیں کیا پتہ کہ میں کتنی مشکل

ہوں اور دیر ہو جانے پر مجھے کتنے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”اچھا تو میں بیٹھ جاؤں گاڑی میں۔“

”تمہیں جانا کہاں ہے؟“

”جہاں تم لے جاؤ۔“

حمید نے اس کے بال پکڑ کر جھک دیا اور اس کے حلق سے چیخ نکال گئی۔

”کینے کہیں کے۔“

”چلو بیٹھ جاؤ..... لیکن میرے کان نہ کھانا۔“

وہ اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھ گئی۔ حمید نے کار کے اندر روشنی کر دی اور گھڑی پر

ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں خدا غارت کرے۔ اس وقت مجھے دس ہزار کا خسارہ ہوا ہے۔ اب

پندرہ منٹ میں تار جام ہر گز نہیں پہنچ سکوں گا اور مجھے یہ رات کسی ہوٹل میں بسر کرنی پڑے گی۔“

”میں تمہارے کان نہیں کھاؤں گی..... بالکل خاموش ہوں۔“

کار پھر چل پڑی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ اسے برابر گھورے جا رہی ہے۔ لیکن جب

نظر وٹ شیلڈ پر تھی اس نے آنکھیں سے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

”لوکی اپنا ہینڈ بیک کھول رہی تھی، اس نے اس میں سے ایک چپٹی سی شیشی نکالی اور اس

کا ک نکال کر آدھا سیال اپنے حلق میں اٹھ لیا۔ پھر برا سامنے بناتے ہوئے بولی۔ ”لوگے

گھوٹشیمین.....!“

آواز دے کر کہا کہ وہی اس کے لئے کافی کا ایک کپ تیار کر دے۔ وہ کچھ کھائے گا نہیں.... پھر  
اخبار بھی ایک طرف ڈال دیا گیا۔

ڈکسن.... ڈکسن کے متعلق وہ پچھلی رات سے اب تک سوچتا رہا تھا۔ ڈکسن اس سے ملنا  
چاہتا تھا۔ ان حالات میں ملا.... لیکن کیوں ملنا چاہتا تھا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا۔

کیا اس جنگی سور کی تصویر نے اسے کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔ جو اچانک اس تک پہنچی  
تھی.... تصویر دیکھتے ہی وہ اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے بولنے کی سکت ہی نہ رہ گئی ہو۔

مگر یہ چویشن ایسی ہی تھی۔ جیسے کسی جاسوسی ناول میں سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی  
ہو.... ویسے فریدی اسے مضحکہ خیز سمجھ کر نظر انداز کر دینے کے لئے بھی تیار نہیں تھا....

کیونکہ بارہا ایسے ہی ”جاسوسی ناول“ قسم کے اتفاقات اسے مہینوں سرگرداں رکھ چکے تھے۔ پہلے  
اس نے بھی سمجھا تھا کہ وہ حرکتیں پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے اور سنبھیلانے کے لئے کی گئی  
تھیں لیکن پھر اسے جیتے جاگتے حقائق سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

پچھلی رات جنگی سور کی تصویر دیکھنے کے بعد ڈکسن کی حالت ایسی دگرگوں ہوئی تھی کہ  
فدیلی نے کہا تھا ”شائد ان پر ہارٹ ایکٹ ہونے والا ہے۔ کرقل میں معافی چاہتی ہوں انہیں فوراً  
گھر لے جاؤں گی۔“

اور تب اسے معلوم ہوا تھا کہ فدیلی اس کی بیوی ہے۔ پہلے وہ اسے یوریشین سمجھا تھا لیکن بعد  
میں اس نے جب اس کے انداز گفتگو اور لہجے پر غور کیا تھا تو وہ فرانسیسی ثابت ہوئی تھی۔ ڈکسن  
دیکھی عیسائی تھا اور شہر کے معززین میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کی خاصی شہرت تھی، لیکن فریدی  
کو اس سے پہلے کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا.... شہر میں اس کی کئی فیکٹریاں اور ملیں تھیں۔

لیکن وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا.... کیا اسی جنگی سور کے لئے؟  
پھر اسے وہ حملہ آور یاد آئے.... وہ سیاہ فام آدمی یاد آیا جس نے اس کے شانے پر ہاتھ مار  
کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا؟.... اور وہ تو طے شدہ بات تھی کہ اس نے دراصل اس طرح ان  
تینوں کو اس کی شکل دکھائی تھی۔

اور پھر اس کے بعد حملہ....

یہ حملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا؟.... وہ ایک بار پھر اس پر غور کرنے ہی والا تھا کہ فون کی

کرنا چاہا۔“

”اگر میں نے تمہارے کروڑ پتی ہونے کا اندازہ کر لیا ہو تا تو یقیناً کوشش کرتا۔“

ایک بیک حمید کی بھنوں تن گئیں اور پیشانی پر سلوٹیں نظر آنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا  
جیسے کوئی نیا خیال اس تبدیلی کی وجہ بنا ہو۔ لڑکی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

اچانک حمید نے ایک بار پھر اس کا بیک چھین کر اپنی داہنی ران کے نیچے دبایا اور ایک تیز  
مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”گندی بلی.... میں سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے۔“

”محکمہ سراغ رسانی کی لڑکیاں بہت تیز ہیں۔“

”تم غلط سمجھ۔“ لڑکی نے ہلکا سا ہتھکڑ لگایا۔

”غلط ہو یا سہی لیکن اب میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اپنا اطمینان  
کر لوں۔“

”کیسے ہو گا.... اطمینان....!“

”میرے پاس ایسی تمام لڑکیوں کے فوٹو ہیں، جو محکمہ سراغ رسانی کے لئے کام کرتی ہیں۔  
”تب تو بڑی اچھی بات ہے۔ مگر کیا یہاں بھی تمہارے پاس فوٹو موجود ہی ہیں۔“

”قطعی ہیں....!“

حمید کو یاد آ گیا تھا کہ لڑکیوں کی تصویروں کا الیم گاڑی ہی میں موجود ہے۔ یہ وہ لڑکیاں  
جن سے کبھی حمید کی دوستی رہ چکی تھی.... اس لڑکی کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ یا تو کسی  
گروہ سے تعلق رکھتی ہے یا ابھی حال ہی میں کسی بڑے گروہ سے کٹ گئی ہے اور وہ لوگ اس  
پچھے ہیں۔

## تکے میں خنجر

فریدی نے ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہی اخبار اٹھایا۔ تھوڑی دیر تک سرخیاں دیکھتا رہا پھر

وہ اٹھ کر کمرے میں آیا۔ دوسری طرف سے حمید بول رہا تھا۔  
 ”مجھے ایک ہفتہ کی چھٹی دلوادینے۔“ اس نے کہا۔  
 ”دماغ تو نہیں خراب ہو گیا.... تم کہاں ہو؟“  
 ”تار جام میں! لیکن بہت بُری حالت میں۔“  
 ”کیا مطلب....!“

”یہاں اچانک چچی جان مل گئیں.... ڈاکٹر منزل سے بچے کی آنکھ کا علاج کرانے آئی ہیں۔  
 مجھ سے مل کر بے حد خوش ہوئیں.... کہنے لگیں اللہ مہربان تھا کہ تم مل گئے ورنہ میں بہت  
 پریشان ہوتی۔ بچے کی آنکھوں کی حالت مخدوش ہے.... ڈاکٹر منزل کا کہنا ہے کہ کم از کم ایک  
 ہفتے تک تو سنا تھ رہنا ہی پڑے گا.... اب بتائیے میں کیا کروں۔“  
 ”کام کی بات کرو....“ فریدی غرایا۔

”او.... ہاں دیکھئے.... پار کر یہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔ ابھی تک اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔  
 وہ تین ماہ سے تار جام میں دکھائی دیا ہو.... مگر دیکھئے.... یہ چچی جان.... خاندانی معاملہ مفہوم تھیں۔  
 ہے اگر مجھے ایک ہفتے کی چھٹی نہ ملی تو سمجھ لیجئے کہ بالکل کھاڑا ہو جائے گا۔“  
 ”تم کہاں مقیم ہو۔“

”پہلے تو وہ ہوٹل میں مقیم تھیں، لیکن پھر میں نے سوچا جب اپنا گرین ہٹ خالی پڑا ہوا ہے  
 تو....!“  
 ”چلو.... خیر.... ٹھیک ہے.... مگر تمہیں تین دن سے زیادہ کی چھٹی نہیں مل سکتی۔“ اندر آکر مودبانہ کھڑا ہو گیا۔

”دیکھئے اس معاملہ میں میری ہی بات رکھ لیجئے ورنہ چچی جان۔“  
 فریدی کی پیشانی پر ایک پل کے لئے شکنیں نظر آئیں اور پھر غائب ہو گئیں۔ اس نے منہ  
 کر کہا۔ ”اچھی بات ہے.... دیے پچھلی رات میں نے بھی تمہارے لئے ایک چچی ڈسکور (Discover)  
 کی تھی.... خبرنی الحال تم اسی چچی سے دل بہلاؤ....!“

”دیکھئے میں اپنے بزرگوں کے معاملہ میں مذاق نہیں پسند کرتا۔“  
 فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن جیسے ہی میز کے پاس سے ہٹا تھنٹی پھر بیٹھنے لگی۔

”ہلو....!“ فریدی ریسور اٹھا کر دھاڑا.... وہ سمجھا تھا کہ شاید حمید نے پھر رنگ کر دیا۔  
 ”ہلو....!“ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔ ”کون صاحب ہیں۔“  
 ”آپ کسے چاہتی ہیں۔“  
 ”کرتل فریدی۔“ فریدی نے آواز پہچان لی۔ یہ فدی ملی ہی تھی۔  
 ”میں فدی ملی ہوں کرتل.... غالباً آپ بھولے نہ ہوں گے.... پچھلی رات....!“  
 ”جی ہاں.... مسٹر ڈکسن اب کیسے ہیں۔“

”میں انہیں کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں کہتے تو وہیں آ جاؤں.... خدا  
 سے لے کر کرتل توڑا وقت ضرور نکالے۔“  
 ”م بھی آجائیے.... میں دو گھنٹے بعد آفس جاؤں گا۔“  
 ”شکریہ کرتل.... میں ابھی آ رہی ہوں۔“

اور پھر تقریباً بیس منٹ بعد کرتل اسے ڈرائنگ روم میں ریسو کر رہا تھا۔ فدی ملی اس وقت  
 میں سفید اسکرٹ میں بہار کی نکھری ہوئی صبح کی طرح دلکش نظر آ رہی تھی، لیکن اس کی آنکھیں  
 خاندانی معاملہ مفہوم تھیں۔

”آپ پچھلی رات کے رویے پر یقیناً الجھن میں ہوں گے۔“ اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔  
 ”قدرتی بات ہے.... تشریف رکھئے.... آپ غالباً اس وقت پورٹ پسند کریں گی۔“  
 ”نہیں.... اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ تو پیٹے ہی نہیں۔“

”مہمانوں کے لئے رکھتا ہوں....“ فریدی مسکرایا اور اس نے تھنٹی کا مٹن دبایا۔ ایک ملازم  
 اندر آکر مودبانہ کھڑا ہو گیا۔

”پورٹ اور ایک گلاس....!“

”آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہے ہیں۔“

”قلعی نہیں تکلیف کی کیا بات ہے۔“

ملازم چلا گیا۔ فریدی استفہامیہ نظروں سے فدی ملی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”انہیں ہارٹ ایک نہیں ہوا تھا کرتل۔“

”مجھے اندازہ ہے! یہی چیز میری الجھن کا باعث بنی ہوئی تھی۔“



”ان کی حالت میں تغیر کا باعث وہ لفافہ بنا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا اس میں سے ایک کارڈ ہوا تھا جس پر جنگلی سور کی تصویر تھی.... وہ جنگلی سور!“

فدیلی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا تذکرہ کہاں شروع کروں۔“

”میرا خیال ہے کہ پورٹ سے آپ کو کافی مدد ملے گی۔“

”اف فوہ....!“ وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ ”کتنے معاملہ فہم ہیں آپ.... مجھے آپ صلاحیتوں پر رشک آتا ہے۔“

”بہتر ہے انہیں صلاحیتوں کی بناء پر مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہئے۔“ فریدی مسکرایا۔

”یہ تو حقیقت ہے! جرائم پیشہ لوگوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا ہے۔ وہ موقع پر بھاڑ چوکتے ہوں گے۔ پچھلی ہی رات۔“

”جی ہاں....!“ فریدی سر ہلا کر اس ملازم کی طرف متوجہ ہو گیا، جو تپائی پر شراب کی رکھ رہا تھا۔

فدیلی نے تھوڑی سی شراب گلاس میں انڈیلی اور دو چار چسکیاں لے کر بولی۔ ”میں نے! لوگ بھی دیکھے ہیں جو پینے والوں سے دور بھاگتے ہیں۔ مگر آپ مہمانوں کے لئے رکھتے ہیں۔ آپ واقعی عجیب ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے ملازم سے کافی کے لئے کہا کیونکہ ناشتے کی میز پر اس نے نہیں لی تھی۔ حمید کی کال آگئی تھی اور اس کے بعد پھر شائد بھول ہی گیا کہ ابھی تک اس ناشتہ نہیں کیا۔

فدیلی نے گلاس خالی کر کے رکھ دیا اور رومال سے ہونٹ خشک کر کے بولی۔ ”آج سے ماہ پہلے کی بات ہے کہ انہیں اس کا علم ہوا تھا.... ان کے دفتر میں ان کی لاعلمی میں ایک بزنس ہو رہا تھا.... وہاں سے کوکین اور دوسری نشیات غیر قانونی طور پر تقسیم ہوتی تھیں۔ انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کا کون ذمہ دار تھا۔ ویسے ان کا شبہ جنرل فیجر لا پیر پر ہے۔“

”جی ہاں یہ ایک اپنی ہی ہے۔ میں بھی اسے اچھا نہیں سمجھتی۔ لیکن اس کے خلاف پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔ ڈکی نے اس سے پوچھ گچھ کی تھی۔ اس نے سارا آفس سربراہ

اور اس سے لاعلمی ظاہر کی کہ اس قسم کی کوئی حرکت آفس کے ذریعہ ہو رہی ہے۔“

”ہاں....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”اسے ثابت کرنے میں یقیناً دشواریاں آئیں گی۔ لیکن مسز ڈکسن کو شبہ کیسے ہوا تھا۔“

”انہوں نے ایک دن آفس میں ایک جگہ تین پیکٹ رکھے دیکھے تھے۔ انہوں نے ان کو اٹھا کر دیکھا تھا اور پھر وہیں رکھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر وہاں سے گذرے لیکن پیکٹ وہاں نہیں تھے۔ البتہ لکڑی کی شلف پر تھوڑا سا سفید رنگ کا سفوف بکھرا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے اسے سیٹ کر محفوظ کر لیا.... اور پھر اس کا تجزیہ کرانے کے لئے ایک ایکسپرٹ کے پاس بھیج دیا۔ رپورٹ آئی تو وہ کوکین نکلی....!“

”مگر انہوں نے اسے ایکسپرٹ کے پاس کیسے بھیج دیا تھا۔ اگر انہیں پہلے ہی سے شبہ نہیں تھا۔ دن بھر میری نظروں سے مختلف قسم کے سفوف گذرتے ہیں۔ لیکن میں انہیں ایکسپرٹ کے پاس نہیں بھیجتا۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں! یعنی ان پیکٹوں پر نظر پڑنے سے پہلے ہی انہیں شبہ رہا ہو گا۔ دراصل میں اسی شبہ کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”خدا بہتر جانتا ہے اس کے بارے میں انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ جہاں تک میرے علم میں ہے آپ کو ضرور بتاؤں گی، حالانکہ ڈکی کو معلوم ہو جائے کہ میں یہاں ہوں اور آپ سے اس مسئلہ پر گفتگو کر رہی ہوں تو یہیں آکر مجھے گولی مار دے گا۔“

”آخر کیوں؟ پھر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔“

”اسی مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے۔ مگر پچھلی رات وہ جنگلی سور کی تصویر تین ماہ بعد پھر اچانک ان کے سامنے آئی تھی اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ وہ کرئل میں کیا بتاؤں یہ جنگلی سور ڈکی کے اعصاب پر چھا کر رہ گیا ہے۔ جن دنوں ایکسپرٹ کی رپورٹ آئی تھی ڈکی نے سارا آفس سر پر اٹھالیا تھا۔ لیکن ایک صبح جب وہ سو کر اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے ننگے میں ایک بڑا خنجر پوشت ہے اور اس کے قریب ہی ایک لفافہ ملا، جس پر جنگلی سور کی تصویر نئی ہوئی تھی۔ لفافہ چاک کر کے انہوں نے تحریر نکالی اور اسی تحریر نے انہیں اس معاملہ میں بے حد ڈرپوک بنادیا۔ کسی نامعلوم آدمی نے لکھا تھا کہ ڈکی کوکین کے معاملہ میں اپنی زبان بند رکھے۔ وہ آفس میں کسی پر بھی جرم ثابت نہیں کر سکے گا۔ اگر اس نے زبان بند نہ کی تو اتنی ہی آسانی سے

مارڈالو..... میں نے تم سے کافی کے لئے کہا تھا۔“

ملازم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ ”بھول گیا تھا۔“

”ارے.... تو اس طرح کا پنپنے کی کیا ضرورت ہے.... بھاگو.... جلدی سے لاؤ۔“

بچن میں دوسرے ملازم اس پر برس پڑے۔ فریدی کے سارے ملازمین اس پر جان دیتے تھے اور اگر کبھی کسی سے اس کے معاملے میں کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی۔ تو خود ہی رو پڑتا تھا.... کیونکہ فریدی نے آج تک کسی ملازم سے تیز لہجے میں بھی گفتگو نہیں کی تھی.... ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتا تھا اگر ان میں سے کبھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو خود ہی اس کی دیکھ بھال کرنے کی کوشش کرتا.... اگر کبھی رات گئے کافی کی خواہش ہوتی تو انہیں تکلیف دینے کی بجائے خود ہی بچن میں بھی جاگھستا۔

وہ برآمدہ میں بیٹھا کافی پیتا اور ڈکسن کے معاملات کے متعلق سوچتا رہا۔ کافی ختم کر کے وہ اٹھا.... اور فون پر سارجنٹ رمیش کے نمبر دائیں کئے۔

”لیس سر....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں پیٹر ڈکسن لیمنڈ کے جنرل فیجر لاہیر کے متعلق معلومات چاہتا ہوں۔“

”بہت بہتر جناب.... گیارہ بجے تک میں آپ کو اطلاع دوں گا.... مگر کہاں؟“

”گھر اور آفس دونوں دیکھ لیتا۔ اگر یہاں نہ ملوں تو تھری سکس ڈائیل کر کے رپورٹ ڈکلیف کر دیتا۔“

تھری سکس دراصل آواز ریکارڈ کرنے کی ایک مشین تھی جس میں فریدی نے اپنی طرف سے کچھ اضافے کر کے اس قابل بنادیا تھا کہ وہ خود بخود فون کے پیغامات ریکارڈ کر سکے۔

آپ شہر کے کسی گوشے سے کسی فون پر تھری سکس ڈائیل کیجئے، سلسلہ اس ریکارڈنگ مشین سے آٹے گا.... یہ مشین اس نے ابھی حال ہی میں لگائی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اس نے ریسپور اٹھایا.... دوسری طرف سے فدیلی بول رہی تھی اور بہت خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔

”اوہ.... کر قتل وہ لوگ بھوت ہیں.... خدا کے لئے کچھ کیجئے.... لیکن یہاں نہ آئیے گا۔“

”میں نہیں سمجھا.... کیا بات ہے۔“

قتل کر دیا جائے گا جتنی آسانی سے اس کے سینے میں خنجر پھوست کیا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا گیا تھا وہی خنجر اس کے سینے میں اتار دینے میں کون سی دشواری پیش آتی.... اس کے بعد ڈکی نے کچھ خاموش اختیار کر لی.... مگر وہ شدت سے بور رہتا تھا کیونکہ اس کی دانست میں وہ گنڈا بزنس اب بھی جاری ہے۔ اسے اپنی بدنامی کا بڑا خیال رہتا ہے کر قتل۔ وہ کہتا ہے اگر کبھی پولیس اس راہ پر آگے تو کیا ہوگا۔ کون یقین کرے گا کہ اس کے آفس سے ایک بزنس ہو رہا ہے اور اسے خبر نہیں ہے دنیا یہی سمجھے گی کہ وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے۔“

”قدرتی بات ہے مسز ڈکسن۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”غالباً انہوں نے قتل کر دیئے جانے کے خوف سے پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔“

”جی ہاں....!“

”پورٹ اور لیجئے.... تکلف کی ضرورت نہیں۔“

”شکریہ....!“ فدیلی نے دوبارہ شراب اٹھالیتے ہوئے کہا۔ ”اب میں ان کی لاعلمی میں یہاں آئی ہوں۔“

”میں ہر امکان کی کوشش کروں گا مسز ڈکسن....!“

”کسی طرح سے خوف ان کے دل سے نکال دیجئے۔ ان کی صحت بہت گرتی جا رہی ہے۔“

”ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ وہ خوفزدہ ہونا چھوڑ دیں۔“

”اچھا تو پھر اب اجازت دیجئے۔ میں زیادہ دیر تک ان کے پاس سے غیر حاضر نہیں رہ سکتی۔“

”آج کل وہ ہر وقت مجھے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔“

”بہتر ہے سوالات مجھے اس سلسلہ میں کرنے تھے۔ خیر پھر سہی۔“

فدیلی.... گلاس خالی کر کے اٹھتی ہوئی بولی۔ ”لیکن اس سوال کا جواب وہی دے سکیں گے کہ انہیں پہلے پہل کس بناء پر شبہ ہوا تھا۔“

”خیر میں اسے بھی دیکھوں گا....!“ فریدی نے کہا اور اسے رخصت کرنے پورچ تک آیا۔

پھر اندر آکر اس نے اس ملازم کو طلب کیا جس سے کافی کے لئے کہا تھا اور جو فدیلی کے لئے

شراب لایا تھا۔

”کیوں بھی....!“ اس نے ہنس کر کہا۔ ”کیا آج تم لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ مجھے بچا

”میں جب واپس آئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں ادھسے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی پیٹھ ٹکی ہوئی تھی۔“  
 اور جگہ جگہ لمبے لمبے نیلے رنگ کے نشانات تھے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی ظالم نے ان پر چادر برسائے ہوں۔ وہ بیہوش ہیں اور ان کے داہنے ہاتھ کے نیچے سے ایک کارڈ برآمد ہوا ہے جس پر وہی منحوس تصویر ہے اور پشت پر تحریر ہے۔ ”فدیلی کے لئے تنبیہ“ اب بتائیے.... میں کب کروں.... مگر آپ خدا کے لئے یہاں نہ آئیے گا۔ ورنہ پتہ نہیں کیا ہو۔“

## چچی کی کہانی

ایگل بیچ.... تار جام سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے ایک مشہور تفریح گاہ تھی۔ یہاں پانی زمین کو اس طرح کاٹ کر اندر تک چلا آیا تھا کہ ایک اڑتے ہوئے عقاب کی شکل بن گئی تھی.... اسے عقاب کی شکل بنانے میں اس چٹان کا بڑا حصہ تھا، جو خشکی سے الگ پانی میں ایک جگہ ابھری ہوئی تھی۔ یہی چٹان اس آبی اور خاکی عقاب کا سر معلوم ہوتی تھی۔ بہر حال عقاب سے مشابہت رکھنے ہی کی بناء پر اس حصہ کا نام ایگل بیچ پڑ گیا تھا۔

یہاں دور دور تک چھوٹی چھوٹی عمارتوں کی ایک قطار تھی، جن میں شہر سے آنے والے دو چار دن قیام کر کے یہاں کی تفریحات میں حصہ لیا کرتے تھے۔ انہیں عمارتوں میں گرین ہٹ بھی تھا۔ یہ کرٹل فریدی کی ملکیت تھی لیکن یہاں عموماً قفل ہی لگتا ہوا دیکھا جاتا تھا.... شاید آس پاس والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ یہ عمارت کس کی ہے۔ ویسے یہاں ایک چوکیدار ہمیشہ رہا کرتا تھا جسے ماہ بامہ تنخواہ ملتی تھی اور اکثر وہ چھپے اس عمارت کو کرائے پر بھی اٹھا دیا کرتا تھا۔

حمید بچھلی رات اس لڑکی کو یہیں لایا تھا اور وہ دونوں الگ الگ کمروں میں سوئے تھے۔ نہ حمید نے اسے اپنے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ وہی کھلی تھی۔

صبح کو حمید نے ایگل بیچ کے پوسٹ آفس سے فریدی کو فون کیا تھا اور پھر گرین ہٹ میں واپس آ گیا تھا۔ ناشتہ بیچ کے ایک ریسٹوران سے ہٹ ہی میں منگو لیا گیا۔

اور ناشتے کے دوران میں وہ لڑکی پھٹ پڑی۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔“

”کیوں....؟“ حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”نہ تم نے ابھی تک اپنے متعلق بتایا ہے اور نہ میرے بارے میں کچھ پوچھا ہے۔ حتیٰ کہ میرا

”میں جب واپس آئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں ادھسے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی پیٹھ ٹکی ہوئی تھی۔“  
 اور جگہ جگہ لمبے لمبے نیلے رنگ کے نشانات تھے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی ظالم نے ان پر چادر برسائے ہوں۔ وہ بیہوش ہیں اور ان کے داہنے ہاتھ کے نیچے سے ایک کارڈ برآمد ہوا ہے جس پر وہی منحوس تصویر ہے اور پشت پر تحریر ہے۔ ”فدیلی کے لئے تنبیہ“ اب بتائیے.... میں کب کروں.... مگر آپ خدا کے لئے یہاں نہ آئیے گا۔ ورنہ پتہ نہیں کیا ہو۔“

”اچھا اچھا.... میں کوئی دوسرا انتظام کرتا ہوں۔ آپ مطمئن رہئے۔“ فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لیڈی انسپکٹر دیکھا کہ نمبر ڈائیل کئے۔

”اوہ.... آپ....!“ دوسری طرف ہڈ اشتیاق آواز آئی۔ ”کہئے آج میں کیسے یاد آئی۔“

”کام....!“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”فرمائیے....!“

”پیڑ ڈکسن لمیٹڈ والے ڈکسن کو جانتی ہو۔“

”جی ہاں....!“

”تمہیں اس کی بیوی فدیلی سے ملنا ہے۔ لیکن ملازموں پر یہ نہیں ظاہر کرو گی کہ تم کون ہو۔ خود فدیلی سے بتانا کہ تمہیں میں نے بھیجا ہے۔“

”پھر کیا کرنا ہو گا....!“

”صرف اس کے شوہر ڈکسن کی پیٹھ پر چابک کے نیلے نشانات دیکھنے ہوں گے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”مجھے حیرت ہے کہ تم نیلے نشانات نہیں سمجھتیں۔ جلدی کرو۔ میں آدھے گھنٹے تک

تمہارے اس جواب کا انتظار کروں گا کہ نشانات ہیں یا نہیں ہیں۔“

فریدی نے دفتر جانا کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ وہ یہیں دیکھا کے جواب کا انتظار کرنا

چاہتا تھا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی.... دوسری طرف سے دیکھا بول رہی تھی۔

”میں نے بہت کوشش کی کہ فدیلی تک پہنچ جاؤں.... مگر نہیں پہنچ سکی۔ وہ برابر بھی

کہلاتی رہی کوئی بھی ہو میں اس وقت نہیں مل سکتی۔ البتہ ایک نوکر سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ڈکسن

نام تک جانے کی کوشش نہیں کی۔“

”کیوں پڑوں اس چکر میں جب کہ تم میرے احساسات کی پرواہ نہیں کرتیں۔“

”کیا مطلب! میں نہیں سمجھی۔“

”اگر اپنے پیٹ پر کپڑا پیٹے رہا کرو تو کیا حرج ہے۔“

لڑکی کا منہ بگڑ گیا۔ ساری پر اس نے وہی ڈیڑھ بالشت کا بلاؤز پہن رکھا تھا جس میں بڑا کمر ڈھانپنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

”دیکھو ہنی!....“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر تم اپنے اس کپلے ہوئے پیٹ پر کمر اور گبرو سے پھول پیتاں بنا لیا آزی تر چھی لکیریں کھینچ لو تو میں تمہیں زدو نسل کی کوئی اور سمجھ کر برداشت کر لوں گا.... مگر ایسی صورت میں!....“

”خاموش رہو۔“ وہ جھلائی۔

”اب تم اپنا صحیح نام نہ بتا سکو گی کیونکہ غصہ میں ہو! اور نہ معمولی حالات میں مجھے رام رکھا دئی سے دو چار ہونا پڑتا.... غصے میں آدمی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے۔“

لڑکی نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

”اب میں تمہیں جان سے مار دوں گی یا خودکشی کر لوں گی۔“ وہ غرائی۔

”پہلے خودکشی کر لو.... پھر مجھے بھی مار دینا تاکہ تمہیں مرتے ہوئے بھی دیکھ لوں۔ نہ زندگی نے تو کافی سبق دیا ہے.... دس ہزار کی سل چھاتی پر رکھنی پڑی ہے۔“

”بکواس ہے.... میں اسے نہیں تسلیم کر سکتی۔“

”میں دس بج کر میں منٹ پر ہڈن بینک میں ڈاکہ ڈالنے والا تھا.... وہاں کل ہی ایک بڑی رقم اسٹرونگ روم میں رکھی گئی تھی! کم از کم دس ہزار میرے حصے کے ہوتے۔ دوسرے ساتھی میرا انتظار کر کے واپس گئے ہوں گے۔“

”کیوں کیا تم ان میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہو۔“

”کیوں نہیں، میں سیف توڑنے کا ماہر ہوں.... کیا تم نے ڈاکٹرز یونیو کا نام بھی نہیں سنا۔“

”نہیں!.... لڑکی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”تب تم معمولی ہی قسم کے چوریوں چمار یوں میں رہی ہو گی۔ ڈاکٹرز یونیو ان لوگوں میں!۔“

جاتا ہے جن کی انگلیاں ٹریگر پر پہنچ کر رکنا نہیں جانتیں۔“

”تم مجھے خواہ مخواہ مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”اگر چاہتا تو رات سے اب تک تمہیں قتل کر کھا گیا ہوتا.... مرعوب کرنے سے میرے مونچھیں اگ آئیں گی کیوں؟“

”اب تم میرے کان کھا رہے ہو۔“

”اٹھو شہزادی صاحبہ اور یہاں سے نکل جاؤ.... گھنٹیا قسم کی سوسائٹی مجھے پسند نہیں ہے۔ رات سے اب تک نہ جانے کس طرح تمہیں برداشت کیا ہے۔ اب کہو کہ میرا نام دردانہ ہے اور میرا سلسلہ نسب لڑکی کے کسی سلطان سے ملتا ہے۔“

”تم کہینے ہو.... سو رہو۔“ وہ رو دینے والی آواز میں چپخاتی ہوئی اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

حمید نہایت اطمینان سے کافی پیتا رہا۔ کافی ختم کر کے اس نے پاپ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اسی گروہ سے تو نہیں کئی جو آج کل اعلیٰ پیمانے پر منشیات کی غیر قانونی تجارت کر رہا تھا.... پھر.... اگر ایسا ہے تو یہ لڑکی کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔ مگر وہ تو چاہتا تھا کہ وہ خود ہی اپنی کہانی بیان کر دے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب وہ اس پر اعتماد کر لیتی۔ اگر وہ اسے اس پر مجبور کرنا تو بے اعتمادی بڑھنے ہی کے امکانات پیدا ہو جاتے کیونکہ اُسے رات ہی سے شبہ تھا کہ وہ اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے جس گروہ کے چند آدمیوں نے اسے پکڑنا چاہا تھا۔

حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اسی کے بلے کسی قسم کا جال نہ بچھایا گیا ہو.... یہ بھی ممکن تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی بار وہ ایسے واقعات سے دو چار ہو چکا تھا۔

”تم مجھے بھگانا چاہتے ہو۔“ دوسرے کمرے سے آواز آئی۔ ”میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔“

”تو پھر میرے چچا سے شادی کر لو تاکہ میں تمہیں ہمیشہ چچی کہہ سکوں۔“

”خاموش رہو۔“ وہ حلق کے بل چیخی اور کھڑکی کے پاٹ بڑی تیز آواز کے ساتھ بند ہو گئے۔

حمید بیٹھا مسکراتا رہا۔ اس کی تدبیر کارگر ہو رہی تھی۔ لڑکی کے ٹائپ کا اندازہ اس نے بخوبی کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا ذہن جھلٹ اور بے بسی کا شکار ہوئے بغیر اسے سچ نہیں بولنے دے گا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر باہر نکلی۔ چند لمحے اسے غصیلی نظروں سے گھورتی رہی اور پھر بولی۔  
”کیا تم مجھے جاہل سمجھتے ہو.... میں گریجویٹ ہوں۔“

”میں بھی میٹرک فیل نہیں ہوں سو سنی! تمہیں گھنٹوں میٹھو آرٹالڈ اور ملٹن کی شاعری کا فرق سمجھا سکتا ہوں اور یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ اردو کے میرسن انگریزی میں چارٹھلص کرتے تھے۔“  
”تم مجھے پاگل کر دو گے۔“ وہ بید کی کرسی میں گرتی ہوئی تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم سمجھوتہ کر لیں.... میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید نے لا پرواہی سے کہا۔ ”مگر سمجھوتے سے پہلے تمہیں وعدہ کرنا پڑے گا کہ اب تم اپنا پیٹ بند ہی رکھو گی!....“  
بندر رہے گا!....“ وہ آنکھیں نکال کر اور دانت پیس کر چیخی۔

”اوہ.... تم بُرا مان لگیں!....“ حمید اٹھتا ہوا بولا.... اور کمرے میں ٹہیلنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہو پھر وہ اس کے قریب رکا اور اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھٹکا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”تمہارا چہرہ مجھے یونان کی اس قدیم شاعرہ کی یاد دلاتا ہے جس نے ایک لڑکی کے عشق میں جٹلا ہو کر خود کشی کر لی تھی.... تم بہت حسین ہو.... مگر میری نظریں؟  
؟ سے نیچے سفر کرنے سے ڈرتی ہیں۔“

”ہٹو اُدھر!....“ لڑکی نے اسے پرے جھٹک دیا۔ ”میرے پاس یہاں کوئی ایسا لباس نہیں ہے جس سے میں تمہاری آنکھیں پھوڑ سکوں۔ مجھے تار جام لے چلو میں وہاں فراکیں اور شلواریں خریدوں گی۔“

”جیو.... عرصہ تک جیتی رہو.... لمبا فراک اور شلوار میرے پسندیدہ ترین لباس ہیں۔“  
”اس کے باوجود بھی تم پتلون اور قمیض میں نظر آتے ہو۔“ لڑکی بے تحاشہ ہنس پڑی۔  
”مزید جیو! یہ جملہ تمہاری خوش کرنے والا.... اب اپنا نام بھی بتادو۔“

”راحیلہ!....“

”نہیں.... تم سچ نہیں بول رہی۔“

”ہاں یہ نام میں نے خود ہی اختیار کیا ہے۔ اس نام کی توہین کرنا نہیں چاہتی جو میرے

والدین نے رکھا تھا۔“

”چلو فکر نہ کرو.... یہ نام بھی بُرا نہیں ہے۔“

”مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو میری مدد کر سکے۔“

”کوئی لمبا شکار ہے۔“ حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبائی۔

”نہیں یہ ایک انتقامی کاروائی ہے۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ کسی بڑی رقم پر بھی ہم ہاتھ مار سکیں، مگر یہ حالات پر منحصر ہے۔ وہ شکاری کتوں کی طرح چاروں طرف میری بوسو گھمتے پھر رہے ہیں۔ پچھلی رات میں نے ان کی ایک اسکیم خاک میں ملانے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہ ہوئی اور پھر مجھے بھاگنا پڑا۔“

”کیا یہ کوئی گروہ ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”ایک بہت بڑا اور منظم گروہ.... جو منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔“

”اچھا تو پھر.... تم اس سے کیوں انتقام لینا چاہتی ہو۔“

”کیونکہ میں اپنی خوشی سے اس گروہ کے چکر میں نہیں پھنسی تھی۔ مجھے زبردستی کھینٹا گیا تھا۔ کیا تم شروع سے میری کہانی سننا پسند کرو گے۔“

”یقیناً!....“ حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی اور پھر بولی۔ ”میں یہاں فلم آرٹسٹ بننے کے لئے آئی تھی.... ایک ڈائریکٹر صاحب سے ملاقات ہو گئی انہوں نے مجھے خوب چکر دیئے۔ جب تک مجھ

میں ان کے لئے دلکشی رہی میری کفالت بھی کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے اپنا راستہ لیا.... پھر مجھے پیٹ پالنے کے لئے ایک اسٹوڈیو میں اسٹرا کی حیثیت سے رہنا پڑا.... میرے خدا

”کہتی گھناؤنی زندگی تھی۔ کہنے کو آکسٹرا لڑکیاں اسٹوڈیو سے تنخواہ پاتی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اس کے علاوہ اور کوئی مصروف نہیں ہے کہ فلم بنانے والے انہیں کرائے پر حاصل کریں لیکن کیا تم یقین کرو گے کہ وہ فلموں میں کام کرنے کے علاوہ یوں بھی کرایہ پر چلائی جاتی ہیں اور اس کی ساری آمدنی بھی اسٹوڈیو والے کی جیب میں جاتی ہے.... جب کسی پروڈیوسر کو فائنل سکر

نٹس ملتا تو وہ بہترین قسم کی آکسٹرا لڑکیاں ساتھ لیکر سیٹھوں کے دفاتروں کے چکر کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔“  
”میں سب جانتا ہوں۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس گروہ کے چکر میں کیسے

آئی تھیں۔“

”میں اکثر اولیٰ زندگی سے تنگ آگئی تھی.... اسی دوران میں مجھے ایک فرشتہ ملا، بالکل ایسا ہی جیسے تم ہو۔“

”کیوں.... تم نے میری مثال کیوں دی۔“

”وہ بھی تمہاری ہی طرح خود کو عورتوں سے لاپرواہ ظاہر کرتا تھا اور میری مدد کرنا چاہتا تھا۔ بے غرض ہو کر....!“

”میں نے ابھی تک تم سے یہ تو نہیں کہا کہ میں بے غرض ہو کر تمہاری مدد کروں گا۔“

”لیکن مجھ سے لاپرواہی تو ظاہر کرتے ہو۔“

”وہم ہے تمہارا.... نہ میں نے لاپرواہی ظاہر کی ہے اور نہ یہی سوچا ہے کہ تمہارا زندہ رہنے کا ارادہ ترک کر دوں.... قصور تمہارا نہیں! بلکہ اس ماحول کا ہے جس میں تم اب رہی ہو۔ جہاں عورت سبب کامر بہ سمجھی جاتی ہے.... اور اس کا مصرف یہی ہوتا ہے....!“

”بس بس.... تم لیرے ہو پیارے.... لیڈر نہیں.... کوئی تقریر نہ چھیڑو میں نے وہاں بس یونہی کہہ دی تھی۔ میرا خود ہی دل چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کر لوں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ برا سامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

”پھر میں اس آدمی کے ساتھ اسٹوڈیو سے نکل گئی! اب میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتی! کتنا شریف آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے ذریعہ میں اس گروہ تک پہنچی۔ کچھ دنوں تک بے دل

ان کے لئے کام کرتی رہی۔ پھر میں نے ایک فیصلہ کیا.... کام تو کرنا ہی پڑتا تھا۔ انہوں نے شکنجوں میں جکڑا تھا مجھے کہ میں انہیں چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی.... میں یہ بھی سوچ رہی تھی

موجودہ زندگی پچھلی زندگی سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی مخالفت پر ہی اتر آئے تو پھر اس صورت میں کیا ہوگا.... شاید گروہ ہسپتال میں بھی سر نہ چھپائے

راحیلہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی تھی۔ حمید دوبارہ پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا کچھ دیر اس نے پوچھا۔ ”وہ کون سی مجبوریاں تھیں، جنہوں نے تمہیں ان کے چکر میں جکڑ رکھا تھا؟“

”وہی بتانے جا رہی ہوں.... یعنی میں ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے پولیس سے

نہیں کر سکتی تھی کیونکہ صرف مجھے ہی جیل کی ہوا کھانی پڑتی.... اس سے پہلے بھی بارہائی آدمیوں نے ان سے ٹوٹ کر پولیس سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن صرف وہی جیلوں میں نظر آئے تھے گروہ بدستور کام کرتا رہا تھا۔“

”ہو یا.... پولیس بھی اس گروہ سے ملی ہوئی ہے۔“

”پھر اس کے علاوہ اور کیا ہو گے۔“

”تمہیں کسی بڑے آفیسر کے پاس جانا چاہیے تھا۔“

”جواب میں راحیلہ نے ایک ہڈیانی سا قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنسی رہی۔ پھر بولی۔ ”کئی بار بڑے بڑے آفیسروں کے پاس جا چکی ہوں اور پوری پوری راتیں گزاری ہیں۔“

”کیا مطلب....!“

”اب تم اتنے ننھے نہیں ہو کہ تمہیں مطلب بھی سمجھایا جائے۔“ وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ حمید سنہل گیا شاید اس سے بے خبری میں آفیسر پن کا اظہار ہونے لگا تھا.... وہ سر ہلا کر خاموش ہو گیا۔

”ایک میں ہی نہیں ان کے پاس درجنوں پڑھی لکھی اور حسین لڑکیاں ہیں جنہیں وہ خود ہی آفیسروں کے پاس بھیج دیتے ہیں.... اب بتاؤ.... کیا پھر میں اللہ میاں سے فریاد کرتی۔“

”حمید اس کے اس طنز پر کٹ کر رہ گیا لیکن زبان سے کچھ نہیں نکلے دیا۔

دفعہ تادم بہت زیادہ غصے میں نظر آنے لگی اور اس نے دانت پیس کر کہا۔

”چوننی بھی ایک دن خطرناک ہو سکتی ہے اب میں تمہا ان کے مقابلہ پر آگئی ہوں۔ خود ہی کچھ بوجھ لوں گی۔ اب تک ان کی لاکھوں روپے کی کوکین نالی میں بہا چکا ہوں.... ابھی تک یہ

سب کچھ چوری کرتی رہی ہوں۔ مگر پچھلی رات انہوں نے مجھے دیکھ ہی لیا۔ ظاہر ہے کہ اب میں ان میں واپس نہیں جاسکتی.... ہاں تو لطیفہ دراصل یہ ہوا ہے کہ اب محکمہ سراغ رسانی کو بھی اس

گروہ کا علم ہو گیا ہے اور اس کی وجہ میں ہی بنی ہوں۔ کئی دنوں سے میں وہ سارا اشاک تباہ کرتی رہی تھی، جو شہر میں تقسیم کے لئے لایا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین چار دن تک نشہ بازوں کا نشہ

اکٹرا رہا.... یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کوکین بڑے ہی آدمیوں کا نشہ ہے۔ لہذا کوئی بڑا آدمی تین چار دن کوکین نہ ملنے پر جھلا گیا اور محکمہ سراغ رسانی کو کھڑکھڑا کر رکھ دیا کہ اس کی موجودگی میں

شہر میں کوئین کی اعلیٰ پیمانے پر تجارت ہو رہی ہے اور محکمے نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔“

”آہا....!“ حمید حیرت سے بولا۔ ”بڑی خطرناک معلوم ہوتی ہو۔“

”خدا کی قسم بڑی معصوم اور بیوقوف لڑکی تھی۔ صرف فلم آرٹسٹ بننے کا شوق تھا۔ لوگوں نے مجھے جہنم کی رقصہ بننے پر مجبور کر دیا۔ میں تہیہ کر چکی ہوں کہ اس گروہ کو خاک و ملاؤں کی اس سلسلہ میں رقومات جتنی بھی وصول ہوں سب تمہاری۔ اگر ان کی طرف آنکھ کر دیکھوں تو گولی مار دیتا۔ آج کل ویسے بھی گروہ کی ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ ہم اس بیجان میں بڑا شکار کریں گے۔“

”کیوں؟ گروہ کی ہوا کیوں بگڑی ہوئی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”وہ صرف محکمے کے بلڈانگ سے ہمیشہ خائف رہے ہیں انہیں ہمیشہ ہیڈ کوارٹر سے اس ہدایت بھی ملتی رہتی تھی کہ وہ صرف بلڈانگ کی نظروں میں آنے سے بچیں۔“

”بلڈانگ کون....!“

”کرنل فریدی....!“

”ارے باپ رے۔“ حمید یک بیک اچھل پڑا اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

”کیوں کیا ہوا....!“

”کرنل.... فریدی....!“ حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ ”اس سے تو میں ہمیشہ چار ہا

کے فاصلے پر رہتا ہوں۔“

”ارے تم ڈر گئے۔“

”دیکھو.... اگر کرنل فریدی بھی ان لوگوں کے چکر میں ہے تو پھر شاید میں تمہارا ساتھ

دے سکوں۔“

”ارے جاؤ بس دھری رہ گئی ساری طراری۔“

”ٹھیک ہے، مگر میں احمق نہیں ہوں....“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اچھا ایک شرط ہے

مجھے مشورے ضرور دوگی لیکن میں تمہارا پابند نہیں ہوں گا۔“

”کیا مطلب....!“

”میں گروہ کا قلع قمع کرنے کے سلسلہ میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔“

”یہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے تم انہیں بلیک میل کرنے لگو.... مگر میں اس پر تیار نہیں۔ میں تو انہیں جہنم رسید کرنا چاہتی ہوں۔“

”بلیک میلنگ چور اور نکلے کرتے ہوں گے میں ڈاکو ہوں.... سوئی.... جھین کر کھانے والا.... میں ان کے ذخیروں پر ڈاکے ڈالوں گا.... مثال کے طور پر اگر تم مجھے ان کے ہیڈ کوارٹر کا پتہ بتا دو۔“

”یہی تو آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ تقسیم کاروں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ ہیڈ کوارٹر کہاں ہے۔“

”تب تو تھوڑی محنت بھی کرنی پڑے گی۔“ حمید نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

”جس حلقہ میں.... میں تھی.... وہاں کے سارے تقسیم کاروں سے میں واقف ہوں اور اس حلقے کا ذخیرہ بھی میرے علم میں ہے۔“

”چلو تو پھر پہلے وہیں ہاتھ ماریں گے۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کے بعد ہیڈ کوارٹر کی تلاش تو جاری ہی رہے گی۔ میں کہتا ہوں رقومات وہیں جمع ہوتی ہوں گی۔ ارے ہاں.... کچھلی رات تم نے کسی جنگلی سور کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔“

”جنگلی سور گروہ کا نشان ہے۔“ لڑکی بولی۔

”اب میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ ہم لوگ شہر واپس چلیں.... میں تار جام جارہا ہوں.... وہاں سے تمہارے لئے کچھ ریڈی میڈ کپڑے اور ایک برقعہ لاؤں گا۔ تاکہ تم گروہ کی نظروں سے محفوظ رہ سکو۔ پھر شہر پہنچ کر میں تمہیں بتاؤں گا کہ کتنی شاندار اسکیم ہے میرے ذہن میں.... کھلے عام نکلو گی تم باہر، لیکن کوئی تمہیں پہچان نہ سکے گا۔“

لڑکی نے اس اسکیم کی نوعیت معلوم کرنی چاہی.... لیکن حمید اسے کوئی جواب دیئے بغیر تار جام چلا گیا۔

## پٹنے والے

کرنل فریدی آفس پہنچ کر کوٹ اتار رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کیٹین

مردہوں کی نگرانی کراتا پھروں.... وہ لڑکی کون ہے۔“

”آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ اب کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ میں ایک آدمہ

بننے کی چھٹی لے سکوں۔ میری کئی ماہ کی چھٹیاں ڈیو....!“

”تمہاری کوئی چھٹی ڈیو نہیں ہے۔ ساری چھٹیاں تاریک وادی کے سفر میں کام آگئی تھیں۔“

”شام تک تمہاری واپسی ضروری ہے۔ مگر تمہیں جنگلی سور کے متعلق کیسے علم ہوا۔“

”چچی....!“

”میرا خیال غلط نہیں تھا۔ اسی گروہ کی کوئی لڑکی تم سے آکر آئی ہے.... یا پھر ہو سکتا ہے وہ

تمہاری چھپکلی کا کوئی دوسرا روپ ہو.... بہر حال تمہیں شام تک یہاں پہنچنا ہے۔“

”کوشش کروں گا....!“

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ابھی اسے ریش کی کال کا بھی انتظار تھا۔ لیکن جب دس

منٹ تک فون خاموش ہی رہا تو اس نے آج کا کام سمیٹ لیا۔

اسرنگہ اپنی ڈسک پر بیٹھا سر جھکائے چڑے کے تھیلوں میں کاغذات رکھ کر انہیں سیل کرتا جا رہا تھا۔

دفتر فریدی کی میز پر رکھے ہوئے ایک انسٹرومنٹ کا بزرگ چیخ پڑا۔

اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ ”لیس سر۔“

اس انسٹرومنٹ پر صرف ڈی۔ آئی۔ جی اس سے گفتگو کرتا تھا۔

”کیوں بھی فحشیات والے کیس میں کیا ہو رہا ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”یہ کیس ایسا نہیں ہے.... جیسا سمجھا جا رہا ہے جناب۔“

”یعنی....!“

”ہر اسٹیشن کا انچارج جانتا ہے کہ اس کے حلقے میں کہاں اور کن لوگوں کے ذریعہ کاروبار

ہو رہا ہے۔“

”تمہیں یقین ہے....!“

”جی ہاں آپ کو بھی یقین ہی ہونا چاہئے۔ اس قسم کے کاروبار ہمارے ہی سائے میں پھولتے

پھلتے ہیں۔ یہ معاملہ خواہ مخواہ ہمیں ریفر کیا گیا ہے.... دیسے کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا

حمید کی کال ریسیور کی۔

”کہو.... تمہاری چچی اب کیسی ہیں۔“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

”چچی.... کالز کا....!“ حمید نے ہتھکے کی اور تھوڑے وقف کے ساتھ بولا۔

”آنکھیں ابھی تک ویسی ہی ہیں.... ویسے آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں کام سے غافل ہوں،

کام تو ایسے سرانجام دیئے ہیں میں نے کہ بڑے بڑوں کو پسینہ آجائے۔“

”خوب.... کیا یہ چچی تمہیں پٹرول پلا رہی ہیں۔“

”آپ مذاق سمجھتے ہیں۔ اچھا بتائیے.... اس گروہ نے شہر کو کتنے حلقوں میں بانٹ رکھا ہے۔“

”مجھے حلقوں کی پرواہ نہیں.... میں سرغنہ کی فکر میں ہوں۔“

”آپ کو فکر نہ ہو، مجھے تو ہے.... خیر.... اچھا! گروہ کا امتیازی نشان کیا ہے۔“

”تمہاری تصویر استعمال کر رہے ہیں وہ لوگ۔“

”کیا مطلب....!“

”وہی جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو۔“

”جنگلی سور....!“

”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اچھا تو میں نے، جو معلومات حاصل کی ہیں وہ سب فضول ہیں۔“

”میں یہ کب کہتا ہوں.... دیسے تم اپنی چچی کے متعلق زیادہ سے زیادہ گفتگو کرو۔“

”کیا مطلب....!“

”میرا خیال ہے کہ آج کل پھر تمہارے سر پر چھپکلی کا سایہ ہو گیا ہے۔ ہو شیار رہنا ہاں تو۔“

”تمہاری چچی۔“

”چچی کی ایسی ہی تہی آخر آپ کھل کر گفتگو کیوں نہیں کرتے۔“

”چچی کے ساتھ ایک ہفتہ گزار کر واپس آ جاؤ پھر میں بہت زیادہ کھل کر گفتگو کروں گا....“

ہاں آتے وقت انکے لڑکے کو سمندر ہی میں بھینکتے آتا.... ورنہ وہ تم دونوں کی زندگی تلخ کر دے گا۔“

”آہا سمجھا....“ حمید کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ ”آپ اب میری بھی نگرانی کرانے لگے ہیں۔“

”خود ہی تم نے اگل دی سچی بات.... نہیں میرے پاس اتنے فالتو آدمی نہیں ہیں کہ تم سے



ہوں کہ اس کی شکایت کس نے کی تھی۔“

”یہ کو فیڈ نفل ہے.... لیکن تم اسے عام شکایت بھی سمجھ سکتے ہو۔“

”تو کیا میں اس کے لئے کام کر تا رہوں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”قطعاً....!“ ڈی آئی جی نے کہا۔ ”اور مجھے حالات سے آگاہ کرتے رہو۔“

”اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں کیونکہ فی الحال خود ہماری ہی نگرانی کی جا رہی ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”جب سے یہ کیس ہمارے پاس آیا ہے۔ وہ لوگ بہت زیادہ محتاط ہو گئے ہیں اور کیوں نہ ہو جائیں جب کہ وہ ہمارے ہی سائے میں پلتے رہے ہیں۔ میرے کتے بھی میری ہی طرح بہرے سنجیدہ واقعہ ہوتے ہیں جناب۔“

”تم ہمیشہ سنسنی خیز خبریں سناتے ہو۔“

”کیا کروں جناب.... میرا مقدر ہی ایسا ہے۔“

”خیر اس کے لئے جلد ہی کچھ کرنا ہے۔“

”کوشش کر رہا ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ فریدی نے پھر فائل پر نظریں جمادیں۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف سے ریش بول رہا تھا۔

”لابر ایک ایجنسی ہے۔ ڈکسن والوں سے پہلے وہ جیمسن اینڈ بارٹلے میں کام کرتا تھا۔ اس کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے جناب! جیس اینڈ بارٹلے سے اس کا اخراج غبن کے سلسلہ میں ہوا تھا وہ اسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی تھی.... بس اتنا ہی ہوا تھا کہ اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا جس کی خواہش خود اسی نے کی تھی۔ ورنہ شاید وہ اس کے باوجود بھی وہیں کام کرتا رہتا۔“

”اور کوئی خاص بات۔“

”اور تو کچھ نہیں ہے۔“

”موجودہ فرم کے مالکان کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے اور اس کا اسٹاف اس کے بارے میں

کبھی رائے رکھتا ہے۔“

”اس کے بارے میں تو میں نے کچھ نہیں معلوم کیا۔“

”تہہری رپورٹ نامکمل ہے ریش....!“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”دوبارہ کوشش کرو۔“

سلسلہ منقطع کر کے اس نے امر سنگھ سے کہا۔ ”ڈرائی فون ڈائریکٹری میں جیمس اینڈ

بارٹلے کے نمبر تلاش کرو۔“

امر سنگھ ڈائریکٹری کے اوراق الٹنے لگا اور فریدی نے کو توالی کے نمبر ڈائیکل کئے۔ وہ کو توالی

انچارج انسپکٹر جگدیش سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”انسپکٹر جگدیش پلیز....!“

”ہولڈ آن کیجئے۔“

تقریباً ایک منٹ کے بعد اس نے جگدیش کی آواز سنی۔

”فریدی اسپیکنگ! ریش کیا تم پیٹر ڈکسن کے جنرل منیجر لا بر کو جانتے ہو۔“

”اے کوئی نہیں جانتا کرل صاحب۔ وہ تو ہمارے لئے مستقل در در بن کر رہ گیا ہے۔“

”کیوں....؟“

”آئی جی صاحب سے اس کے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اس لئے وہ کو توالی کو اپنی سرال سمجھتا

ہے۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ بس....!“

”مثلاً....!“

”ابھی دو تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک بیک اسے شہر بھر کے بد معاشوں کو پھانسنے کا خط ہو گیا تھا۔ وہ کو توالی میں پکڑ لائے جاتے تھے۔ دو تین دن ان کی مرمت ہوتی تھی اور پھر خود ہی انہیں چھڑوا بھی دیتا تھا۔“

”ان بد معاشوں میں سے ایک کا نام اور پتہ ضرور بتاؤ۔“

”ڈراڈو منٹ توقف فرمائیے۔“ جگدیش نے کہا اور دوسری طرف سے آواز آتی بند ہو گئی۔

فریدی ریسور کان سے لگائے بیٹھائیں ہاتھ سے فائل کے اوراق التماہ۔

تھوڑی دیر بعد جگدیش نے اسے دو چار نام نوٹ کرائے اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر امر سنگھ نے اسے جیسے اینڈ بارٹلے کے نمبر بتائے۔

لیکن فریدی نے اس کے نمبر ڈائل نہیں کئے۔ وہ اٹھ کر کوٹ پہن رہا تھا۔

”میری ساری کالیں احتیاط سے نوٹ کرنا۔“ اس نے کمرے سے نکلنے وقت امر سنگھ سے کہا تھوڑی دیر بعد اس کی کار پارکنگ سٹڈ سے نکل رہی تھی.... گیارہ بج چکے تھے اور گرمی بہت شدید تھی۔ مگر ایئر کنڈیشنڈ لکسن جنت کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ اس گاڑی کے متعلق حمید کا خیال تھا کہ یہ بیلولہ کے لئے بہترین ہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس کی کار بندرگاہ کے علاقہ میں داخل ہوئی۔ سنگ سنگ بار کی طرف بڑھتی رہی۔ سنگ سنگ بار ایک زمانے میں کسی غیر ملکی کی ملکیت تھا۔ لیکن چونکہ یہ علاقہ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے وہ اسے چلا نہیں سکا تھا۔ یہاں زیادہ تر بد معاش قسم کے لوگ آباد تھے۔ لہذا اسے ہر ماہ ہزاروں کی ادھار شراب دینی پڑتی تھی، لیکن پھر وہ چوتھائی رقم بھی نہیں وصول کر پاتا تھا۔ اس لئے کچھ دنوں بعد اس نے اسے ایک مقامی بد معاش کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور آج کل وہ اس کی ملکیت تھی.... فریدی اس سے اچھی طرح واقف تھا اور ہو سکتا ہے وہ بھی فریدی کو جانتا رہا ہو.... اس کا نام ڈنگی تھا۔

فریدی نے سنگ سنگ بار کے سامنے گاڑی روک دی اور اتر کر اندر آیا.... کاؤنٹر پر ڈنگی موجود تھا۔ مگر فریدی کو اس کے رویہ پر بڑی حیرت ہوئی۔ کوئی دوسرا موقعہ ہوتا تو فریدی کو دیکھ کر شاید ڈنگی کے ہاتھ سے وہ بوتل چھوٹ پڑتی جسے وہ کاؤنٹر سے اٹھا کر ریک میں رکھ رہا تھا.... مگر اس وقت ایسا نہیں ہوا.... اس وقت وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس سے اپنی بار میں قدم رکھنے کی وجہ بڑے سخت الفاظ میں پوچھے گا۔

”مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ فریدی نے کاؤنٹر پر پہنچ کر کہا۔

”مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے.... پھر کبھی آئیے گا۔“ ڈنگی کے لہجے میں بڑی لاپرواہی تھی۔

”لیکن مجھے صرف اسی وقت فرصت ہے۔“

”وہ زمانے لد گئے کر ٹل صاحب.... اگر آپ زبردستی کریں گے تو بات بڑھ جائے گی۔“

فریدی نے پلٹ کر دیکھا.... ہال خالی پڑا تھا.... اس چٹپلائی دھوپ میں کون پینے آتا۔ ڈنگی خود ہی سر و کر رہا تھا۔ بیرے بھی نہیں تھے۔

”اوہر آؤ....!“ فریدی نے تھکمانہ لہجے میں کہا۔

”آپ بچھتا نہیں گے۔“

فریدی نے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ منہ کے بل کاؤنٹر پر چلا آیا۔ پھر اس کی پشت پر پڑنے والا گھونہ ایسا ہی تھا کہ وہ ہلبلا کر رہ گیا۔

فریدی نے اسے کاؤنٹر سے کھینچ کر ایک گھونہ اس کی ٹھوڑی پر بھی رسید کر دیا اور وہ ایک ہماری نمبر کم جسم رکھنے کے باوجود بھی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

”اب اگر تم یہاں بھیڑی اٹھا کر انا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔“ فریدی کا لہجہ پر سکون تھا۔

”بچھتا پڑے گا.... بچھتا پڑے گا۔“ ڈنگی ہانپتا ہوا بولا۔

”سنو بیٹے! تم جس کیلئے کوکین کی ناجائز تجارت کر رہے ہو وہ کم از کم فریدی کو نہیں خرید سکتا۔“

”یہ غلط ہے.... میں کوکین کی تجارت نہیں کرتا۔“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

”دروازہ بند کر دو۔“ فریدی نے صدر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔“

”لیکن تمہیں یہیں دفن ضرور کر سکتا ہوں۔“

دفن کاؤنٹر پر رکھی ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈنگی نے آگے بڑھنا چاہا.... ”وہیں ٹھہرو....“

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خود کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

”آپ حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔“ ڈنگی دانت پیس کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں

فریدی کا رویا اور بھی نکل آیا جس کا رخ ڈنگی کی طرف تھا۔

پھر اس نے ریسپور اٹھالیا اور ایسی بھرائی ہوئی آواز میں ”ہیلو“ کہی جیسے شدید ترین کام کی وجہ سے گھاپڑ گیا ہو۔

”کون ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ڈنگی....!“

”تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔“

”میں بیمار ہوں جناب۔“

”خیر.... دیکھو.... کیا تمہارے پاس کچھ اشاک ہے؟“

”ہے تو جناب۔“

”اے فور اکی گٹر میں بہادو... ہو سکتا ہے کہ فریدی تمہارے بدن میں پہنچ کر تلاشی لے بیٹھے۔“

”میں اتنا گدھا نہیں ہوں جناب کہ بار میں کچھ رکھوں۔“

”ٹھیک ہے۔ اگر فریدی آبی جائے تو اس کی گیدڑ بھکیوں میں ہرگز نہ آتا۔“

”نہیں! آپ جو ہیں.... مجھے بالکل اطمینان ہے۔“

”دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور فریدی نے ریو اور جیب میں ڈال لیا۔“

”کیوں ڈنگی.... اسٹاک کہاں ہے۔“

”کیا اسٹاک!....!“

”کو کین کا!....!“

”آپ خواہ خواہ وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔“

”سنو جب تمہیں سڑے گلے آدمی کو توالی میں پٹا کر کو کین کی ناجائز تجارت پر مجبور کر سکے

ہیں تو پھر تم مجھے تو جانتے ہی ہو۔“

ڈنگی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

پھر فریدی نے اسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ لیکن اس کے انداز سے ایسا نہیں

معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس نے صدر دروازہ بند کیا اور پھر فریدی کی طرف پلٹ آیا۔

”بیٹھے....!“ اس نے مضطرب آواز میں کہا۔

”تم بیٹھ جاؤ۔ میں یونہی ٹھیک ہوں....!“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ کو توالی میں مجھے کس نے پٹوایا تھا۔“

”کیا تم نہیں جانتے؟“

”کاش جانتا ہوتا۔“

”لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ”اور یہ بھی

انتا ہوں کہ اگر تم اس کی شخصیت سے واقف ہو گئے تو اسے قتل کئے بغیر نہیں مانو گے۔“

ڈنگی کچھ نہ بولا۔ خاموش کھڑا اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا۔

”کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ اس نے تمہیں اس گندے بزنس پر کیسے آمادہ کیا تھا۔“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ صرف فون پر گفتگو کرتا ہے۔ آج سے دو ماہ پہلے اس نے

مجھے فون پر مخاطب کیا تھا۔ کہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو مجھے دو چار دن حوالات میں رکھوا کر میری اچھی

خاصی مرمت کروا سکتا ہے۔ میں نے اسے گندی گندی گالیاں سنائی تھیں اور پھر سچ سچ دوسرے

دن مجھے کو توالی میں پکڑا دیا گیا۔ تین چار دن حوالات میں بند رہا۔ برابر مار پڑتی رہی پھر چھوڑ دیا

میں۔ اسی شام کو پھر فون پر اس نامعلوم آدمی نے مجھے مخاطب کر کے کو کین کے کاروبار کی تجویز

پیش کی اور کہا اگر میں نے اس کے مشورے پر عمل نہ کیا تو اسی طرح آئے دن پٹتا رہوں گا۔ جس

کی نہ داؤ ہوگی اور نہ فریاد۔ میں نے چپ چاپ اس کی تجویز مان لی۔“

”تمہیں اسٹاک کیسے ملتا ہے۔“

”مہمانی کے میدان میں ایک جگہ ہے جہاں پیکٹ رکھے ہوئے ملتے ہیں اور وہیں میں پچھلے

اسٹاک کی قیمت اپنا کمیشن کاٹ کر رکھ دیتا ہوں۔“

”وہاں کوئی موجود نہیں ہوتا۔“

”جی نہیں!....!“

”کاروبار جاری رکھو! خبردار اس سے یہ نہ بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔“

”بہت بہتر جناب.... لیکن خدایا مجھے اس کا نام بتا دیجئے۔ خواہ مخواہ سالے نے مجھے جنجال

میں پھنسا دیا ہے۔ آپ صرف اس کا نام اور پتہ بتا دیجئے پھر میں آپ کو ایک تاریخ دے دوں گا۔

اکی تاریخ کو وہاں آکر اس کی لاش اٹھوا لیجئے گا اور میں بھی وہیں موجود رہوں گا۔ اگر بھاگ جاؤں

تو اپنے باپ کے نطفے سے نہیں۔“

”جلد بازی کی ضرورت نہیں!....!“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

”کیا میں اسٹاک آپ کے حوالے کر دوں۔“

”نہیں.... اے گٹر ہی میں بہادو.... دوسرا اسٹاک ہرگز نہ اٹھاتا.... اس سے یہی کہتے رہو

کہ فریدی کے آدمی میرے پیچھے ہیں۔“

”بہت بہتر جناب۔“

## تفتیش و تفریح

ماڈل ٹاؤن کی کھنی آبادی سے دور ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کا نام شاٹو تھا۔ یہ عمارت ہی پڑی رہا کرتی تھی۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی کبھی اس کی کھڑکیاں اندھیری راتوں میں روشن نظر آیا کرتی تھیں۔

یہ وہی مواقع ہوتے تھے جب کرئل فریدی کو کسی پیچیدہ کیس کے سلسلہ میں میکا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اس کی ایک کنجی کیپٹن حمید کے پرس میں بھی ہمیشہ پڑی رہتی تھی۔

ماڈل ٹاؤن شہری بستی سے الگ تھلگ آباد تھا اور یہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آباد اس لئے کسی کو پرواہ بھی نہیں ہوتی تھی کہ شاٹو میں کون آیا اور کون گیا۔ ہو سکتا ہے پڑوسی سمجھتے رہے ہوں کہ وہ کسی عیاش طبع رئیس کی آرام گاہ رہی ہو، جہاں وہ دو چار دن گزارنے کے لئے کبھی کبھی آجاتا ہو۔

حمید راحیلہ کو شاٹو میں لایا۔ وہ برقعے میں تھی۔ اور کار کے پچھلے حصے پر ایک بہت بڑا سے لکھا ہوا پوسٹر چپکا ہوا تھا۔ جس پر تحریر تھا۔

آپ کے ووٹ کے مستحق!

الحاج شیخ نتھو مدظلہ العالی!

جنہوں نے چالیس سال برآمدگی کے درخت سے الٹے لٹک کر عبادت کی ہے۔

ان دنوں میونسپل الیکشن کے سلسلہ میں کنونینک کا بڑا زور تھا۔ پولنگ ہونے میں آدھ ہفتہ باقی تھا۔ اس لئے حمید نے سوچا کہ اس قسم کا کوئی پوسٹر یقینی طور پر چلے گا۔

پوسٹر چپکانے کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ گاڑی کے پچھلے حصے میں گولیوں نے کردیئے تھے۔ لہذا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ کرنے کا موقع مل سکے۔ فی الحال

سوراخوں کو چھپانے کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ وہاں ایک بڑا سا پوسٹر چپکا دیتا۔ پوسٹر دیکھ کر بہت ہنسی تھی اور کہا تھا ”واقعی تم بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

شاٹو میں پہنچ کر راحیلہ بے حد مطمئن نظر آنے لگی تھی۔

”یہ مکان تمہارا ہی ہے۔“ اس نے حمید سے پوچھا۔

”یاد نہیں! اتنے مکان ہیں اس شہر میں کہ بعض اوقات ایک کی کنجی دوسرے کے قفل میں لگانے کی کوشش میں بڑا وقت برباد ہو جاتا ہے۔“

”تو تمہارا کاروبار شاندار چل رہا ہے۔۔۔ مگر کیا یہ زندگی تمہیں سچی خوشی دے سکتی ہے۔“

”مگر نہیں دے سکتی، تب بھی میرا کیا بگڑا ہے۔“

”یہاں تمہیں کبھی سچی خوشی کی خواہش نہیں ہوتی۔“

”میں سچی اور جھوٹی خوشی میں امتیاز نہیں کر سکتا اس لئے یہ بات یہیں ختم کرو۔“

”تمہارا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔“

”میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کیا تم اس

لئے میرے ساتھ آئی ہو کہ مجھے فرشتہ بنانے کی کوشش کرو۔“

”میں کوشش کروں گی۔“ راحیلہ مسکرائی۔

حمید چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ شرافت اور انسانیت پر میں بھی گھنٹوں دوسروں کو بور

کر سکتا ہوں کیونکہ آرام کرسی پر لیٹ کر بکواس کرنے میں ذرہ برابر بھی محنت نہیں صرف

ہوتی۔۔۔ مگر میں اسے بہتر سمجھتا ہوں کہ شرافت اور انسانیت پر لکچر دینے کی بجائے کسی کا گنا

گونٹ کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی بکواس سے نجات دلا دوں۔۔۔ یہ واقعی ایک اچھا اور ثواب

کا کام ہو گا۔۔۔!

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ ختم کرو۔۔۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔۔۔!“ راحیلہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”فی الحال تو میں صبر کرنے کا مشورہ دوں گا کیونکہ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں اس کے

بعد۔۔۔ پھر تم خود کو نہ پہچان سکو گی۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“

”میک اپ۔۔۔ یہی ایک صورت رہ جاتی ہے! اور نہ تمہیں برقعہ ہی میں بسر کرنی پڑے گی۔“

”تمہیں میک اپ کرنا آتا ہے۔“ راحیلہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

”یقیناً۔۔۔ میں خود کو اس کا ماہر سمجھتا ہوں۔“

”تم کتنی چیزوں کے ماہر ہو۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آئندہ کے لئے پروگرام پر غور کر رہا تھا۔



”آخر کس بناء پر.....!“

”آخری آدمی اس طرح کھل کر سامنے نہیں آسکتا۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
”جیت ہی معمولی سی تفتیش لا بر کی گردن پھنسانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر میں نے جلدیش سے معلوم کیا کہ کچھ دنوں پہلے لا بر نے شہر کے بعض بد معاشوں کی مرمت کرائی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک کو جالیا حالانکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ لا بر نے اسے پٹوایا تھا لیکن جب اس نے اپنی روداد دہرائی تو میں بہ آسانی اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ لا بر ہی اس غیر قانونی تجارت کی پشت پر ہو سکتا ہے۔“

”ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ”ٹھیک کہتے ہو۔“

”اب مجھے لا بر سے بھی اس مسئلے پر گفتگو کرنی پڑے گی۔“ فریدی نے کہا۔

”اس سے کیا فائدہ ہو گا؟ میرا خیال ہے کہ تم اسے اس کے حال ہی پر چھوڑ دو۔ اگر تم یلکھت لا بر تک جانچنے تو تمہیں اصل ملزم تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔“

”یہ بھی درست ہی ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ لا بر پہلے جیسے اینڈ بارٹلے میں کام کرتا تھا۔“ ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ وہاں سے غبن کے سلسلہ میں الگ کر دیا گیا تھا۔ رقم بھی شاید لمبی تھی لیکن فرم نے اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔“

”یہ بھی میرے لئے ایک اہم سوال ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”میرا خیال تو یہی ہے کہ تم اپنی تفتیش کا آغاز جیسے اینڈ بارٹلے کی فرم ہی سے کرو۔“

”جی ہاں..... یہ بھی میرے پروگرام میں شامل ہے۔“



تقریباً تین بجے فریدی جیسے اینڈ بارٹلے کے دفتر پہنچا..... جنرل منجر نے متحیرانہ انداز میں اس کا استقبال کیا۔ کسی بھی تجارتی ادارے میں کرنل فریدی کی آمد ایسی نہیں ہوتی تھی جسے نظر انداز کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ اس دور کی کہانی ہے جب بلیک مارکیٹنگ اور غیر ملکی زرمبادلہ کی اسمگلنگ بہت زوروں پر ہو رہی تھی۔

”فرمائیے..... جناب..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“ جنرل منجر نے مضطربانہ

فریدی اپنے محکمہ کے ڈی۔ آئی۔ جی کو آج کی رپورٹ دے رہا تھا اور ڈی آئی جی ایسے انداز میں بیٹھا نہ رہا تھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ فریدی سمجھا وہ پیش آنے والے واقعات پر متحیر ہے، لیکن جب وہ خاموش ہوا تو ڈی۔ آئی۔ جی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”مجھ حیرت ہے کہ آخر تم رپورٹ کیوں دے رہے ہو۔ آج یہ تم سے ایسی غلطی کیوں سرزد ہو رہی ہے۔“

”مجبوری ہے جناب! جب مجرموں کو میرے ہر اقدام کی اطلاع ہو جاتی ہے تو پھر میں اپنے آفیسروں ہی کو کیوں ناخوش کروں۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ میں جلدیش سے لا بر کے متعلق تھوڑی سی پوچھ گچھ کی تھی۔ اس کا بھی علم انہیں ہو گیا۔“

”مجھے حیرت ہے کہ لا بر آئی۔ جی۔ پی کا دوست ہے۔“

”حیرت کی کیا بات ہے جناب! میں اس کے بارے میں چھان بین کر چکا ہوں۔ آئی۔ جی صاحب کو شاید علم ہی نہ ہو کہ لا بر ان کی دوستی کی آڑ میں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ یہ سب کچھ تو دراصل چھوٹے آفیسروں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ لا بر آئی۔ جی کے گہرے دہنوں میں سے ہے۔ اس لئے وہ اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹالتے..... اور دوسری طرف لا بر ان کے لئے بہت کچھ کرتا رہتا ہے۔ کسی کو چھٹی کی ضرورت ہے لا بر اس کی سفارش کر رہا ہے۔ کسی کی ترقی رکی ہوئی ہے، لا بر کو شش کر رہا ہے کہ اس کی ترقی ہو جائے۔ کوئی تباہی کا خدشہ مند ہے اور لا بر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ اس کا تباہ ہو جائے۔ خود ڈی۔ آئی۔ جی کی سٹی اس کا مرہون منت ہے۔ کیونکہ لا بر ہی کی سفارش کی بناء پر اسے ڈی۔ آئی۔ جی کی سٹی بنایا گیا تھا۔ اب اگر وہ اس سے کہتا کہ شہر کے فلاں فلاں بد معاشوں کو بلا کر پٹوادو تو بھلا اسے کیونکر انکار ہو سکتا ہے..... لیکن ڈی۔ آئی۔ جی کی سٹی اصل مقصد سے ناواقف ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ لا بر انہیں کیوں پٹو رہا ہے۔“

”کمال ہے.....!“ ڈی۔ آئی۔ جی گردن ہلا کر رہ گیا۔

”اس تنظیم کی پشت پر کوئی ماسٹر مائنڈ ہے۔“

”تو تمہارا خیال ہے کہ لا بر ہی آخری آدمی نہیں ہے۔“

”جی ہاں..... میں یہی سوچ رہا ہوں۔“

انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”لا بئر.... آپ کی فرم سے کب اور کن حالات میں علیحدہ ہوا تھا۔“

”اوہ....!“ جنرل فیجر نے ایک طویل سانس لی اور اس کے چہرے پر اطمینان کی لہریں اٹھیں۔ ”لا بئر....“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ایک لمبی رقم اور کچھ زیورات کے غنیمت سلسلے میں علیحدہ ہو گیا تھا۔“

اور پھر وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”لا بئر کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی گئی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی نہیں.... بات دراصل یہ ہے صاحب کہ اس فرم کی بدنامی کا اندیشہ تھا، ہماری جائیداد اور زیورات رہن رکھ کر قرض بھی دیتی ہے۔ ہمارے اس بزنس پر بُرا اثر پڑنے کا اندبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاتی تو اس واقعہ کی شہرت ہونی لازمی ہے ہمارے یہاں رہن کے زیورات اور جواہرات زیادہ آتے ہیں۔ آپ خود خیال فرمائیے کہ بزنس کتنا بُرا اثر پڑتا۔“

”اس نے کچھ واپس بھی کیا تھا یا نہیں۔“

”نہیں جناب! وہ تو اخیر تک لاعلمی ظاہر کرتا رہا تھا۔“

”مگر یہ غنیمت کس نوعیت کا تھا اور کیسے ہوا تھا۔“

”لا بئر اسی سکشن کا انچارج تھا جس کے ذمہ رہن اور قرض کا کاروبار ہے۔ اکثر قرض نقدی کی شکل میں بھی ادائیگی کرتے ہیں، یعنی چیک نہیں دیتے وہ روپیہ لا بئر ہی کی تحویل میں رہتا تھا اور زیورات بھی وہی اسٹرونگ روم میں پہنچاتا تھا۔ جو رہن کے لئے آتے تھے۔ اس دن کچھ زیورات بھی آئے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ رقم اور زیورات کو سیف میں بند کر کے لُچ کے اٹھ گیا تھا جب لُچ کر کے واپس آیا تو سیف کھلا ہوا ملا۔ زیورات اور نقدی غائب تھی۔“

”تب پھر آپ کو چوری کی رپورٹ درج کرانی چاہئے تھی۔“

”ذرا سوچئے تو جناب! کیا اس کا اور زیادہ بُرا اثر ہمارے بزنس پر نہ پڑتا۔ یہ ہماری فرم میں نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ کسی ایسی فرم سے معاملات کرنے پر کون تیار ہو گا جس کی سیف کے ٹوٹ جاتے ہوں.... جہاں چیزیں غیر محفوظ ہوں۔“

”لیکن.... آپ نے اسے کس طرح بہلایا جس کے زیورات تھے۔“

”میرے خدا....!“ فیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”فرم کو ایک بہت بڑے خسارے کا

سامنا کرنا پڑا تھا جناب.... ہم عموماً زیورات کی قیمت کا اندازہ کر کے اس کی نصف رقم بطور قرض دیتے ہیں اور جب وہ رقم مع سود ادا کر دی جاتی ہے تو زیورات واپس کر دیئے جاتے ہیں اور رہن وہی لوگ رکھتے ہیں، جو زیورات کو فروخت نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اگر کسی چیز کی دوگنی قیمت آپ لگا دیں تو میں اسے حماقت ہی سمجھوں گا اگر وہ چیز آپ کے ہاتھ فروخت نہ کر دوں....!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”زیورات کی قیمت سے دوگنی رقم دے کر رہن رکھنے والے کو خاموش کر دیا گیا تھا۔ کسی جوت کو نبھانے کے لئے مزید جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اس کا اندازہ اسی وقت ہوا تھا.... ظاہر ہے کہ اگر اسے اس غنیمت یا چوری کا حال معلوم ہو جاتا تو وہ دس گنی قیمت لینے پر بھی تیار نہ ہوتا۔“

”پھر آپ نے اس سے کیا کہا تھا۔“ فریدی نے دلچسپی ظاہر کی۔

”آف فوہ! کیا عرض کروں جناب۔“ وہ جھپٹتے ہوئے انداز میں بولا۔ ”آج بھی سوچ کر شرم آتا ہے۔ میں اس شریف آدمی کے سامنے گڑگڑایا کہ اس کے زیورات میری محبوبہ کو پسند آگئے ہیں اور میں انہیں دوگنی قیمت پر بھی خرید سکتا ہوں۔ وہ تیار ہو گیا تھا.... مگر.... میرا خیال ہے کہ لا بئر نے اب پیٹر ڈکسن والوں سے بھی کوئی فراڈ کیا ہے۔“

فریدی نے اس کے اس خیال کی تائید یا تردید نہیں کی۔ اس نے کہا۔ ”کیا لا بئر اپنے ماتحتوں کے لئے سخت گیر آدمی تھا۔“

”یقیناً تھا جناب! آئے دن اس سلسلہ میں اس کی شکایات آتی رہتی تھیں۔“

”اچھا شکریہ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا اور جنرل فیجر کو متحیر ہی چھوڑ گیا۔



”زیو! تم مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔“ راحیلہ نے حمید سے کہا۔

”کیوں؟“ حمید غصیلے انداز میں اس کی طرف مڑا۔

”مجھے خوف ہے۔“

”مجھے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میں ویسے ہی آج کل خود کو بالکل

چند محسوس کر رہا ہوں۔ جن لڑکیوں کو خوف محسوس ہوتا ہے وہ پرس میں پستول نہیں پھرتیں اور پھر ایسا پستول جس کا لائنسن نہ ہو۔

”تم مجھے تنہا چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو....!“

”نوکر کی کرنے جان من....!“ حمید جلے کئے لہجے میں بولا۔ ”پردیس سے کما کر بھیج نہیں تو تم کھاؤ گی کیا۔“

”بے تکلیب کو اس مت کرو! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اچھا چلو! لیکن ٹھہرو.... پہلے تمہارے چکر کی مرمت کرنی پڑے گی۔“

حمید اسے میک اپ کے بغیر باہر نہیں نکالنا چاہتا تھا۔ میک اپ ہو جانے کے بعد اس آئینہ میں اپنی شکل دیکھی اور خوشی کے مارے چیخ پڑی۔

”ارے اب تو میں ہی خود کو نہیں پہچان سکتی۔ زیو ڈیزر.... واقعی تم بڑے شاندار آدمی ہو۔“

”صرف زیو ڈیزر نہیں۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ”مجھے صرف وہی لڑکی ڈیزر کہہ ہے جسے کبھی چھینکیں نہ آتی ہوں۔“

”کیا مطلب....!“

”تم چھینکوں کا مطلب نہیں سمجھتیں! یہ بہت اچھا ہوا کہ تمہیں پچھلی رات سے اب چھینک نہیں آئی۔ ورنہ میں تمہیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکتا۔“

”تم سکی اور جھکی ہو....“ راحیلہ جھلائی۔

”تم مجھے فاتر العقل اور دیوانہ بھی کہہ سکتی ہو۔ میں بُرا نہ مانوں گا۔ لیکن میرے ساتھ چھینک کر دیکھو، میں تمہاری شکل تک دیکھتا گوارا نہ کروں گا۔ مجھے شوق سے گالیاں دوا میں کال کر سنوں گا.... لیکن اگر تم کبھی چھینکیں میرے سامنے....!“

”بیکار کان نہ کھاؤ.... میں یونہی بہت پریشان ہوں۔“

”یہ بہت ہی سنجیدہ مسئلہ ہے.... میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ اگر میں چھوڑ کر بھاگ جاؤں تو پھر یہ نہ کہنا کہ میں نے تمہیں دھوکہ دیا.... کسی لڑکی کی چھینک بہت بڑی کمزوری اور پیدا کنشی بد نصیبی ہے اسی نے مجھے اس خطرناک راستے پر ڈالا ہے۔“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

حمید اس کے جملے پر دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ ”جب میں نے یہ اندازہ کر لیا کہ دنیا کی ہر لڑکی چھینکتی ضرور ہوگی تو مایوسی نے میرے ذہن پر قبضہ جمالیا۔ اب میں کبھی شادی نہ کر سکوں گا۔ جب شادی نہیں کرنی تو کلر کی کرنے سے کیا فائدہ.... بس پھر میں ڈاکو بن گیا۔ ذرا سوچو تو فطرت کتنی ستم ظریف ہے۔ چھینک سے ڈاکہ زنی تک.... بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ کہیں بالکل نہ ہو جاؤں۔ ریوالور ہر وقت جیب میں رکھتا ہوں، مگر وہ خالی ہی رہتا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں راہ چلتے کسی لڑکی کو چھینکتے دیکھ کر اس پر فائر نہ کر دوں۔“

”کیا تم خود نہیں چھینکتے؟“

”افسوس کہ میں بھی اکثر یہی سوچتا ہوں! مگر لڑکیوں کی چھینکیں گراں گذرتی ہیں۔ میں چھینکتا ہوں لیکن.... تمہاری چھینکیں مجھے زہر لگیں گی.... ارے.... اتنی خوبصورت اور چاندی لڑکی آق چھیں کر رہی ہے....!“

حمید دیوانوں کی طرح اپنا سر سینے لگا اور راحیلہ بچ بچ بکھلا گئی۔ جب حمید کے ہاتھ رکے تو اس نے کہا۔ ”چھینکیں تو بہر حال آتی ہیں.... پھر کیا کروں۔“

”اس طرح چھینکو کہ آق چھیں کے بجائے کسی دوسری قسم کی آواز نکلے.... مثلاً آخان.... اچھا.... آہنک.... وغیرہ وغیرہ۔“

”کیا تم واقعی سنجیدہ ہو۔“ راحیلہ کا لہجہ حیرت انگیز تھا۔

”میرے پاس مغز خالی کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ تم چھینک کر بھی تو دیکھو یا میں یہاں نہ ہوں گا یا تم یہاں نہ ہو گی۔“

”اچھا ہم ابھی کچھ دیر بعد چلیں گے۔“ راحیلہ نے کہا اور ایک کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد اسی کمرے سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ حمید نے قفل کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ راحیلہ ناک میں جتی کر کے چھینک رہی تھی۔ لیکن کوشش ال بات کی تھی کہ آق چھیں کی بجائے دوسری قسم کی آوازیں نکلیں۔

حمید منہ اور پیٹ دبائے ہوئے دوسرے کمرے میں جا گھسا.... اب وہ فرش پر بُری طرح لوٹ رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ اس کے قہقہے بند ہونے پائیں۔

## تین نقاب پوش

رات تاریک تھی! فریدی نے لنکن کی رفتار کم کر دی۔ وہ شہر کے ایک منجھان آبادی دولت آباد میں سفر کر رہا تھا۔ حمید نے پچھلی نشست سے کہا۔ ”کیا آپ اونگھ رہے ہیں۔“

”نہیں تو....!“

”میرا خیال ہے کہ اونٹ کچھ آہستہ چل رہا ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار اسی رفتار سے چلتی رہی.... اس نے حمید کو ایک کینے سے پکڑا اور اتفاقاً ہی اس پر نظر پڑ گئی تھی.... ہوا یہ کہ حمید راحیلہ کو ساتھ لے کر شاٹو سے باہر نکلا اور ایک نیکی کر کے شہر کے لئے روانہ ہو گیا.... دس بجے تک حمید آر لکچو میں اسے رہا سکھاتا رہا اور راحیلہ دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی کہ اسے جھینک نہ آجائے کیونکہ اپنے خیال کے مطابق وہ حمید سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی.... اور کچھ دن اس کے ساتھ گزارنے کی خواہش بھی رکھتی تھی۔

دس بجے کے قریب حمید کو اچانک تلے ہوئے جھینگے یاد آئے تھے اور اس نے سوچا تھا کہ جھینگے تو فرائی فٹ ریسٹوران ہی میں ملیں گے۔ لہذا وہ آر لکچو سے نکل کر فرائی فٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید اپنی گاڑی شاٹو ہی میں چھوڑ آیا تھا کیونکہ وہ اب اسے اس پوسٹر سمیت باہر نہیں لانا چاہتا تھا۔

فریدی نے اسے اس شام کو گھر پر طلب کیا تھا۔ لیکن وہ گھر جانے کی بجائے راحیلہ کے ساتھ تفریح کرتا رہا.... فرائی فٹ میں وہ کھڑکی کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

راحیلہ نے جھینگے نہیں کھائے۔ اس نے کہا کہ اس کی قیام گاہ فرائی فٹ سے نزدیک ہی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے وہاں جانا چاہتی ہے اور پھر وہیں واپس آجائے گی، چونکہ وہ میک اپ میں اس لئے حمید نے اسے ایسا کرنے سے نہیں روکا۔

وہ اس کی واپسی کا منتظر ہی تھا کہ اچانک کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا اور فریدی کی شعلہ بار آنکھوں کے سامنے اس کے حواس جھلس کر رہ گئے وہ نزد ہوا گیا تھا۔

”اٹھو....!“ فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا تھا اور حمید کو آدمی پلیٹ جھینگے میز ہی پر چھوڑ کر اٹھ جانا پڑا تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر جا کر جھینگوں کی قیمت ادا کی تھی اور چپ چاپ ریسٹوران سے باہر نکل آیا تھا.... سچ وہ بُری طرح بوکھلا گیا تھا اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اچانک اس طرح آئے گا! اس بوکھلاہٹ میں اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اسے یہیں ٹھہر کر راحیلہ کا انتظار کرنا تھا۔

فریدی نے اسے پچھلی سیٹ پر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا اور لنکن چل پڑی۔ پھر کچھ دیر بعد اسے راحیلہ یاد آئی.... وہ اور شدت سے بوری ہونے لگا۔ مگر خاموش ہی رہا۔ دولت آباد میں جب کار کی رفتار کم ہو گئی تو اس نے موقع مناسب دیکھ کر کچھ کہنا چاہا تھا پھر جب فریدی کے رویہ سے غصہ کا اظہار نہ ہوا تو اس کی زبان چل ہی پڑی۔

”آپ نے اس وقت میری ساری اسکیموں پر پانی پھیر دیا۔ میں کچھ سمجھ ہی کر چار بجے گھر نہیں پہنچا تھا۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کا کہنا ماننے سے گریز کرتا ہوں۔“

”نہیں تم تو بڑے سعادت مند فرزند دلہند ہو۔“ فریدی نے کہا۔ لیکن حمید لہجے سے اندازہ نہ کر سکا کہ وہ استہزائیہ تھا یا اس میں تلخی تھی۔

”آپ تو سمجھتے نہیں ہیں۔“ اس نے اندھیرے ہی میں تیر پھینکا۔ ”ایک ایسی لڑکی ہاتھ لگی ہے جو ان سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ لیکن پولیس سے رابطہ نہیں قائم کر سکتی۔ کیونکہ اس کا اثر اٹنا ہی ہوگا۔ یعنی وہ خود کسی مصیبت میں پڑ جائے گی اس کا بیان ہے کہ وہ لوگ پولیس کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان کے ہیڈ کوارٹر سے پولیس کی خاطر خواہ خدمت کی جاتی ہے۔“

”کیا وہ تمہیں ان لوگوں کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچا سکے گی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی تو اصل دشواری ہے کہ وہ ہیڈ کوارٹر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”پھر تم اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔“

”وہ ان مقامات سے واقف ہے جہاں سے کوکین تقسیم ہوتی ہے۔“

”ان مقامات سے تو میں بھی واقف ہوں.... پھر....؟“

”پھر یہ کہ مجھے سر کے بل کھڑے ہو کر گانا چاہئے....“

”بالم آن بسور مورے من میں“

حمید جھلا گیا.... تو گویا اس کی اتنی محنت برباد ہی ہوئی تھی۔



سے خدشہ تھا۔ لہذا اس خدشے کو دور کرنے کے لئے انہوں نے خود ہی ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور پھر ویسی ہی حرکتیں شروع کر دی تھیں جیسے کوئی کمزور پہلوان کسی طاقتور پہلوان کو زور کرنے کی دعوت دے کر اپنی قوت بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔“

”اوہ.... تو یہ لڑکی....!“

”ممکن ہے.... میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ان لوگوں کے پاس ایسے ہی ذرائع ہیں جن کی بناء پر وہ میری اسکیموں سے قبل از وقت واقف ہو جاتے ہیں۔ میں ابھی تک ان کے خلاف جو کچھ بھی کر رہا ہوں انہیں اس کی اطلاع ہوتی رہی ہے، حتیٰ کہ وہ گفتگو طشت از بام ہو جاتی ہے، جو میں اپنے آفیسروں سے کرتا ہوں۔ تم اس سے کس نتیجے پر پہنچو گے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ ”کیا وہ یہ نہیں چاہتا کہ میں اس کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہو جاؤں۔ خود کو بے بس محسوس کرنے لگوں۔ اس نے ایک خالص نفسیاتی طریقہ اختیار کیا ہے۔“

”ممکن ہے آپ کا اندازہ درست ہو....!“ حمید نے کہا۔

”وہ سارے لوگ جن کے ذریعہ بزنس ہو رہا ہے میری نظروں میں آگئے ہیں، اگر میں انہیں گرفتار کر لوں تو یہ اس کی سب سے بڑی فتح ہوگی اور وہ دوسرا گروہ تیار کر کے بزنس جاری رکھے گا.... فی الحال جو شخص بزنس کو کنٹرول کر رہا ہے اسے بھی میں جانتا ہوں۔“

فریدی نے اسے لائبر کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ”وہ بھی محض آلہ کار ہے اگر نہ ہوتا تو اتنی آسانی سے میری نظروں میں نہ آ جاتا۔“

”پھر آپ اس وقت کیا کرتے پھر رہے ہیں۔“

”اپنی بے بسی کا اظہار۔“

حمید کو فریدی کا یہ جملہ بہت گراں گذر لیا لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ وہ راحیلہ کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔ کیا اس کے معاملہ میں اس نے دھوکا کھایا تھا۔ کیا وہ اسی لئے اس گروہ کی کہانی لے کر اس کے پاس آئی تھی کہ اس کی ہمدردیاں حاصل کر سکے اور پھر.... مگر وہ تو اسے جنگل میں ملی تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اسے پہلے ہی سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی کار جنگل میں کسی مقام پر ناکارہ ہو کر رہ جائے گی اور اسے وہاں رکنا پڑے گا.... یہ خیال مضحکہ خیز تھا۔ البتہ ہو سکتا تھا کہ وہ پہلے

”لڑکی کہاں ہے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اب تو شاید جنم ہی میں ہوگی۔ میں فرائی فٹ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ اس طرح گھسیٹ لائے.... اگر ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ختم ہی کر دیں گے۔“

”کیوں....؟“

اب حمید کو راحیلہ کی کہانی شروع سے دہرائی پڑی۔ فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ لیکن کار و رفتار اب پھر تیز ہو گئی تھی۔ دفعتاً حمید کو احساس ہوا کہ کار تو یونہی بے مقصد شہر کی سڑکوں پر ہلکاتی پھر رہی ہے، لیکن اس نے اپنی داستان جاری رکھی۔

پھر کہانی ختم ہو گئی۔ لیکن فریدی نے اس پر رائے زنی نہیں کی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے جیسے اسے چڑیا چڑے کی کہانی سنائی گئی ہو۔

”کیا آپ کو یقین نہیں آیا۔“ حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”تم نے یہ کیسے سمجھ لیا۔“

”آپ کی خاموشی....!“

”اف فوہ.... تو کیا اب میں تمہیں جوتے سے پینٹا شروع کر دوں.... میں عموماً تمہاری غلطیوں پر خاموش ہی رہ جاتا ہوں۔“

”میں نے کون سی غلطی کی ہے۔“

”تمہیں اسے شاٹو میں نہ لے جانا چاہئے تھا۔ وہ عمارت بہت ہی خاص مواقع کے لئے ویسے تمہاری اس کہانی میں صرف ایک ہی کام کی بات نظر آ رہی ہے۔“

”چلئے کچھ ہوا تو....“ حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”کیا میں اسے معلوم کر سکوں گا۔“

”یہی کہ یہ کیس ہمارے محکمہ تک کسی ایسے ہی بڑے آدمی کے ذریعہ پہنچا ہو گا جسے دو ایک دن کو کین نہ ملی ہوگی اور اس کا نشہ اکڑا رہا ہوگا.... یہ کام اس لڑکی نے کیا تھا اگر تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کر رہی....!“

”دھوکہ.... یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔“

”میں تمہیں سمجھا سکتا ہوں.... اس سے پہلے بھی اکثر بعض جرائم پیشہ لوگوں نے ہمیں دھوکہ دے دیا ہے۔ حالانکہ ہم ان کے وجود سے بھی بے خبر تھے! لیکن خود انہیں ہماری طرف

”اوہ..... میں بیمار ہوں..... بہت شدید زکام ہوا ہے۔“

”ہیام تم نے مجھے نہیں پہچانا ڈیر.....!“ حمید نے کہا۔ ”میں سلویا ہوں۔“

”اوہ..... سلویا..... تم..... کیوں کیا بات ہے۔“

”میں آری ہوں..... ڈار لنگ..... تم بیمار ہو تو تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں دی تھی۔“

”کوئی بات نہیں ہے..... میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔“

”نہیں میں آری ہوں.....“ حمید نے کہا۔ ”میں تمہاری دیکھ بھال کروں گی۔“

”نہیں تم مت آنا..... موقع نہیں ہے۔“

”آہا..... میں سمجھی کوئی اور ہوگی۔“ حمید نے جلع کئے لہجے میں کہا۔ ”اچھا تو تم جہنم میں جاؤ۔“

اور پھر وہ سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر آ گیا۔

اس نے فریدی سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن فریدی کا جواب غیر متوقع تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ

اس کی بات ختم ہوتے ہی فریدی گاڑی کا رخ مائل ٹاؤن کی طرف پھیر دے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

”کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو.....!“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اور آپ.....!“

”میرے پاس برباد کرنے کیلئے بالکل وقت نہیں ہوا کرتا۔“ فریدی کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

”گویا آپ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے“

”نہیں..... مجھے صرف ہیڈ کوارٹر کی قدر ہے..... اگر اس کا پتہ نہ چلا تو یہ بزنس حشر تک

باری رہے گا۔ گروہ ٹوٹتے اور بنتے رہیں گے..... آج رات میں پھر مختلف اڈوں پر چھان بین

کروں گا اور وہ نامعلوم آدمی میری اس بھاگ دوڑ پر بے حد مسرور ہوگا۔ میری بے بسی پر قہقہے

لگائے گا..... میں تمہیں کہاں اتاروں۔“

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ڈیش بورڈ کے بائیں گوشے سے آواز آئی۔ ”ہیلو..... ہارڈ

اسٹون سر..... ہیلو ہیلو.....!“

آواز کسی غیر ملکی کی معلوم ہوتی تھی..... فریدی نے کہا۔ ”یس..... ہارڈ اسٹون.....

اور.....!“

”اے..... اپنے فلیٹ میں نہیں ہے۔ لیکن اسے باہر جاتے بھی نہیں دیکھا گیا..... اور۔“

ہی سے اس کی تاک میں رہی ہو اور تار جام جاتے وقت اس کا تعاقب کیا گیا ہو۔ پھر جب کار

توان لوگوں نے اپنی اسکیم بدل کر وہیں کھیل شروع کر دیا۔

”تو کیا اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیا تمہاری دانست میں وہ شاؤ واپس چلی گئی ہوگی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”وہاں مجھے نہ پا کر یقیناً واپس گئی ہوگی! شاؤ کی کنجی اسی کے پرس میں تھی۔“

”کنجی بھی اسے دے دی۔“ فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اگر اس کی ٹھوڑی پر تل ہو تا تو جان تک دے دیتا۔“ حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”مت بکو.....!“

”ٹھہریے! میں کسی ٹیلی فون بوتھ سے معلوم کروں گا کہ وہ وہاں پہنچی یا پھر

چلے! آپ بھی ایک نظر دیکھ لیجئے گا۔“

”لیکن اگر مجھے اس کی ٹھوڑی پر تل نظر آ گیا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔“

”اس کے چھینکنے کا انداز بڑے غضب کا ہے۔ یہ تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسے جھپک

ہے۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے کسی کلکھنے کتے نے ”بف“ کی ہو۔“

”تم اپنی ساری زندگی انہیں لغویات میں بسر کر دو گے۔“

”ستارے..... کر تل صاحب۔ میں مجبور ہوں۔“

فریدی نے کار ایک جگہ روک دی۔

”کیوں.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”بائیں جانب ٹیلی فون بوتھ ہے۔“ فریدی نے بیزار سے کہا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ فر

دلی بڑی حیرت انگیز معلوم ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ گاڑی سے اتر کر بوتھ میں آیا اور انشروٹ

میں سکھ ڈال کر شاؤ کے نمبر رنگ کئے..... آٹھ یا دس سیکنڈ بعد دوسری طرف سے ریسور اٹھایا

”ہیلو.....!“ کسی مرد کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی اور حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل

لیکن فوراً ہی سنبھل کر کسی لڑکی کی سی نہایت سریلی آواز میں بولا۔ ”میاڈاکٹر زینو تشریف رکھتے ہیں۔“

”میں زینو بول رہا ہوں۔“

”مگر تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”فکر مت کرو.... فلیٹ کی نگرانی جاری رہے گی.... اور....!“  
 ”اور اینڈ آل....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور پھر سننا چھا گیا۔  
 ”بلیک فورس....!“ حمید آہستہ سے بولا۔

”قطعی....!“ فریدی نے کہا اور پھر اپنا وہی سوال دہرایا کہ حمید کو کہاں اتار دیا جائے۔  
 نے جھلا کر کہا۔

”تو پھر آپ نے مجھے اس طرح کھینٹا کیوں تھا۔“  
 ”صرف اپنا طریق کار تم پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ تم کہیں کوئی ٹھوکر نہ کھاؤ۔“  
 ”پھر میرا طریق کار کیا ہوگا۔“

”نہایت اطمینان سے چچی کی انگلیوں پر ناچتے رہو۔ جو کچھ وہ کہے آنکھیں بند کر کے کرو۔  
 وہ کہے کہ وہ انڈے دینا چاہتی ہے تو ہر گز نہ کہو کہ وہ مرغیوں کا حق چھین رہی ہے.... کہو  
 اتار دوں۔“

”موڈل کالونی میں.....!“ حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر دس منٹ بعد اسے موڈل کالونی کے قریب اتار دیا گیا۔ حمید نے کچھ کہنے کے  
 منہ کھولا ہی تھا کہ کارزائیں سے چکنی سڑک پر پھیلتی چلی گئی۔ اس نے دونوں مٹھیاں بچھ کر  
 سر پر دو تین گھونٹے لگائے اور شاٹو کی طرف چل پڑا۔

اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہاں سے بولنے والے مرد سے وہ کس طرح  
 پیش آئے گا۔ لیکن کیا راحیلہ ہی اسے اپنے ساتھ لے گئی ہوگی۔ اگر فریدی کا خیال صحیح تھا تو  
 بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ پندرہ منٹ بعد شاٹو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ چائے  
 کھلا ہوا تھا۔ اسے کمپاؤنڈ میں ایک کار بھی نظر آئی.... وہ احتیاطاً زمین پر گر کر سینے کے بل پورچ

طرف ریگتے لگا.... صدر دروازہ بھی اسے کھلا ہوا ملا۔ لیکن راہداری تاریک پڑی تھی.... چچ  
 ہی وہ پورچ میں داخل ہوا اور برآمدے میں داخل ہونے کے لئے تین سیڑھیاں طے کر جانے  
 ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک پورچ کے سامنے والی محراب میں ایک سایہ نظر آیا، جو غالباً ستون کی  
 سے نکلا تھا۔ حمید زمین سے چپک کر رہ گیا اس نے اپنی سانسیں روک لیں! سائے کی پشت اس  
 طرف تھی اور چہرہ چھانک کی جانب۔

دفعتاً حمید نے اپنا وزن ریو الوور نکالا اور اسے نال سے پکڑ کر کسی قسم کی آواز پیدا کئے بغیر....  
 سائے کی طرف ریگتے لگا۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی اور وہ سایہ ایسے ماحول میں مصر کے  
 ابوابول سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

حمید اس کے قریب پہنچ کر اس بُری طرح جھجھلا گیا جیسے بجلی سی چمک گئی ہو۔ ساتھ ہی  
 ریو الوور کا دستہ بھر پور قوت سے سر کے پچھلے حصہ پر پڑا تھا.... وہ نامعلوم آدمی دھم سے زمین پر  
 چلا آیا اس کے حلق سے ہلکی سی بھی آواز نہیں نکلی تھی.... حمید نے اپنے کارنامے کو زیادہ جاندار  
 بنانے کے لئے دو تین ضربیں اور رسید کر دیں۔ سایہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا اور کم از کم حمید کو  
 اپنی قوت پر اتنا اعتماد تو تھا ہی کہ وہ اس کے آدھے گھٹنے تک ہوش میں نہ آجائے کی پیشین گوئی یہ  
 آسانی کر سکتا تھا.... اب وہ صدر دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔

راہداری میں پہنچ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد کمرہ ہی تھا اور دروازہ کی درمیانی جھری  
 میں روشنی نظر آرہی تھی۔ اس جھری سے حمید نے اندازہ کر لیا کہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں  
 ہے۔ دفعتاً اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔ ”تو تم نہیں بتاؤ گی۔“

”جو کچھ میں نہیں جانتی کیسے بتاؤں گی۔“ راحیلہ کی کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔

ایک بیک حمید نے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔ اس نے دو نقاب پوشوں  
 کو اچھل کر پیچھے ہٹنے دیکھا۔ ریو الوور تو تھا ہی اس کے ہاتھ میں۔ ایک ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا  
 تھا کہ حمید نے گرج کر کہا۔ ”اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔“

دونوں کے ہاتھ اٹھ گئے۔ راحیلہ فرش پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر حمید کی  
 طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے اب بچوں کی طرح قلقاریاں بھی  
 مارنے لگی۔

”تم اٹھو سوئی۔“ حمید نے ان دونوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ”کچن میں پتلی ڈوری کا  
 ایک لچھا ہے اسے اٹھاؤ۔ جلدی کرو۔“

راحیلہ چپ چاپ اٹھ کر باہر نکل گئی.... اور حمید انہیں ریو الوور کی زد میں لئے کھڑا رہا۔  
 ایک نے پھر اپنا ایک ہاتھ نیچے گرانے کی کوشش کی ہی تھی کہ حمید کسی سانپ کی طرح  
 ہلکھلا کر ”یہ ریو الوور بے آواز ہے ہٹو.... مجھے فائر کر دینے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں

محسوس ہوگی۔ کیا تم مجھے نہیں جانتے۔“

”نہیں.....!“ ایک آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”ڈاکٹر زیو نام ہے۔ بڑے بد نصیب ہو اگر پہلے کبھی تم نے یہ نام نہ سنا ہو۔“

”بیکار بات بڑھ گئی ہے مسٹر.....!“ ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”یہ محترمہ ایک اور عورت کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی پھر رہی تھیں جس کی ہمیں تلاش تھی۔ ہم ان سے صرف پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ اسے کیسے جانتی ہیں اور وہ اپنے گھر کے علاوہ اور کہاں مل سکے گی۔ لیکن انہوں نے نہیں بتایا۔“

حمید نے پلکیں جھپکائیں..... بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

## دولاکھ

راحیلہ ڈور کا لچھالے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

حمید نے اس سے پوچھا۔ ”یہ شریف آدمی تم سے کس عورت کا پتہ پوچھ رہے تھے جس کا پتہ تم نے نہیں بتایا۔“

”میری ایک سہیلی ہے راحیلہ.....!“ راحیلہ نے کہا۔ ”میں اس کے گھر گئی تھی۔ فلیٹ منقل تھا۔ میں نے اس کے پڑوسیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ یہ لوگ کون ہیں اور اس کا پتہ مجھ سے کیوں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“

راحیلہ کی آواز حیرت انگیز طور پر بدلی ہوئی تھی۔ حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ میک اپ میں نہیں پہچانی جا سکی۔

”لیکن تم نے تو آج تک کسی ایسی سہیلی کا تذکرہ مجھ سے نہیں کیا جس کا نام راحیلہ ہو۔“

”تم میری ساری سہیلیوں کو کب جانتے ہو۔“

”مجھ سے سنئے جناب۔“ ایک نقاب پوش چپک کر بولا۔ ”یہ راحیلہ وہ عورت ہے جس نے درجنوں شریف عورتوں کو برباد کر دیا ہے..... ظاہر ہے کہ وہ شریف عورتیں اپنے شوہروں سے اس کا تذکرہ کیوں کرنے لگیں..... انہیں اس کی بدولت روزانہ نئے نئے مرد ملتے ہیں۔“

حمید کے بپنے میں ایک زبردست قسم کے قہقہے کا خون ہو گیا۔ وہ اسے گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہر حال اس سے حمید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ ان دونوں کے لئے اجنبی ہے۔ یعنی وہ اسے ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے نہیں جانتے۔

”کیوں.....!“ حمید راحیلہ کو مخاطب کر کے غرایا۔

”یہ جھوٹے ہیں۔“ راحیلہ مسکرا کر بولی۔ ”کیوں ڈیڑ..... کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔“

”بالکل کرنا ہوں..... تم فکر نہ کرو۔“ حمید نے کہا اور پھر ریوالور کو جنبش دے کر ایک نقاب پوش سے بولا۔ ”اپنے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ دیر نہیں ہونی چاہئے۔“

”ایسا کر کے تم بچھتاؤ گے دوست۔“ نقاب پوش نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں کہا۔ ”بچھتاتے وقت تم مجھے ضرور یاد آؤ گے اطمینان رکھو۔ لیکن فی الحال میرا حکم ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ ڈاکٹر زیو خطرناک آدمی ہے۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ اندھیرے میں مجھے آواز دے کر کسی سمت بھی بھاگ نکلو۔ میرے ریوالور کی گولی تمہاری کپٹی ضرور سہلائے گی۔“

”جی..... اسے باندھ دو۔“

”تم آخر ہو کون.....!“ دوسرے نقاب پوش کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

”ڈاکٹر زیو..... جس کی مدد کے بغیر راحیلہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ جس کی پشت پر ایک بہت بڑا گروہ ہے، جو تمہارے تابوت کے لئے آخری کیل ثابت ہو گا اور اگر تم مجھ سے سمجھو تا کرنا چاہو تو اس کے لئے دوسری صورت ہے۔ بولو تیار ہو۔“

”کیسا سمجھوتہ۔“

”میرے گروہ میں آلو..... دوہرا فائدہ..... میں لائبریری کی طرح کنجوس نہیں ہوں۔“

”کون لائبریری.....!“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

”تم نہیں جانتے..... میں جانتا ہوں..... تمہارے ہیڈ کوارٹر کی بات کر رہا ہوں، جسے تقریباً بھارت کروں گا۔“

”سمجھوتے کی کیا صورت ہوگی۔“ ایک نے پوچھا۔

حمید نے جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر اس کے سامنے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اسے دیکھو“ دونوں بیک وقت اس پر جھک پڑے اور حمید نے ان پر چھلانگ لگائی ایک کے سر پر ریوالور کا

سے پہلی ہوئی تھیں۔ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے خدشہ ہو کہ کہیں حمید کتوں کی طرح غراتا ہوا اسے کاٹنا اور بھنبھوڑنا نہ شروع کر دے۔  
پھر اس کے ہونٹ ہلے اور وہ مضطرب سی آواز میں بولی۔ ”خدا کے لئے مجھ سے دور رہو۔  
تمہاری آنکھوں سے دیوانگی ٹپک رہی ہے۔ تم نے فرائی فٹ میں میرا انتظار کیوں نہیں کیا تھا اور اب تک کہاں تھے۔“

حمید اسے کوئی جواب دیئے بغیر اپنی نوٹ بک اٹھانے کے لئے جھکا۔  
اور پھر اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر تمباکو کی پاؤچ اور پائپ نکالے۔ ”میری طرف دیکھو.... میری بات کا جواب دو۔“  
”میا تم ان کی نقاب کشائی نہیں کرو گی.... جان فادر۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔  
”تم ہی دیکھو.... میں تو نہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔“

”ڈرتی ہو! کہیں کوئی جان پہچان والا نہ نکل آئے۔“  
”سنو.... میری طرف دیکھو۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں دوسرے جال میں تو نہیں پھنس گئی۔“  
”یقیناً....!“ حمید مسکرایا۔ ”میا تم نے ابھی نہیں سنا کہ میرا گردہ بھی کوکین کا کاروبار کرتا ہے لہذا میں نے ان سے یہ سمجھو نہ کیا ہے۔“

اس نے بیہوش نقاب پوشوں کی طرف اشارہ کیا پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ ”تم اپنے فلیٹ کی طرف کیوں گئی تھیں۔“

”دیوانگی.... پاگل پن.... خطہ جو چاہا وہ سمجھ لو۔ میں تو بس اس کا اندازہ کرنے گئی تھی کہ دیکھوں میرے پڑوسی بھی مجھے پہچان سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ میں انہیں کچھ دیر روک کر ان سے گفتگو کرتی۔ ظاہر ہے کہ موضوع گفتگو بھی میں خود ہی کو بنا سکتی تھی۔ میں ان سے اپنے متعلق سوالات کرتی رہی یہ لوگ بھی میری ہی تاک میں تھے لیکن مجھے میک اپ میں نہ پہچان سکے۔ پھر شاید انہوں نے سوچا کہ مجھ سے ہی وہ راحیلہ کے متعلق کچھ معلوم کر سکیں اس لئے پیچھے لگ گئے.... بس میں ایک لڑکی کی کال کا جواب ہی دے رہی تھی کہ وہ اندر گھس آئے اور مجھ سے راحیلہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے۔“

”تم نے یہاں کسی لڑکی کی کال ریسیور کی تھی۔“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

دستہ پوری قوت سے پڑا اور دوسرے کی گردن پر بالیاں ہاتھ.... دونوں ہی منہ کے بل فز فز گئے.... جس کے سر پر ریو اور کا دستہ پڑا تھا وہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ لیکن دوسرا حمید کی ٹانگ پکڑ لی اور وہ دم سے اسی پر آ رہا پھر گرتے گرتے اس نے اس پر بھی ریو اور کے اوپر سے قوت آزمائی کی.... لیکن وہ کچھ سخت جان تھا.... دونوں ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر لگا.... اس بار حمید کی ٹھوکرنے اسے بھی بے حس و حرکت کر دیا۔

راحیلہ دروازے میں کھڑی ہانپ رہی تھی بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ساری دم چوڑی اسی نے چٹائی ہو اور اب تھک جانے کے بعد اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر ان دونوں بے ہوش نقاب پوشوں پر جھک پڑا۔ وہ بڑی تیزی سے ان کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا۔ ان سے فرصت پالینے کے بعد اسے وہ آدمی یاد آیا ہے وہ پورچ میں ڈال آیا تھا۔

”یہیں ٹھہرو....!“ حمید راحیلہ سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ راحیلہ کے ہونٹ تو ہلے لیکن آواز نہ نکل سکی۔ کیونکہ اتنی دیر میں حمید راہداری پار کر چکا تھا۔  
پھر وہ تیسرے بیہوش آدمی کو بھی وہیں کھینچ لایا اس کے چہرے پر بھی نقاب تھی۔  
”یہ کہاں تھا۔“ راحیلہ نے حیرت سے کہا۔

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اسے بھی باندھنے لگا اور جب باندھ چکا تو راحیلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”آؤ۔“

اور پھر اس نے حلق سے بینڈ کی دھنیں نکالتے ہوئے رہا ناچنا شروع کر دیا۔  
”ارے.... کیا کرتے ہو.... ٹھہرو.... ٹھہرو۔“ راحیلہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ”تم آدمی ہو.... یا....“  
”ناچو.... اس وقت اسی طرح میرا خون ٹھنڈا ہو سکتا ہے....“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔  
”ورنہ میں تمہیں بھی پھاڑ کھاؤں گا.... ناچو.... ناچتی رہو.... تارا.... تارا.... رام.... تارا.... رام....!“

راحیلہ کی آنکھوں میں بے بسی نظر آنے لگی۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر جھپٹی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ پھر اچانک وہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی۔ لیکن اس وقت حمید کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس نے بڑی تیزی سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور دیوار سے جا ٹکی۔ اس کی آنکھیں خون

”ہاں! وہ تمہارے متعلق پوچھ رہی تھی.... میں نے مردانی آواز بنا کر اس سے گفتگو کی تھی۔“  
حمید نے ایک طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ کر کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔  
”آواز بڑے مزے سے بدل سکتی ہو۔“ اس نے کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے  
کہا۔ ”اپنی اسی حماقت کی بناء پر تم اس وقت بچ گئیں ورنہ یہ لوگ تمہاری جیلی بنا کر رکھ دیتے۔“  
”کیا مطلب....!“

”میں نے جب تمہیں فون کیا تو جواب میں ایک مرد کی آواز سنائی دی۔ میں نے بھی یہی  
مناسب سمجھا کہ سر پر دوپٹہ ڈال لوں۔“

”تو وہ تم تھے۔“ راحیلہ نے حیرت سے کہا۔

”نہیں وہ میں تھی۔“ حمید نے ناک پر انگلی رکھ کر زبانی آواز کی نقل اتاری اور راحیلہ ہنس  
پڑی لیکن پھر فوراً ہی سنجیدہ بھی ہو گئی۔

”ان کا کیا ہوگا....!“ اس نے نقاب پوشوں کی طرف اشارہ کیا۔

”ان کا تیل نکال کر سوا ڈھائی آنے فی تولہ کے حساب سے فروخت کروں گا اور اس کی  
آٹا سے ایک یتیم خانہ چلے گا اور یتیم خانہ کی آمدنی سے۔“

”خ.... خر.... غاؤں....!“ وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر دوہری ہو گئی۔

پہلے تو حمید نے اسے بوکھلائی ہوئی نظروں سے دیکھا.... پھر جلد ہی سمجھ گیا کہ اسے چھینک  
آئی تھی۔

”خدا غارت کرے تمہیں۔“ وہ سیدھی ہو کر نتھنے پھڑکاتی ہوئی بولی۔ ”تم مجھے قاعدے سے  
چھینکیں بھی نہیں لینے دیتے۔“ پھر اسے خود ہی اپنے جملے پر ہنسی آ گئی۔

حمید اٹھ کر ان تینوں کے چہروں سے نقاب ہٹانے لگا....

پھر اس نے راحیلہ کی طرف غور سے دیکھا۔

”نہیں.... میں انہیں نہیں جانتی۔ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہینڈ  
کوارٹر کے آدمی ہوں یا کسی ایسے حلقے سے تعلق رکھتے ہوں جس کا علم مجھے نہ ہو۔“

”یا پھر یہ بات ہو سکتی ہے کہ اپنے بیان میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے یہ ڈرامہ بھی  
ضروری تھا۔“

”کیا مطلب....!“

”تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔“ حمید اس کی طرف تیزی سے بڑھا اور وہ سہم کر ایک  
طرف ہٹ گئی۔

”تم پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔“

”ڈاکٹر زیو کو مشکل سے اُلو بنایا جاسکتا ہے۔“

”خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔“ وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔ ”تم  
سے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”تم ڈاکٹر زیو کے کسی دشمن کی جاسوسہ ہو۔“

”اے زیو! ایسی باتیں نہ کرو۔ ورنہ میں ابھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میک اپ ختم کر دوں  
گی اور تم صبح تک میرے قتل کی خبر سن لینا۔ میں نے پتہ نہیں اب تک کس طرح خود کو بچایا ہے۔“

دفعتاً کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور حمید نے اسے کہا۔ ”تم کچن میں جا کر دروازہ اندر سے  
بول کر لو.... جاؤ....!“

”نہیں.... میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔“

”جاؤ.... ہو سکتا ہے کہ بعد میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئے۔ تمہارے پاس  
ہتھول موجود ہے نا.... جاؤ۔“

گھنٹی پھر بجی اور وہ دوڑتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

وہ راہداری سے گذر کر صدر دروازے کی طرف آیا۔ گھنٹی تیسری بار بجی۔

”کون ہے۔“ اس نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

”باہر آؤ فرزند....!“ یہ فریدی کی آواز تھی۔

حمید دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور فریدی نے کہا۔ ”لڑکی ٹھیک معلوم ہوتی ہے اسے بورنہ کرو۔“

”آپ کیا جانیں۔“

”چند منٹ پہلے میں چھت پر تھا اور روشندان سے میں نے سب کچھ دیکھا ہے ان تینوں کو تم  
فی الحال یہیں بند رکھو۔ تمہاری عدم موجودگی میں بھی ان کی نگرانی ہوتی رہے گی اور اب تمہیں  
بھی میک اپ میں ہی رہنا چاہئے.... یہ فہرست رکھو۔ اس میں وہ اڈے درج ہیں، جہاں سے

”دس ہزار....!“

”ہرے، نہیں ہیں۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”لیکن آخر آپ مجھے کب گرفتار کریں گے۔“

”تمہیں گرفتار کرنے سے کیا فائدہ.... ڈنگی! تم نہ ہو گے تو کوئی دوسرا تمہاری جگہ

سنبالے گا۔“

”مگر آپکی اس دن کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ ہمارے پاس سے واقف ہیں۔“

”ہاں میں ایک آدمی سے واقف ہوں، جو صرف تمہارا منبر ہو سکتا ہے پاس نہیں۔“

ڈنگی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میں آپ کو کس طرح اطلاع دوں۔“

”تھری زیرو پر رنگ کر لینا۔“

”کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ چلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے مجھے آخری جگہ معلوم ہوئی ہے اور

جب اس آخری جگہ پر پہنچا ہوں تو وہاں اس کا خط ملا ہے جس میں کسی دوسری جگہ پہنچنے کی ہدایت

ہوتی ہے۔“

”بہت چالاک ہے۔“ فریدی بڑبڑایا.... پھر بولا۔ ”تم تھری زیرو پر فون کر کے وہاں چلے

جانا.... اس کے بعد میں دیکھوں گا۔“

”آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کر رہا۔“ ڈنگی نے اسے ٹٹولنے

والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے یقین ہے ڈنگی، میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔“

فریدی کے چلے جانے پر ڈنگی پھر کاؤنٹر پر آگیا! تھوڑی دیر بعد ایک آدمی ایک میز سے اٹھ

کر کاؤنٹر پر آیا۔

”اس نے تو بس مجھے ہی تاک لیا ہے۔“ ڈنگی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”کیوں.... کیا کہہ رہا تھا۔“ دوسرے آدمی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں.... وہ شاید اسی چکر میں ہے کہ یہاں سے کچھ برآمد کرے۔“

”کچھ کہہ رہا تھا۔“

”بس آتا ہے، خواہ مخواہ کی دھونس دے کر چلا جاتا ہے۔ ابھی تک کھل کر کوئی بات نہیں کی۔“

کو کین کا کاروبار ہوتا ہے.... وہاں ہیجان برپا کرنے کی کوشش کرو۔ فائرنگ بھی ہو تو بہتر ہے

ایک خیال رکھو کہ کوئی مرنے نہ پائے.... مگر تم یہ سب کچھ میک اپ ہی میں رہ کر کرو گے، تاہم

اس عمارت میں رہے گا لیکن یہاں بھی تم اب میک اپ ہی میں نظر آؤ گے۔ اڈوں پر تم جو کچھ ہم

کر سکتے ہو کرو لیکن نام اسی لڑکی کا استعمال کیا جائے۔ اچھا اب میں چلا.... ان لوگوں کی کار یہاں

کپاؤنڈ میں موجود ہے، اسے لے جا رہا ہوں۔ شہر کے کسی دوسرے حصہ میں چھوڑ دی جائے گی۔“

”شکریہ.... آپ نے مجھے بڑی دوسری سے بچالیا۔“ حمید نے طویل سانس لی۔



دوسری صبح فریدی پھر اچانک سنگ سنگ بار میں داخل ہوا۔ ڈنگی کاؤنٹر پر موجود تھا۔ فریدی

کی شکل دیکھتے ہی اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

لیکن آج اس میں اس سے آنکھیں ملانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

فریدی نے اسے دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا اور اس نے چپ چاپ تعمیل کی۔

فریدی اس کے بعد کمرے میں داخل ہوا۔

”میں آج کیش لے جاؤں گا کرٹل....!“

”کہاں....؟“

”فی الحال تو کھالی.... لیکن.... جاتے جاتے وہ کم از کم دس جگہیں بدلے گا.... مگر کرٹل

کیا آپ ٹیلی فون ایکیسج سے اس کا پیہ نہیں لگا سکتے کہ وہ کس نمبر سے بولتا ہے۔“

”نہیں.... میرا خیال ہے کہ وہ اپنا ذاتی ایکیسج رکھتا ہے اور اس کا محکمہ کے ایکیسج سے کوئی

تعلق نہیں۔ محکمے کے ایکیسج پر میں کوشش کر چکا ہوں۔“

”پھر بتائیے میں آپ کو کس طرح اطلاع دوں گا کہ مجھے کیش لے کر کہاں جانا ہے۔“

”کتنی رقم ہے۔“

”دو لاکھ.... سو سو کے نوٹوں کی شکل میں۔“

”کتنے دنوں کی آمدنی ہے۔“

”صرف چار دن کی.... وہ ہر چوتھے دن قیمت لے لیتا ہے۔“

”تمہارا کیش کتنا ہے۔“

”غالباً.... وہ کچھ برآمدی کر لینے کے چکر میں ہے۔ اسکے بغیر تو وہ ہمیں ہاتھ بھی نہ لگا سکے گا۔“  
 ”مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں کسی دن اس سے جھگڑانہ کر بیٹھوں۔“ ڈبگی نے کہا۔ ”خون اڑا ہے آنکھوں میں اسے دیکھ کر۔“

”نہیں اس قسم کی کوئی حرکت نہ کرنا اس سے فائدہ ہی کیا۔ ہیڈ کوارٹر سے بھی ہدایت چکی ہے کہ اس سے جھگڑانہ کیا جائے۔“

## بڑا آدمی

”مگر میرا خون تو کھولنے لگتا ہے اور پھر بھی! میں اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی آمد دروازے کی وجہ سے میری بار بدنام ہو۔ یہ کوکین کے دھندے آج ہیں کل نہ ہوں گے۔ زندگی تو ایسی بسر کرنی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ پہلے تو مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں بے خوف و بزنس کر سکتا ہوں۔ پولیس کے کان پر جوں تک نہ ریٹکے گی، مگر اب یہ کیا ہو گیا۔“  
 ”اوہ.... بزدلے پن کی بات نہ کرو ڈبگی۔“ دوسرے آدمی نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

”کیا ہم نے کبھی چوروں کی سی زندگی بسر کی ہے۔ ہمیشہ شہباز کی طرح جھپٹتے رہے ہیں۔“  
 ”کھٹاک!...! ایک چچھاتا ہوا خنجر ان کے قریب ہی لکڑی کے کاؤنٹر میں پوسٹ ہو گیا اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔“

”بہترے لوگ جو ہال میں بیٹھے پی رہے تھے چونک کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگے لیکن واقعہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔“

”ڈبگی نے خنجر کے دستے سے بندھا ہوا کاغذ کھول لیا اور اسے جلدی جلدی پڑھنے لگا۔“  
 ”ڈبگی! مجھے دو ہزار کی سخت ضرورت ہے۔ اپنے کسی ایسے آدمی سے ٹھیک پانچ بجے شام کو آر لکچو میں بھجوادو.... جسے میں پہچانتی ہوں۔ ورنہ نوبتے رات تک سنگ سنگ بار کو جہنم کا نمونہ بنادوں گی۔“

”راہیلہ۔“

”یہ حرام زادی اور جان کو آگئی ہے۔“ ڈبگی کاؤنٹر پر گھونسنہ مار کر بولا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کس کے بل بوتے پر یہ سب کچھ کرتی پھر رہی ہے۔ دوسرے آدمی نے کہا۔“

”تمن چار دن ہوئے اس نے کیسے بلیارک میں دھوئیں کا بم پھینکا تھا۔ لوگ بوکھلا کر باہر

فریدی زبرد سے فریدی کو ٹرانسمیٹر پر اطلاع ملی کہ ڈبگی کو میونسپل گاؤں میں سفید رپچھ کے کپڑے کے پاس پہنچنا ہے۔ فریدی جو میک اپ میں تھا میونسپل گارڈن کے لئے روانہ ہو گیا۔ رپچھوں کے کٹہرے کے پاس اسے ڈبگی نظر آیا تھا، جو نارچ کی روشنی میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا.... باغ پر اس وقت سناٹے کی حکمرانی تھی۔ کبھی کبھی کوئی جانور ہلکی آوازیں نکالتا اور خاموش ہو جاتا۔“

”مطلع بھی ابر آلود تھا اس لئے ہاتھ کو ہاتھ نہیں بٹھائی دے رہا تھا۔ فریدی نے دیکھا کہ ڈبگی نے ایک جگہ سے کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا ہے۔ نارچ کی روشنی کاغذ پر پڑ رہی تھی۔ پھر اس نے وہ کاغذ وہیں موڑ توڑ کر ڈال دیا اور اٹے پیروں پھاٹک کی طرف واپس آیا۔ فریدی کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔“

فریدی کو یقین تھا کہ رنومات صرف وہی شخص وصول کرتا ہوگا، جو حقیقتاً اس تجارت کا ذمہ دار ہے اور وہ یقینی طور پر تنہا ہوتا ہوگا۔ کسی دوسرے کو ساتھ رکھنے میں رازداری کہاں رہ جائے گا۔ خود اس کا طریق کار بھی یہی ظاہر کر رہا تھا۔ وصولیابی کے لئے دن بھر میں پچیس جگہیں بدلتا تھا اور آخری جگہ بھی آخری نہیں ثابت ہوتی تھی.... وہاں اسے کسی تحریر کے ذریعہ کوئی دوسری جگہ بتائی جاتی تھی.... اور پھر بتائی ہوئی جگہ پر ڈبگی چڑے کا سوٹ کیس رکھ کر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔“

ڈبگی کا بیان تھا کہ اسے فون پر دو مختلف آدمیوں سے احکامات ملا کرتے تھے وہ دونوں کی آوازوں میں بخوبی فرق کر سکتا تھا.... رنومات کی وصولیابی کے سلسلہ میں جو شخص گفتگو کرتا تھا اس کی آواز صرف وصولیابی ہی کے سلسلے میں سنی جاتی تھی.... کوکین کی فروخت کے بارے میں جو شخص احکامات صادر کرتا تھا اس کی آواز وصولیابی کی گفتگو کے سلسلہ میں کبھی نہیں سنی گئی تھی۔“



ڈبکی کا یہ بیان فریدی کی توقعات ہی کے مطابق تھا۔

چونکہ اسے یقین تھا کہ اس وقت کوئی بھی اس کی نگرانی نہ کر رہا ہو گا اس لئے وہ بڑی لاپرواہی سے ڈبکی کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ نامعلوم آدمی اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ وصولیابی کے وقت ڈبکی کی نگرانی کر کے اپنی بھی ظاہر کر ادیتا۔ ڈبکی ہی نے فریدی کو بتایا تھا کہ وصولیابی کے متعلق ہر اڈے کے سرغنہ علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہونے پاتا کہ کون سا دن یا مقام مقرر کیا گیا ہے، اور یہ ڈبکی کا خیال تو کسی اڈے کے سرغنہ کو بھی یہ نہ معلوم ہونے دیا جاتا ہو گا کہ کسی دوسرے اڈے کی ادائیگی اوقات معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی اتنا بدھو نہیں تھا دوسروں پر اپنی ادائیگی کا وقت یا مقام ظاہر کر دیتا۔

وہ اچھے لوگوں کی جماعت تو تھی نہیں کہ انہیں ایک دوسرے کا پاس و لحاظ ہوتا۔ اگر وہ ایک دوسرے کی ادائیگی کے وقت اور مقام سے واقف ہو جاتے تو روز ہی شہر کے کسی نہ کسی گوشے ایک لاش ملتی، جو کسی اڈے کے سرغنہ ہی کی ہوتی اور گروہ کے سربراہ کو آئے دن بے خساروں کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے اس کی سخت ترین تنبیہ تھی کہ سرغنہ ادائیگی کے وقت اور مقام سے کسی کو بھی آگاہ نہ کریں۔

کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک پائی کی بھی ”بے ایمانی“ کر سکتا! ڈبکی کا بیان تھا آج تک اس کے اور پاس کے حساب میں ایک آنے کا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ جتنی رقم وہ خود فون پر بتاتا اتنی ہی رقم سرغنوں کے حساب سے بھی بنتی تھی۔ ڈبکی دوسروں کے متعلق ڈوٹو نہیں کہہ سکتا تھا مگر خود اس کے حساب میں آج تک ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔۔۔۔۔

ڈبکی نے میونسپل گارڈن سے نکل کر ایک ٹیکسی لی اور فریدی نے اسے ڈرائیور سے ”آواز میں کہتے سننا۔“ ریلوے اسٹیشن

اب فریدی کو جلدی نہیں تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی ریلوے اسٹیشن پہنچ سکتا تھا۔ جب نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے بے آواز موٹر سائیکل سنبھالی اور مختصر ترین راستہ اپنے کرنے کے سلسلہ میں تنگ و تاریک گلیاں ناپنی شروع کر دیں۔

چونکہ اسے یقین تھا کہ مجرم تنہا ہی ہو گا اس لئے اس نے بھی تنہا ہی کام کرنا مناسب

تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کسی آدمی کی لغزش کی بناء پر اسے نکل جانے کا موقع مل جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا اور پھر اسے تقریباً دس منٹ تک ڈبکی کی ٹیکسی کا انتظار کرنا پڑا۔۔۔۔۔ ڈبکی سوٹ کیس سنبھالے ہوئے اس کے قریب ہی سے گذر گیا لیکن اسے نہیں پہچان سکا کیونکہ وہ ایک بوڑھے آدمی کے میک اپ میں تھا۔

پھر اس نے ڈبکی کو ونڈو پر نکلٹ خریدتے دیکھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ فریدی اس کے پیچھے تھوڑے فاصلے سے چلتا رہا۔

ڈبکی نے اندر پہنچ کر اس دور دراز پلیٹ فارم کا رخ کیا، جو عموماً ویران پڑا رہتا تھا۔ جہاں صرف مال گاڑیوں سے سامان اتارا جاتا تھا، لیکن کبھی کبھی دوسرے پلیٹ فارم خالی نہ ہونے کی بناء پر یہاں سواری گاڑیاں بھی رکا کرتی تھیں اور قلیوں کو یہاں سے سامان لاد کر گیٹ تک پہنچنے کے لئے ایک لمبا راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس پلیٹ فارم کا نام گدھالائن رکھ دیا تھا۔ پھر یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ ریلوے کے رجسٹروں اور کاغذات میں بھی اس کا اندراج گدھالائن کے نام سے ہونے لگا۔

پلیٹ فارم کا کچھ حصہ بالکل ہی تاریک تھا اس وقت یہاں ایک مال گاڑی بھی موجود تھی جس سے سامان اتار کر پلیٹ فارم پر جگہ جگہ ڈھیر کر دیا گیا تھا اور تین چار قلی اب بھی مختلف ڈبوں سے سامان نکال رہے تھے۔

ڈبکی پلیٹ فارم کے تاریک حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر فریدی نے اسے بائیں جانب لائن پر اترتے دیکھا۔۔۔۔۔ اسی طرف مال گاڑی بھی کھڑی ہوئی تھی۔ فریدی بھی دو ڈبوں کی درمیانی خلاء سے دوسری طرف اتر گیا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر ڈبکی کا سایہ جھکا ہوا آ رہا تھا۔ فریدی نے جگہ کا اندازہ کر لیا! یہاں دو لائٹوں کے درمیان ایک پرانی قبر تھی جسے آج تک برقرار رکھا گیا تھا اس کے متعلق طرح طرح کی روایتیں مشہور تھیں۔ ہر سال اس قبر پر عرس کے سلسلہ میں ایک چھوٹا موٹا سامیلہ لگتا تھا اور انگریزوں کے دور میں یہ ضروری تھا کہ حلقے کا سب سے بڑا ریلوے آفیسر بھی اس عرس میں شرکت کرے۔ سنا جاتا تھا کہ جب یہاں سے ریلوے لائن نکالی جا رہی تھی، کھدائی کے دوران ایک ایسی لاش نکلی تھی، جس کا کفن تک میلا نہیں ہوا تھا۔ لاش دوسری جگہ دفن کر دی گئی، لیکن

”سیدھے ہو جاؤ دوست۔“ فریدی نے آواز بدل کر کہا۔ ”میں راحیلہ کے گروہ کا آدمی ہوں۔ راحیلہ کو روپے کی اشد ضرورت تھی۔ فی الحال یہ دو لاکھ روپے اس کی ضرورت پوری کر دیں گے۔“

”اوہو..... تو اس کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ آدمی نیچے سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”روپے تم لے جاؤ..... ہاں میں نے سنا تھا کہ راحیلہ نامی کوئی لڑکی گروہ سے برگشتہ ہو گئی ہے..... اس کی کیا ضرورت تھی وہ اپنی شکایات بیان کر سکتی تھی..... کیا تم بھی گروہ سے کٹ گئے ہو۔“

”نہیں ہم نے نیا گروہ بنایا ہے۔“

”اس سے کسی کو بھی فائدہ نہ ہوگا.....! دونوں ہی گروہ مفت میں اپنا وقت برباد کریں گے..... اگر تم چاہو تو میں سمجھوتہ کر سکتا ہوں۔“

فریدی اس پر سے اٹھ گیا اور آہستہ سے بولا۔ ”چپ چاپ نکل چلو..... تم شاید پلیٹ فارم پر کسی کے چہرہ مار آئے ہو۔“

”چلو.....! وہ سوٹ کیس اٹھائے ہوئے ایک طرف دوڑ پڑا..... فریدی بھی اس کے برابر کی دوڑ رہا تھا۔“

غیب میں اترتے وقت فریدی نے کہا۔ ”اب ہم خطرے سے دور ہیں۔ اس باغ میں گھس چلو۔“

یہ ایک ویران باغ تھا۔ وہ دونوں وہاں آئے۔

فریدی غافل نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سوٹ کیس والا دھوکے میں رکھ کر حملہ فرور کرے گا۔

”سمجھوتے کی باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے یہ سوٹ میرے حوالے کر دو۔“

”لو.....!“ اس نے بائیں ہاتھ سے سوٹ کیس فریدی کی طرف بڑھایا اور داہنے سے اس کے جڑے پر بھرپور گھونٹ مارنے کی کوشش کی۔ فریدی ذرا سا بھی چوکتا تو اس گھونٹ کی منزل اس کا جڑہ ہی بنتا لیکن وہ تو پہلے ہی سے ہوشیار تھا۔ اس نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ منہ کے بل نیچے چلا آیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر سوار تھا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ سر کے اوپر کھینچ کر جھٹکڑیاں ڈالنے کی کوشش کی اور وہ نرمی طرح چلا لیکن فریدی نے اُسے ٹانگوں سے گھٹ لیا تھا..... کافی جدوجہد کے بعد وہ اس کے ہاتھوں میں جھٹکڑیاں ڈال سکا۔

اسی رات کو انجینئر پر سوتے وقت خون کی بارش ہوئی اور اس کی خواب گاہ میں انسانی سر اور کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دوسری صبح انجینئر کو رائے دی گئی کہ وہ اس لاش کو پھر وہیں دفن کر دیا جائے۔ وہ نکلی تھی اور ریلوے لائن قبر سے الگ ہٹا کر پھوٹا..... اس نے یہی کیا تب کہ

جا کر اس کی جان چھوٹی..... قبر نامعلوم تھی اس لئے یہ ریلوے بابا کی قبر کے نام سے مشہور ہوئی..... اور یہاں چڑھاوے وغیرہ چڑھنے لگے..... لیکن اس وقت وہ دو لاکھ چڑھاوے کی رقم پر

بھی۔ پھر بھی ”ریلوے بابا“ کو اسے تھوڑی دیر تک برداشت کرنا ہی تھا..... فریدی نے اصرار

دیکھا۔ گاڑی سے انجن انچ نہیں تھا اور نہ قریب و دور سے کسی شنگ کرنے والے انجن کی آواز

آ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ دوبارہ ڈبوں کی درمیان خلاء میں رینگ آیا..... لیکن ٹھیک اسی وقت

سنائے میں ایک تیز قسم کی چیخ مچی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی آدمی کسی ذبح ہونے والا

بھینسے کی طرح ڈکرایا ہو۔ پھر اور بھی کئی آوازیں ابھریں، جن میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز

بھی شامل تھیں اور یہ ساری ہی آوازیں پلیٹ فارم کی طرف سے آئی تھیں..... دوسری طرز

ڈبگی بھی اچھل کر بھاگا اور دوڑتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ گہری تاریکی نے اسے اپنے دامن میں چھپا لیا۔

لیکن فریدی اب بھی وہیں کھڑا تھا نہ تو اس نے پلیٹ فارم کی طرف مڑ کر دیکھا اور نہ وہاں

سے ہلا۔ اس کی نظریں تو ”ریلوے بابا“ کی قبر کی طرف تھیں۔

دفن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے چوپایہ زمین سے چپکا ہو آہستہ آہستہ قبر کی طرف بڑھ رہا ہو۔

پلیٹ فارم کی طرف سے اب بھی چیخوں کی آوازیں چلی آ رہی تھیں۔ ”ارے مار ڈالا.....

بچاؤ..... بچاؤ..... مجھے اٹھاؤ..... ہسپتال ہسپتال.....!“

دوسرے ہی لمحے میں فریدی بھی سینے کے بل ریٹکتا ہوا مزار کی جانب بڑھ رہا تھا..... اس کی

رفتار خاصی تیز تھی لیکن کیا مجال کہ ذرا سی سرسراہٹ کی آواز بھی پیدا ہو جاتی، ویسے وہ خوف

نی فاصلے پر سرسراہٹ کی آواز سن رہا تھا..... ایک بیک آگے والا آدمی رک گیا۔ شاید سوٹ کپڑے

اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

اچانک فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ بیٹھا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کی

پر پڑا اور اس نے اس کا ریوالتور نکال لیا..... نیچے دبا ہوا آدمی کسی زخمی سانپ کی طرح پلٹا لیکن

فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔

”اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ پیارے۔“ فریدی اسے چھوڑ کر ہٹا ہوا بولا۔ ”میں نے جنگلی سور کو پکڑ لیا ہے جس کے لئے فدیہ کی بہت مضطرب تھی اور میں اپنے دوست مسٹر ڈکسن کے لئے اس جنگلی سور کو پھانسی کے تختے تک لے جاؤں گا.... ریلوے بابا! تم گواہ رہنا۔“

مگر وہ آدمی زمین ہی پر پڑا رہا.... فریدی نے اس کے چہرے پر نارنج کی روشنی ڈالی۔ یہ ایک معمر آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر سفید کھنی ڈاڑھی تھی اور فی الحال آنکھیں بند تھیں۔

”ہے ہے.... کیا انداز ہے! غضب کرتے ہو یا....!“ فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

”ایک موقعہ کا شعر سن لو.... کیا بتاؤں میرا فرزند یہاں موجود نہیں ہے ورنہ وہی ساٹھ مجھے تو شعر و شاعری سے دلچسپی نہیں ہے.... تو تم آنکھیں نہیں کھولو گے پیارے.... خیر سنو! سنی جو پیروں کی میرے آہٹ تو کیا ہی بن ٹھن کے سو گئے وہ جو میں نے تلوؤں میں گدگدایا ہٹا دیا مسکرا کے آچل

میں بڑا خشک آدمی ہوں۔ پتہ نہیں یہ رنگین سا شعر میرے ذہن کے کسی گوشے میں کہاں سے آچکا تھا۔ لیکن موقع تو دیکھو دوست....!“

پھر یک بیک اس کا موڈ بگڑ گیا اور وہ اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کر تا ہوا غریباں نے شائد ابھی کسی کو قتل کیا ہے۔“

بوڑھا سیدھا کھڑا ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ تھیں انہیں خونخوار ہی کہا جاسکتا تھا۔ ”تم کون ہو....؟“ اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”وہی پرانا خادم! مسٹر ڈکسن جسے تم نے جنگلی سور کی کہانی سنائی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم اتنے گھنیا قسم کے میک اپ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری شخصیت پر پردہ ڈال دے گا۔“

”تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کرئل فریدی۔“ ڈکسن پر سکون لہجے میں بولا۔ ”تم یہ نہ سمجھو کہ پہلے ہی سے میری نظر تم پر نہیں تھی اور میں تمہاری یا فدیہ کی باتوں میں آگیا تھا۔“

مجھے ان حملہ آوروں کے لڑنے کا انداز پہلے ہی شبہ میں ڈال چکا تھا۔ جنہوں نے نیا گرام میں مجھے حملہ کیا تھا اور میں نے ہی انہیں موقع دیا تھا کہ وہ کسی ویران گوشہ میں مجھے تنہا پا کر حملہ کریں! مگر تم بالکل اتنا ہی ہو ڈکسن! تم اتنی لمبی چوڑی اسکیم بنا تو بیٹھے تھے لیکن اتنا سلیقہ بھی نہیں رکھتے کہ

انسانی فطرت کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی فرد کے افعال کا جائزہ لے سکو۔ اگر تم نے اس رات میرے رویے پر غور کیا ہو تا تو مطمئن نہ ہو جاتے کہ فریدی پھندے میں پھنس گیا ہے۔“

”میرا مطلب....!“

”جب وہ حملہ آور بھاگ نکلے تھے اور مجھ میں نبرد آزمائی کہ اتنی صلاحیت تھی کہ میرے کپڑے تک ٹھکن آلود نہیں ہوئے تو میں نے ان بھاگنے والوں میں سے کسی ایک کا تعاقب کر کے اسے پکڑا کیوں نہیں تھا۔ یہ میرے لئے بڑا آسان کام ہوتا.... مسٹر ڈکسن۔“

ڈکسن کچھ نہ بولا۔ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”تم پہلے احمق نہیں ہو۔ اس سے پہلے بھی کیا احمق مجھ سے ایسی زور آزمائی کر چکے ہیں۔ مجھے احساس ہے لمبی میں جتنا کرنے کے خواب دیکھ چکے ہیں۔ میں جب بھی چاہتا تمہیں پکڑ لیتا.... مگر میں تو ایسی ہی کوئی چویشین پیدا کرنا چاہتا تھا.... اب اس وقت تم پوری طرح میرے قبضے میں ہو۔ اس سوٹ کیس میں دو لاکھ کے نوٹ ہیں اور دو پیکٹ کوکین۔ میں نے ڈمبھی کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ سوٹ کیس میں دو تین پیکٹ کوکین کے بھی رکھ دے۔“

”تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔“ ڈکسن غریباں۔ ”میں ٹیکم گڈھ جا رہا تھا۔ میرے جیب میں ٹکٹ موجود ہے۔ ریزرویشن بھی ہے۔ جس کا اندراج بنگ آفس کی کتابوں میں ہو چکا ہے۔ دو لاکھ کیا میں دو کروڑ کی کرنسی کا گٹھرا اپنے سر پر لا کر چل سکتا ہوں۔ کون روکے گا مجھے.... اور کوکین تم نے میرے سوٹ کیس میں رکھی ہے۔ تم میرے بہت پرانے دشمن ہو، ایک بار میں نے ایک معاملہ میں تمہیں بڑی رشوت نہیں دی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم میرے دشمن ہو۔ میں نے تم سے ان کوکین فردوشوں کے سلسلہ میں مدد طلب کی تھی، جو میرے آفس کو کوکین فردوشی کا اڈا بنائے ہوئے ہیں۔ آفس والے جانتے ہیں کہ میں کئی بار وہاں اس سلسلہ میں ہنگامہ بھی برپا کر چکا ہوں۔ وہ شہادت دیں گے کہ مجھے اس مسئلہ پر بڑی توثیش تھی کہ میرے آفس سے کوکین کا کاروبار ہو رہا تھا۔ جو بھی اس کا زمہ دار تھا اس نے تمہیں رشوت دی اور انٹا مجھے ہی پھنسا دیا۔“

فریدی اس کی بکواس کا جواب دینے بغیر اسے ایک جانب دھکیلتا رہا۔ وہ بارغ سے باہر آگئے۔ اب ڈکسن خود ہی چل رہا تھا لیکن چال میں لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ ہر قدم بچا حلا معلوم ہو رہا تھا۔ آنکھیں اب بھی سرخ تھیں۔ فریدی نے موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی اور ٹیکسی کر کے کو تواری پہنچا

لیکن اس سے اب زبردست غلطی ہوئی تھی۔ اسے چاہئے تھا کہ ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد ڈکسن پر نظر رکھتا یا اس کے ہاتھ پکڑے رہتا.... اب جو کو تو ان پہنچ کر دیکھا تو ڈکسن کے چہرے سے ڈاڑھی غائب تھی۔ اس نے سارے بال نوچ کر ٹیکسی ہی میں پھینک دیئے تھے۔

کو تو ای میں بہترے آفسر ڈکسن کو پہچانتے تھے اس لئے وہاں خاصی پہلچا ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے کہا کہ وہ آئی۔ جی سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کر سکتا کہ معاملہ ایک بہت بڑے آدمی کا تھا۔ آئی۔ جی سے فون پر رابطہ قائم کیا گیا تو اس نے بھی کانوا ہاتھ رکھے اور وزیر داخلہ کا حوالہ دیا۔ وزیر داخلہ تک یہ بات پہنچی تو وہ خود ہی کو... آئے۔ کیونکہ ڈکسن ان کے دیرینہ دوستوں میں سے تھا۔ وزراء ہی پر منحہ ہیں وزیر اعظم سے اس کے تعلقات تھے۔

مگر فریدی کی شخصیت بھی معمولی نہیں تھی۔ وزیر داخلہ کو تھوڑی دیر کے لئے دم بڑا ہو جانا پڑا لیکن پھر انہوں نے کہا۔ ”کرل.... تم ملک و قوم کے سچے خادم ہو.... مجھے اہم ہے لیکن تم سے غلطی ہو سکتی ہے۔“

فریدی نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس سے غلطی نہیں ہوئی۔ ثبوت کے طور اس نے سوٹ کیس کو پیش کرنا چاہا لیکن وزیر خزانہ سمجھدار آدمی تھے۔ انہوں نے سب سامنے مزید گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ سب سے پہلے ڈکسن کی ہتھکڑیاں کھلوائیں پھر ان دو کو ساتھ لے کر ایک خالی کمرے میں چلے آئے۔ یہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ڈکسن برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ ”پہلے فریدی کو سب کچھ کہہ لینے دیجئے پھر میں بولوں گا۔“ فریدی نے یہاں سوٹ کیس کھول ڈالا.... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے اپنے تئ سے زمین ٹھٹکی معلوم ہونے لگی.... سوٹ کیس میں نہ تو کوکین کے پیکٹ تھے اور نہ وہاں کے نوٹ.... ان کی بجائے.... ردی کاغذ کے بٹل برآمد ہوئے۔

ڈکسن نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”یہ سوٹ کیس اس نے زبردستی میرے ہاتھوں میں پکڑا دیا تھا۔“ تم اس وقت ٹیکم گڈھ جانے والے تھے۔ ”فریدی بھی خوشدلی سے مسکرایا۔“ ”تمہاری جیب میں ایئر کنڈیشنڈ کاربازویشن موجود ہے۔ لیکن کیا تم لکچ کے بغیر اتنا ہلکا کرنے جا رہے تھے۔“

”مجھے بغیر لکچ سفر کرنے سے کون روک سکتا ہے۔“ ڈکسن غرایا۔ وزیر داخلہ کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ انہوں نے کہا۔ ”بھئی کر تل! ختم بھی کرو۔ میرا دعویٰ ہے کہ تم سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بات آگے بڑھے۔“ ”میں جتنی عزت کا دعویٰ کروں گا۔“ ڈکسن نے کہا۔

”نہیں.... یہ سب کچھ نہیں ہوگا.... تم اپنے گھر جاؤ.... اور کر تل اپنے گھر جائیں گے۔“ وزیر داخلہ نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں دیکھوں گا کہ یہ خبر پریس سے نہ آؤٹ ہونے پائے۔“ فریدی سر ج رہا تھا کہ ڈبگی اپنا کام کر گیا.... اس نے سوچا ہوگا کہ اب سرغنہ تو پکڑ ہی لیا جائے گا۔ پھر دو لاکھ وہ خود ہی کیوں نہ ہتھیالے۔ اگر سوٹ کیس سرغنہ تک پہنچ بھی گیا اور وہ نہ پکڑا جاسکا تو بعد میں اسے پولیس کی کہانی سنا دے گا۔ کہے گا پولیس اس کے پیچھے تھی۔ لہذا اس نے سوٹ کیس میں نوٹوں کی بجائے ردی کاغذ بھر لیا تھا۔

## شکار

دوسرے دن بارہ بجے فریدی نے سارے شہر کے اوٹوں پر چھاپے مار کر کوکین بھی برآمد کی اور لوگوں کو بھی گرفتار کیا۔ شام رات ہی کو ڈکسن نے انہیں کسی خطرے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ڈبگی بھی گرفتار کر لیا گیا۔ وہ شام بھاگنے ہی کی فکر میں تھا لیکن فریدی کی بلیک فورس سے بچ کر کہاں جاتا.... حد یہ ہو گئی کہ ڈکسن نے اپنے آفس سے بھی کوکین کی کافی مقدار برآمد ہو جانے کی خبر بھی کیا اس کی ماسکیم تو خاک ہی میں مل چکی تھی.... اب تو ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے لائبریر تک کو ہتھکڑیاں لگ جانے دیتا۔ بہر حال ان گرفتار شدگان کے خلاف راجیلہ بہترین گواہ تھی۔ جب اسے ڈاکٹر زینو کی شخصیت کا علم ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ اب بھی شاؤ ہی میں مقیم تھی۔ وہاں کے قیدی بھی سرکاری حوالات میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔

لائبریر نے اپنی جو داستان بیان کی وہ بھی ان لوگوں کے بیانات سے مختلف نہیں تھی، جو اس کو اسے کسی قسم کا بھی تعلق رکھتے تھے! یعنی لائبر کو بھی زبردستی اس پیشے میں لایا گیا تھا، جب

جیس بارٹلے کی فرم میں اس کی تحویل سے زیورات چوری ہوئے تو اس کے خلاف کوئی قانون کاروائی نہیں کی گئی تھی۔ صرف ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ لیکن تیسرے ہی دن اسے پولیس نے دھریا اور اپنا شبہ ظاہر کیا کہ وہ چوروں کے کسی بہت بڑے گروہ سے تعلق رکھتا ہے دو دن تک وہ بند رہا پھر اچانک اس سے کہا گیا کہ اس نے جیس اینڈ بارٹلے کی تحویل سے خودی زیورات غائب کئے تھے۔ لا بھر یہ نہیں بتا سکا کہ پولیس کو کن ذرائع سے جیس اینڈ بارٹلے والے کیس کا علم ہوا تھا۔ خود فرم کی طرف سے تو کسی قسم کی بھی کاروائی نہیں کی گئی تھی۔ پھر تیسرے دن لا بھر کو معلوم ہوا کہ وہ کسی کی تصدیق اور سفارش پر چھوڑا جا رہا ہے۔ وہ بھی چھوڑ دیا گیا لیکن اسے اس کا علم نہ ہو سکا کہ سفارش کرنے والا کون تھا۔ پھر لا بھر نے بھی پولیس کو یہی کہانی سنائی کہ کسی نے اسے فون پر دھمکیاں دے کر غشیات کی ناجائز تجارت پر آمادہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ اگر اسے گرفتار کر لیا تھا اور وہی اس کی رہائی کا باعث بنا ہے۔ اگر اس نے اس کے احکام کی تعمیل کی تو اسے آئے دن پولیس سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے خلاف کہیں بھی شنوائی نہ ہو سکے گی۔ پھر کچھ دنوں بعد اس نے ڈکسن کے آفس میں ملازمت بھی کر لی تھی تاکہ اس کا شمار معززین میں ہوتا رہے اور کوئی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ فریدی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ وہ صرف کوکین کی تقسیم کا ذمہ دار تھا۔ کیش اس کے پاس کبھی نہیں آیا۔ خود اس کا کارٹ الگ تھا اسے بیس ہزار روپے ماہوار کی شکل میں مل جایا کرتا تھا اور اسے اپنے فلیٹ کی میز کی دروازے میں یہ رقم ملا کرتی تھی۔ یہ تو نہیں بتا سکا کہ رقم اس کے فلیٹ میں کون پہنچایا کرتا تھا۔ دن بھر آفس میں رہتا تھا اور فلیٹ اس دوران میں خالی ہوتا.... کوئی بھی تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی دکھا فلیٹ میں داخلہ ہو سکتا تھا۔ فریدی کے سوال کے جواب میں اس نے بتایا کہ اسے مسٹر ڈکسن کبھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے فریدی کے اس خیال کو مضحکہ خیز قرار دیا کہ ڈکسن خود ہی اس کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ ڈکسن کا معاملہ سختی سے دبا دیا گیا تھا اس لئے عوام کے کانوں میں اس کی بھینک بھی نہیں پڑنے پائی تھی۔ لہذا لا بھر بھی پچھلی رات والے واقعہ سے لاعلم تھا۔ بہر حال اس کے اس بیان سے فریدی نے اندازہ کر لیا کہ اس کے ملازمین عام طور پر اس سے ناخوش رہتے تھے اور اس کے بارے میں ایسی اچھی رائے رکھتے تھے کہ انہیں اس کے کسی گروہ کے سر ہونے کا یقین کبھی نہ آتا.... تو پھر یہ ڈکسن کچھوے کی طرح محفوظ اور سخت تھا۔

عام آدمیوں کو پچھلی رات کے کیس کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا لیکن کم از کم فریدی کے آفس میں تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔

جنہیں فریدی کی موجودگی میں ابھرنے کا موقع نہیں ملا تھا وہ اس پر فقرے چست کر رہے تھے۔ بھپٹیاں کہہ رہے تھے۔ مگر فریدی نے اس طوفان کا مقابلہ بڑی خندہ پیشانی سے کیا۔ البتہ حیدر کو اپنا استغفی جیب ہی میں لئے پھر رہا تھا۔ منتظر تھا کہ کب فریدی استغفی دے اور وہ بھی اپنا استغفی پھینک دے.... لیکن تین دن تک تو ایسا نہیں ہوا.... آخر حیدر پر جھلاٹ کا دورہ پڑا۔

”کہاں سو گئی ہے آپ کی حمیت۔“ اس نے دانت پس کر کہا۔

”خیریت....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”آپ استغفی کب دیں گے۔“

”عقل چرنے لگی ہے کیا....؟ استغفی کیوں دوں۔“

”خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ احساس بے بسی کا شکار تو ہوئے۔“ حیدر نے جلعے لہجے میں کہا۔

”تم غلط فہمی میں مبتلا ہو فرزند! ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جس کی بناء پر استغفی دینا پڑے۔“

”تو پھر واقعی آپ نے غلط قدم اٹھایا تھا۔“

”نہیں.... میرا قدم بچا ملا تھا۔ مجھ سے اندازے کی بھی غلطی نہیں ہوئی تھی۔“

”تو پھر یہی کہنا چاہئے کہ آپ نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔“

”شکست جسے کہتے ہیں حیدر صاحب۔ وہ صرف میری لاش ہی پر سے گذر سکتی ہے۔“

فریدی اٹھ کر ٹیبلنے لگا.... حیدر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا.... جب خاموشی کا وقفہ طویل

ہونے لگا تو حیدر نے کہا۔ ”اب آپ دعا مانگئے کہ اللہ کرے ڈکسن مر جائے۔“

”مرنا تو اسے پڑے گا حیدر صاحب۔“ وہ ٹیبلتے ٹیبلتے رک کر بولا۔ ”اس نے درجنوں قتل کئے

ہیں.... اسٹیشن پر جس قتل کے اس نے چھری ماری تھی وہ بھی ہسپتال میں مر چکا ہے۔ شاید اسے

شہر ہو گیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس نے تعاقب کرنے والے پر اپنی ہیبت بٹھانے

اور اسے جینوں کی طرف متوجہ کر لینے کے لئے اس قتل کو چھری ماری تھی۔ میں تم سے کیا بیان

کرداں کہ اس کی چیخ کتنی بھیانک اور دلدوز تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو چپک کیا تھا۔ میری

جگہ کوئی بھی ہوتا آواز کی طرف دوڑتا چلا جاتا اور ڈکسن دوسری طرف سوٹ کیس سنبھال کر اپنی

راہ لگتا۔ قتل پر حملہ کرنے کا مقصد قتل سے زیادہ صرف زخمی کر دینا تھا تاکہ وہ وہیں گر کر چنبرہ کر اہتا رہے اور اس کی تاک میں ادھر ادھر چھپے ہوئے لوگ اس کی طرف دوڑ جائیں۔  
”میں تو بچ دوڑ گیا ہوتا۔“ حمید نے کہا۔

”مگر میرے افعال صرف قوت ارادی کے پابند ہیں۔ دوسری تحریکات کم ہی میرے جسم اثر انداز ہوتی ہیں۔“

• ”ختم کیجئے۔ میں ہم چشموں کی بھینچاں سنتے سنتے تنگ آ گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں فوراً استعفیٰ دے دینا چاہئے۔“

”بہت ہی بچکانہ اور احتمالی خیال ہے۔ ارے بھی یہ وزراء صاحبان آج ہیں کل نہ ہوں گے اور پھر ہو سکتا ہے کہ وزیر داخلہ کی دانست میں وہ حقیقتاً کوئی شریف اور نیک آدمی ہو۔ اس کا کام ایسا ہی ہے کہ کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وزیر داخلہ کو یہی غلط فہمی ہوئی ہو کہ میں نے ڈکسن کو سمجھنے میں غلطی کی ہے اور انہوں نے اپنی دانست میں مجھ پر بھی رحم فرمایا ہو کہ معاملہ کو آگے نہیں بڑھنے دیا کیونکہ بھئی بہر حال میں بھی کچھ ٹوٹی پھوٹی سی حیثیت تو رکھتا ہی ہوں۔“  
”اب اور بھی ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئی ہے۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

پھر بولا۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اور آئی جی کی نظروں میں لا بیر ایک شریف اور نیک آدمی ہے۔ انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ وہ ان بد معاشوں کو کیوں پناہ دیتا رہتا ہے۔ ان کے علم میں وجہ لائی گئی تھی وہ قطعی مناسب اور جائز تھی۔۔۔۔۔ مثلاً ڈبگی کو پناہ دینے کے سلسلہ میں اس شکایت کی تھی کہ ڈبگی اس کے دفتر کے ایک چڑا سی کو دھمکا رہا تھا ہے۔۔۔۔۔ لیکن ڈبگی کو پینے والا کسی خاص آدمی کا حوالہ دیے بغیر صرف اتنا ہی کہا جاتا تھا کہ اس نے لوگوں کو دھمکیاں دینا چھوڑا تو اس کی ہڈیاں توڑ دی جائیں گی۔۔۔۔۔ خود ڈی۔ ایس۔ پی صاحب تو پینے سے رہے۔ یہ کام معمولی کا ٹیبل سر انجام دیتے تھے ان کی جیبوں میں دس دس کے نوٹ ڈالے گئے اور جس طرح جی چاہا پڑا لیا۔“

”ارے چھوڑیے ان قصوں کو۔۔۔۔۔ آپ کہہ رہے تھے کہ ڈکسن نے کچھ قتل بھی کئے تھے۔“  
”ہاں! اگر وہ کے مختلف لوگوں نے بتایا ہے کہ اکثر ان کے ساتھی ایک بیک غائب بھی ہو۔“

رہے ہیں، جو پھر کبھی نہیں دکھائی دیتے۔ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوتی تھی اور وہ ختم کر دیئے جاتے تھے اور انہیں ان کے مکان کے قریب ہی کہیں دفن کر دیا جاتا تھا۔“  
”اس کا پتہ۔۔۔۔۔ کیسے چل گیا کہ وہ دفن کر دیئے جاتے تھے۔“  
”میں نے بعض جگہوں کی کھدائی کر کے کچھ پتھر برآمد کئے ہیں۔“  
”مگر جگہوں کا علم آپ کو کیسے ہوا۔“

”لا بیر نے بہت کچھ بتایا ہے۔۔۔۔۔ مثلاً ایک رات اس نامعلوم آدمی کی طرف سے فون پر حکم ملا کہ وہ ایک آدمی کے مکان کی کمپاؤنڈ میں ایک قد آدم گڑھا کھدوائے۔ یہ کام راتوں رات ہونا تھا۔ لا بیر نے گڑھا کھدوایا۔ مکان مقفل تھا اور لا بیر جانتا تھا کہ مالک مکان بھی گروہ ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسری صبح اس نے دیکھا کہ گڑھا برابر ہو گیا ہے اور اس دن سے پھر وہ آدمی بھی نظر نہیں آیا۔ مکان مقفل ہی پڑا رہا۔“

”تو وہ قاتل ہونے کے باوجود بھی اپنی گردن صاف بچالے گیا۔۔۔۔۔ کیوں؟“ حمید نے کہا۔  
”یاد دماغ نہ کھاؤ۔۔۔۔۔ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ وہ گردن بچالے گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اسے مرنا پڑے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں جا کر کوشش کرتا ہوں۔“

”کیا کرو گے۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔!“

”جا کر آنکھ ماروں گا شاید اللہ کی مہربانی ہو۔۔۔۔۔ مر ہی جائے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔  
”نفع ہو جاؤ۔۔۔۔۔ مگر خبردار۔۔۔۔۔ اس سے کسی قسم کی چیز چھاڑ مت کرنا۔“

”کیوں۔۔۔۔۔“ حمید چلتے چلتے رک کر مڑا۔

”اُسے جب غصہ آتا ہے تو اس پر دیوانگی سی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے۔“

”ارے آپ مجھے ڈرا رہے ہیں اس سے۔“ حمید نے اکڑ کر کہا۔

”جاؤ۔۔۔۔۔ میں نے تمہیں ایک بات بتائی ہے۔“



تقریباً پندرہ دن بعد جشن جمہوریہ کے سلسلے میں کیپٹن حمید اور کرنل فریدی کی ڈیوٹی قصر

جوہک مارا.... جناب....!“

حمید کانپ کر رہ گیا۔ فریدی اس وقت بڑے بھولے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ لیکن حمید کو وہ تباہ کن آواز لگ رہا تھا اس کا دل ہی جانتا تھا.... کچھ ہی دن پہلے اس نے کہا تھا۔ ”جسے شکست کہتے ہیں حمید صاحب وہ صرف میری لاش ہی پر سے گذر سکتی ہے اور ڈکسن قاتل ہے اس لئے اسے مرنا ہی پڑے گا۔“

مگر اس وقت یہ سب کچھ کیسے ہوا ہوگا؟.... اس کے فرشتے بھی اس کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔

وہ صدر مملکت کی آنکھوں کے سامنے مرا تھا.... اس پر صدر مملکت کے باڈی گارڈ نے گولی چلائی تھی.... فریدی خالی ہاتھ تھا اور فریدی ہی کے ریوالور سے ڈکسن فریدی پر گولیاں برساتا ہوا باڈی گارڈ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

حمید ایک بار پھر کانپ گیا.... فریدی پھر فریدی ہے۔ شکست کو لازمی طور پر اس کی لاش ہی پر سے گذرنا پڑے گا۔

لاش کے قریب سے بھیڑ بھائی جانے لگی.... فریدی کو کچھ آفیسر دوسری طرف لے کر چلے گئے ان میں صدر مملکت کا پرسنل سیکریٹری بھی تھا جسے صدر نے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ ڈکسن کا ذہنی توازن درست نہیں تھا۔ بلاوجہ اس نے یہ خونی کھیل شروع کر دیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”ویسے کچھ ہی دنوں پہلے کی بات ہے....“

اس کے محکمہ کے ڈی۔آئی۔ جی نے اسے گھور کر دیکھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”ہمارے ملاقات نیا گره میں ہوئی تھی، تب تو بالکل ٹھیک تھا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی ندیلی بھی تھی۔“

ڈی۔آئی۔ جی دوسری طرف دیکھنے لگا.... فریدی نے اس حادثہ کے متعلق صدر کے پرنسپل سیکریٹری کو وہی بتایا جو پہلے بتا چکا تھا۔



ایک رات کو ندیلی نے ایک پریس رپورٹر کو بیان دیا کہ ادھر کچھ دنوں سے ڈکسن کی ذہنی

صدر میں لگائی گئی۔ شہر کے عمامدین وہاں مدعو تھے۔

چونکہ بارش کے آثار تھے اور اس سے پہلے بھی اتنی بارش ہو چکی تھی کہ لان بیکار ہو کر گئے تھے اس لئے دعوت کا انتظام ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا تھا۔

حمید ہال ہی میں تھا اور اس کی روح تازہ ہوئی جا رہی تھی.... کیونکہ وہاں حسن ہر رنگ میں نظر آرہا تھا۔

اچانک اس نے فار کی آواز سنی لیکن اندازہ نہ کر سکا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔ لیکن ہال اس نے شور بھی سنا اور ہال میں کھلبلی مچ گئی۔ ایک فار پھر ہوا اور اب اس نے فریدی کو چیخے سنا کہہ رہا تھا۔ ”ڈکسن تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کہتا ہوں ریوالور پھینک دو۔“

اور پھر فریدی بھاگتا ہوا ہال میں آگیا۔ اس کے پیچھے ڈکسن تھا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھم رہا تھا۔ فریدی اس طرف پیچھے ہٹنے لگا جلدھر آدمی نہیں تھے۔ ساتھ ہی وہ کہتا جا رہا تھا۔ ”تم پاگل ہو گئے ہو ڈکسن ریوالور پھینک دو۔ یہ قصر صدر ہے۔ ریوالور پھینک دو۔ ورنہ کسی کے گولی مار جائے گی۔“

ڈکسن نے پھر فار کیا اور فریدی خود کو بچاتا ہوا چیخا۔ ”کوئی اس کے قریب نہ آئے یہ پاگل ہو گیا ہے۔“

ریوالور سے پھر شعلہ نکلا۔ فریدی نے پھر جھکائی دے کر خود کو بچایا۔ مگر ٹھیک اسی وقت فار پھر ہوئے.... اور ڈکسن دھم سے فرش پر چلا آیا۔

صدر کے دو باڈی گارڈز کے ریوالوروں سے دھوئیں کی لکیریں نکل رہی تھیں، اب کسی تک حمید کو عقل آنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا اس نے ڈکسن پر فار نہیں کیا۔ ورنہ ریوالور تو اس کے ہولسٹر میں موجود ہی تھا۔

سب سے پہلے اس کے محکمہ کا ڈی۔آئی۔ جی فریدی کے پاس پہنچا۔

”یہ کیا ہوا.... کیسے ہوا۔“ وہ اس کا بازو جھنجھوڑ کر بولا۔

”کچھ نہیں جناب۔“ فریدی بلند آواز میں بولا۔ ”میں احکامات کے مطابق مہمانوں کی حفاظت لے کر اندر بھیج رہا تھا کہ یہ حضرت تشریف لائے۔ جب میں جھک کر ان کی جیبوں پر ہاتھ لگا

تھا انہوں نے میری ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لیا.... میں اچھل کر پیچھے ہٹا اور انہوں نے

حالت درست نہیں تھی۔ اس نے اس دوران میں فدیلی کو چڑے کے چابک سے مارا بھی تھا۔ فدیلی نے پریس رپورٹر کو اپنے بازوؤں اور شانوں پر نیلے نشانات دکھائے اور بتایا کہ ڈکسن نے اسے قید کر دیا تھا۔ ایک کمرے میں بند رکھتا تھا اور ملازموں سے کہتا تھا کہ مادام کی ذہنی حالت خراب ہو گئی ہے اس لئے اب کسی وقت بھی کمرے سے نہ نکلنے دیا جائے۔

کئی پریس رپورٹر ڈکسن کی کوٹھی کے گرد منڈلا رہے تھے۔ لیکن صرف وہی ایک رپورٹر فدیلی تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا.... یہ اشارہ کرنا کہ رپورٹر انور تھا۔

جب وہ باہر نکلا تو دوسرے رپورٹروں نے اسے گھیرنا چاہا لیکن وہ ان سے پیچھا چھڑا کر سیدم فریدی کے پاس آیا اور اسے فدیلی کے بیان سے آگاہ کیا۔

”ٹھیک ہے اس کا بیان اشارہ میں جانے دو۔“ فریدی نے کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا....!“ انور تشویش کن لہجے میں بولا۔ ”اس کہانی میں کہیں کوئی

ایسی چیز ضرور ہے جسے کباب میں ہڈی کہا جاسکے۔“

”ہوگی۔“ فریدی نے لاپردائی سے کہا پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ”کیا

بیٹے! تم رپورٹروں کا فن مجھ پر آزمانا چاہتے ہو۔ یہاں کچھ بھی نہ مل سکے گا۔“

”ارے.... توبہ توبہ....!“ انور اپنے کان پکڑ کر منہ پیٹتا ہوا بولا۔ ”میں نے سوچا تھا

ممکن ہے کوئی ایسی خاص بات بھی ہو، جو آپ اس خادم سے نہ چھپائیں۔“

”جاؤ یار کان نہ کھاؤ۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”یہ پریس رپورٹر نہ جانے کیوں مجھے بالکل گد

معلوم ہوتے ہیں۔ ڈنگر مر گیا چلو نوچیں۔“

کچھ دیر تک حمید اور انور کی چوٹیں چلتی رہیں پھر انور اٹھ گیا۔

فریدی نے فون پر فدیلی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے فدیلی ہی کی آواز آئی۔

”میں کرٹل فریدی ہوں۔“

”اوہ.... کرٹل.... تم افسوس نہ کرنا۔ سب تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں فید

ہوتی تو تمہیں آگاہ کر دیتی کہ اس سے ہوشیار ہو۔“

”کیوں.... کیا بات تھی۔“

”مجھے وزیر داخلہ سے معلوم ہوا تھا سب کچھ۔ آپ نے شاید کوکین کے بزنس کا الزام ای

بجایا تھا۔“

”مگر میں نے غلط تو نہیں لگایا تھا۔ کیا تم بھی نہیں جانتیں کہ جنگلی سور وہ خود ہی تھا اور مجھے اس جال میں محض اس لئے پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر کبھی یہ بات کھل جائے تو کسی کو یقین آسکے۔ اس کے دفتر سے یقینی طور پر بزنس ہوتا تھا اور وہ خود پورے گردہ کا سرغنہ تھا مگر دفتر الے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سرغنہ ڈکسن ہی ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ میں تو لا بر بھی دھوکا کھا گیا تھا۔“

”مگر اس نے تمہیں خواہ مخواہ کیوں جھوٹا تھا۔“

”یہ خدشہ دل سے نکالنے کے لئے کہ کبھی فریدی سے نہ منڈ بھیڑ ہو جائے۔ وہ فریدی ہی پر

چڑھ دوڑا۔ اس طرح کچھ دن دو دو ہاتھ ہونے پر فریدی کا خوف بھی جاتا رہا اور شاید اس نے یہ

سوچا تھا کہ اس طرح وہ مجھے احساس بے بسی میں مبتلا کر دے گا۔“

”قسم کھاتی ہوں کرٹل کہ میں دیدہ دانستہ اس سازش میں شریک نہیں ہوئی تھی۔ میں کچھ

نہیں جانتی تھی۔ مجھ پر تو اس وقت حقیقت واضح ہونے لگی تھی۔ جب وہ تمہارے ہاتھوں پٹ کر

لہراہیں آیا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ تو سب کچھ جانتی تھی۔ تو نے فریدی کو بتایا، تو اس سے

باجز تعلقات قائم کرنا چاہتی ہے۔ مگر میں تجھے اس عمارت میں سزا دوں گا۔ پھر اس نے چابک

سے مارا تھا۔ بہت بے دردی سے چابک برسائے تھے اور ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ اس کی ذہنی

حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اگر ان دنوں فون تک میری رسائی ہوتی تو میں نے تمہیں باخبر

کر دیا ہوتا۔ اب دیکھو نا.... آخر وہی بات ہوئی جس کا مجھے خدشہ تھا.... خدا نے تمہیں بچا لیا ورنہ

تم اس کی دیوانگی کے شکار ہو گئے ہوتے۔ مجھے تو اس سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں رہ گئی۔“

”اچھا دیکھو اب کوکین وغیرہ کا تذکرہ نہ آنے پائے ورنہ اگر بات پھیل گئی تو تمہارے

مستقبل کیلئے اچھا نہ ہوگا.... غالباً وزیر داخلہ بھی اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کریں گے۔“

”میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گی.... میں نے خود ہی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔“

”کیا حقیقت ہے کہ اس دن تم نے اس کے جسم پر نیل دیکھے تھے جب تم میرے یہاں سے

والیں گئی تھیں۔“

”ہاں نیل تھے۔ بالکل ایسے ہی نشانات تھے جیسے چابک سے مرمت کی گئی ہو۔ لیکن یہ بھی فراڈ



بیٹھے۔ ہوا یہ کہ میں ایک کمرے میں بیٹھا ایک مہمان کی تلاشی لے کر اسے ہال میں بھیج رہا تھا۔ چونکہ اسکیم پہلے ہی سے میرے ذہن میں تھی۔ اس لئے میں نے عورتوں کی تلاشی کا انتظام دوسرے کمرے میں کر دیا تھا۔ وہاں دیکھا عورتوں کی تلاشی لے رہی تھی اور ادھر میں مردوں کو دیکھ رہا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی مہمان کمرے میں آئے.... کچھ دیر بعد ڈکسن صاحب تشریف لائے اور انہوں نے مجھے دیکھ کر بہت بُرا سا منہ بنایا لیکن کرتے کیا.... میں ان حضرت کی تلاشی لینے لگا اور اسی دوران میں چپکے سے اپنا ریوالتور ان کی جیب میں کھسکا دیا۔ کوٹ کی جیب تھی، فوراً ہی وزنی ہو گئی۔ انہیں بھی احساس ہو گیا اور وہ پیچھے ہٹے ہی تھے کہ میں نے گریبان پڑایا اور کہا کہ بیٹے تم یہاں ریوالتور لے کر کیوں آئے ہو۔ آخر ہوتا چہارن کی اولاد۔ میں تم پر غور کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر تھوک بھی دیا اس کے منہ پر.... بس پھر کیا تھا۔ آگیا غصہ شیر کو اور عقل کھوپڑی سے نکل کر نیویارک پہنچ گئی۔ بس اس نے میرا ریوالتور اپنی جیب سے نکال کر مجھ پر جھونک مارا۔ میں نے ہال کا راستہ لیا۔ اسکیم یہی تھی کہ باڈی گارڈ اسے ختم کر دیں۔ ویسے میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تمہاری عقل بھی نہ اس کی عقل کو لگا کر بیٹھے اور پہلے تم ہی اس پر فائر جھونک مارو.... مگر خیر خدا کا شکر ہے کہ تمہاری عقل تمہاری کھوپڑی ہی میں رہ گئی تھی۔“

حمید سنائے میں آگیا۔ وہ فریدی کو سگڑا سلگاتے دیکھ رہا تھا.... لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی آتش عنقریب بیٹھا جلتی ہوئی لکڑی چہار ہا ہو۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

دوسرے دن کے اخبارات میں فدیلی کا بیان آگیا۔ لیکن فریدی کے جھگے کا ہر فرد یہی سوچ رہا تھا کہ کباب میں ہڈی ضرور تھی۔

ویسے حقیقت حمید کے علاوہ اور کسی کو آج تک نہ معلوم ہو سکی۔

راحیلہ کو کین فرودشوں کے مقدمے میں سلطانی گواہ بنائی گئی تھی.... وہ جب بھی حمید سے ملتی اس پر چھینکوں کا دورہ پڑ جاتا۔ وہ جھینکتی رہتی اور حمید اسے بُرا بھلا کہتا رہتا۔

ختم شد

تھا۔ اس کی حقیقت بھی اس وقت ظاہر ہوئی تھی جب اس نے مجھے چابک سے مارا تھا۔ میں نے کہا کہ میں اس ظلم کے خلاف رپورٹ درج کرواؤں گی لیکن وہ اس پر ہنس پڑا تھا اور کہا تھا کہ وہ میرے جہم پائے جانے والے نشانات کو فرائڈ ثابت کر دے گا۔ پھر اس نے الماری سے ایک شیشی نکالی جس میں کوئی بے رنگ سیال تھا۔ اس نے روٹی کی بھریری اس سیال میں ڈبو کر میری کلائی پر ایک لکیر کھینچ دی اور وہ لکیر مجھے آگ کی لکیر معلوم ہونے لگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اتنی جگہ پر جہاں سیال تھا ایک نیلے رنگ کی لکیر ابھر آئی، جو چابک کی ڈالی ہوئی لکیروں سے مختلف نہیں تھی۔“

پھر فریدی نے دو چار رسمی جملوں کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

”میں نے عرض کیا.... وہ کباب میں ہڈی۔“ حمید کھنکھار کر بولا۔

”انور کا اندازہ غلط نہیں تھا۔“ فریدی مسکرایا۔ ”ارے بھی کسی کو بھی میرے بیان پر یقین نہیں ہے۔ لیکن کل کے اخبارات فدیلی کا بیان چھاپ کر میرے بیان کی تائید کر دیں گے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ اس کی بیوی کی طرف سے میرے بیان کی تائید ہو گئی ورنہ وہ بچارہ قطعی الدماغ تھا حمید صاحب۔“

”کیا مطلب....!“

”میں نے اسے اسی وقت تازہ تازہ پاگل بنایا تھا۔“ فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اس ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ بچل رہی تھی۔

”اگر میں پاگل ہو گیا تو آپ پر فائر بھی نہ کر سکوں گا۔“ حمید جل کر بولا۔ ”کیونکہ میرا پاس بیوی بھی نہیں ہے، جو آپ کے بیان کی تائید فرما دے گی۔“

”جھلسو نہیں! بتانا ہوں.... مجھے اس دوران میں اس کی بہتری کمزوریاں معلوم ہوئیں۔ سب سے بڑی کمزوری تو یہ تھی اس میں کہ وہ شدید غصہ کی حالت میں اپنی عقل کھو بیٹھا تھا۔ لیکن ضرورت کسی ایسی حرکت کی تھی، جو اسے اتنا ہی غصہ دلا سکے، جتنے غصے کی حالت اس کی عقل کا تیاپانچہ ہو جاتا تھا۔ دوسری کمزوری اس میں یہ تھی کہ وہ چریشین تھا اور اپنی اصل کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کی ماں دراصل چہارن تھی اور ایک انگریز آفیسر کے یہاں کے فرائض انجام دیتی تھی۔ اس کا تعلق کسی انگریز سے ہو گیا اور ڈکسن صاحب معرض وجود آئے.... بس اس وقت اس کی پیدائش کا حادثہ یاد آگیا تھا۔ اس لئے وہ غصہ میں اپنی عقل

## جاسوسی دنیا نمبر 78

پیشرس

## آوارہ شہزادہ

آوارہ شہزادہ کی کہانی حاضر ہے.... کہانی میں نیا پن بھی آپ کو مل جائے گا لیکن تھیم نیا نہیں ہے۔ نئے تھیم آئیں بھی کہاں سے.... جو کچھ عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔ اسی سے کہانیاں بھی مرتب کی جاتی ہیں.... اور ایک ہی بات ہزار طرح سے کہی جاتی ہے۔ بس کہنے کا اندازہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اگر ایک ہی بات یکساں انداز میں دس بار دہرائی جائے تو آپ بور ہو جائیں گے۔ لیکن اگر کہنے کا انداز بدلتا رہے تو آپ کو پسند بھی آئے گی اور نئی بھی معلوم ہوگی.... مثال کے طور پر اگر کوئی بیمار متواتر کراہ رہا ہو.... ”ہائے میں مرا.... ہائے میں مرا“ تو آپ شدت سے بور ہوں گے۔ لیکن اگر اچانک کہہ اٹھے ”ہائے بیمار دار بھی مرے۔“ تو آپ بیساختہ ہنس پڑیں گے۔ بات تو ایک ہی ہوئی یعنی مریض کی تکلیف جس کا اظہار وہ پہلے سیدھے سادے الفاظ میں کر رہا تھا اور آپ بور ہو رہے تھے تو کہنے کا مطلب یہ کہ بات کہنے کا انداز بدلتا رہنا چاہئے۔

(مکمل ناول)

ادھر بہت دنوں سے عمران سیریز کے خاص نمبر کا تقاضہ جاری ہے.... لیکن میرا وہی حال کہ ”ہائے میں مرا“ نہیں گھبرائیے نہیں نہ میں مریض ہوں اور نہ آپ بیمار دار! اس لئے میں خدا نخواستہ اس بات میں نیا پن پیدا کرنے کی کوشش نہیں کروں گا.... گذارش یہ ہے کہ عمران سیریز کا خاص نمبر بھی جلد ہی پیش کیا جائے گا۔ مگر جاسوسی دنیا کے خاص نمبر کے بعد....!

آوارہ شہزادہ کے بعد جاسوسی دنیا کا خاص نمبر ”چاندنی کا دھواں“ پیش کر رہا ہوں۔ کوشش یہی ہے کہ یہ بہتر سے بہتر ہو.... آپ کی خواہش کے مطابق اس میں کچھ تھوڑا سا ”طلسم ہو شربائی“ عنصر بھی ہو گا، جسے آپ سائنس فکشن کہتے ہیں اور میرا کوئی ایسا ناول پڑھنے کے بعد مجھے یہ ضرور لکھتے ہیں کہ ”ہاں.... یہ تھا زور دار“

پچھلا ناول ”اونچا شکار“ آپ کو پسند آیا۔ اس کے لئے شکریہ قبول فرمائیے۔ جی ہاں بس! ہر کہانی کا اپنا مقدر ہوتا ہے اور وہ مقدر سو فیصدی میرے موڈ سے وابستہ ہے۔ اگر کہانی اچھے موڈ میں شروع کی تو مقدر بن گیا! ورنہ خیر اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میری کوئی کہانی بالکل ہی چوٹ گئی ہو! کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی ہے، اس میں جس کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔“

اب کہانی شروع کیجئے....!

ابنِ صفیر

۳۰ اگست ۱۹۵۸ء

## خود کشی

بادلوں کی گرج سے شہر کی اونچی عمارتیں تھرا رہی تھیں۔

بارش شام سے اب تک نہیں تھمی تھی۔ کبھی کبھی زور ضرور کم ہو جاتا تھا لیکن پھر یک بیک بجلیاں کوندتیں بادل گرجتے اور پھر وہی موسلا دھار۔

لیڈی داؤد نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایسے موسم میں بھی اس کا حسین چہرہ کم لایا ہوا تھا اور وہ اپنی عمر سے دس سال زیادہ کی معلوم ہو رہی تھی۔ بائیس تیس سال کی عمر ایسی نہیں ہوتی کہ آنکھیں دیران ہو کر رہ جائیں۔ ان میں جوانی کی ہلکی سی پرجھائیں بھی نہ نظر آئے۔

پھر وہ میز کی طرف پلٹ آئی.... اور اس چھوٹی سی مشین کو گھورنے لگی جس کے لیبل پر سرخ حروف میں ”زہر“ لکھا ہوا تھا۔

وہ دو گھنٹے سے سر داؤد کی منتظر تھی اور یہ دو گھنٹے اس نے اسی طرح گزارے تھے۔ کبھی بائنی پڑھتی جاتی اور کبھی میز کی طرف واپس آکر اس شیشی کو گھورنے لگتی.... یہ دو گھنٹے اسے ایسے ہی لگتے تھے جیسے بیس سال گزر گئے ہوں.... اس کے چہرے پر بھی کم از کم بیس ہی سال کی تھکن نظر آ رہی تھی۔

میرا بچی کو چھوڑ کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔



دوسری صبح کرل فریدی ناشتے کی میز پر پہنچای تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے حمید کو کال ریسیو کرنے کا اشارہ کیا.... حمید اٹھا تو تھا مگر حلوے کی پلیٹ بھی اس کے ساتھ ہی فون والے کمرے میں چلی گئی۔

اور پھر جب وہ وہاں سے واپس آیا تو اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور حلوے سے دونوں ہونٹوں کی درمیانی خلاء پر نظر آ رہی تھی۔

پلیٹ میز پر رکھ کر اس نے سارا حلوہ ایک ہی بار حلق سے اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: ”ڈو... ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔“

فریدی سینڈ وچ ہاتھ سے رکھ کر اٹھ گیا۔

دوسری طرف ڈی۔ آئی۔ جی ہی تھا۔

”دیکھو بھی۔“ وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ ”تمہیں بذات خود تفتیش کرنی ہے۔ پچھلی رات

لیڈی داؤد نے خود کشی کر لی۔ حالات ایسے ہیں کہ اسے کسی گھر یلو جھگڑے کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا۔“

”لیڈی داؤد....!“ فریدی نے کہا۔ ”میں یہ نام سن چکا ہوں۔ غالباً سرداؤد وہی ہیں جن کا ہوٹل دی فرانس ہے۔“

”وی... وی...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”پچھلی رات وہ اپنے ایک ہوٹل میں

حسابات کی دیکھ بھال کر رہے تھے.... غالباً ہوٹل دی فرانس ہی کی بات ہے.... ساڑھے گیارہ

بجے کسی نے فون پر انہیں اطلاع دی کہ لیڈی داؤد کچھ دیر پہلے ڈی کس میڈیکل اسٹور میں زہر

خریدنے آئی تھیں۔ فیجر نے ان سے معذرت طلب کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ زہر کے لئے

انہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا اجازت نامہ پیش کرنا پڑے گا۔ پھر فیجر کسی کام سے اندر چلا گیا اور

لیڈی داؤد نے ایک سیلزمین کو پچاس روپے بطور رشوت دے کر زہر حاصل ہی کر لیا۔ یہ بات فیجر

کے علم میں اس وقت آئی جب لیڈی داؤد کی کار حرکت میں آگئی تھی۔ فون پر گفتگو کرنے والے

سے خود کو میڈیکل اسٹور کا مالک ظاہر کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر زہر پوری مقدار میں واپس نہ کیا گیا تو

اسے آج کی رات ہر حال میں مر جانا تھا۔ وہ دوسری صبح نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اس خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے سرداؤد سے ضرور گفتگو کرے اور یہ گفتگو اس کی ایک سالہ ناہید کے علاوہ اور کسی کے متعلق نہ ہوتی، جو برابر والے کمرے میں سو رہی تھی۔

لیڈی داؤد کے ذہن میں اس وقت ناہید اور زہر کی شیشی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک کے مستقبل کی اسے فکر تھی اور دوسری خود اس پر مستقبل کے دروازے بند کرنے والی تھی۔ دونوں ہی اہم تھیں۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ سرداؤد کی واپسی عموماً کافی رات گئے

کرتی تھی۔ وہ پچاس سے تجاوز کر چکا تھا لیکن شادی کو صرف تین سال ہوئے تھے۔ یعنی یہ پہلی

لیڈی داؤد تھی۔ گھر سے اتنی رات گئے تک باہر رہنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے لیڈی داؤد

دلچسپی نہیں تھی۔ اس پر تو وہ جان دیتا تھا۔ حقیقتاً یہ کاروبار کا معاملہ تھا۔ شہر میں اس کے تین بہت

بڑے ہوٹل تھے جس کے روزانہ کے حسابات کی جانچ پڑتال میں اسے کافی دیر ہو جاتی تھی۔

.... ویسے ان ہوٹلوں کے علاوہ بھی مختلف قسم کے کاروبار تھے۔ لیکن وہ ان ہوٹلوں میں ذاتی

پرد لچپی لیتا تھا۔

لیڈی داؤد کی ذہنی رو، اب سرداؤد کی طرف مڑ گئی تھی۔ وہ کیا سوچے گا.... وہ کیا کرے

گا.... اس کا کیا حشر ہوگا! اس بڑھاپے میں بھی وہ کسی نفع سے بچنے کی طرح اس کی نظر التفات

منتظر رہتا تھا۔ کچھ بھی ہو.... کچھ بھی ہو۔ اسے مرنا ہی پڑے گا۔

اچانک برابر والے کمرے میں ناہید چیخ کر روئی.... پہلے تو لیڈی داؤد بیتابانہ انداز میں

دروازے کی طرف جھپٹی، مگر پھر بیک بیک ٹھٹک گئی۔ وہ اس وقت بچی کے قریب نہیں جانا چاہتی

تھی.... اگر وہ اپنے نفع سے منہ ہاتھ اس کی طرف پھیلا دے تو کیا ہوگا.... ہو سکتا ہے کہ اس

قدم ڈگمگا جائیں.... نہیں نہیں وہ اس کمرے میں سرداؤد کا انتظار کرے گی۔

ناہید کی آواز کے ساتھ ہی اس کی نرس میریا کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ شاید وہ

تھپک رہی تھی جب وہ روتی ہے.... جب وہ روتی ہے.... لیڈی داؤد کے ذہن میں ناہید کے

نفعے ہونٹ ابھر آئے۔ رونے کے لئے مخصوص انداز میں سکڑے ہوئے ہونٹ.... اس کا

نکلنے نکلنے ہونے لگا اور وہ خود بھی پھوٹ پڑی.... پھر وہ اس طرح دھاڑیں مار مار کر روتی

”ایسا ہی ہو گا۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ناشتے کی میز پر اس کا تذکرہ چھیڑ دیا اور حمید اس طرح منہ بنائے ستارہ جیسے ناشتہ  
میں اسے کچے شلجم چبانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

”اس جوڑنے کو کبھی دیکھا آپ نے۔“ اس نے فریدی کے خاموش ہو جانے پر پوچھا۔

”بارہا...!“

”سر داؤد کی بکواس ہے کہ کسی نے فون پر اس قسم کی گفتگو کی تھی۔ لیڈی داؤد کی خودکشی کا  
بابت سر داؤد کا بڑھاپا ہی ہو سکتا ہے۔“

”پھر کہانی میں اس نکلے کا مقصد....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”مقصد اسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے جب ڈی کس میڈیکل اسٹور کا مالک سر داؤد کے بیان کی  
زید کرتا ہے۔ جب فیجر کہتا ہے کہ اس نے لیڈی داؤد کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔“

”ضروری نہیں ہے کہ ہر جوان عورت بوڑھے شوہر کو ناپسند ہی کرتی ہو۔ حمید صاحب  
بھری لڑکیاں تو بوڑھے شوہروں کی خواہش مند رہتی ہیں۔ اپنے ہم عمروں میں ان کے لئے  
نظمی سکس اپیل نہیں ہوتی۔“

”الافلسفہ....!“

”قلم نہیں ہے۔ نفسیات فرزند.... یہ بھی جنسی کج روی کی ایک قسم ہے۔“

”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔“ حمید پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”کیونکہ میں اسے

ڈون کے گرد منڈلاتے دیکھ چکا ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”ابھی پچھلے ہی دنوں میں نے اسے پرنس  
برونوف کے ساتھ دیکھا تھا۔“

”یہ کون ہے؟“

”زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تین چار ماہ ہوئے فرانس سے یہاں آیا تھا۔

بہت مالدار آدمی ہے۔ اس پر لڑکیاں بقول شخصے.... برستی ہیں۔“

حمید کا منہ بگڑ گیا تھا۔

وہ پولیس کو اس کی اطلاع دیدے گا۔ اس اطلاع پر سر داؤد بڑی بدحواسی کے عالم میں گھر پر  
لیڈی داؤد سے پہلے نرس میریاسے ملاقات ہوئی اس نے انہیں بتایا کہ لیڈی داؤد اپنی خواب گاہ پر  
رو رہی ہیں۔ وہ ان کے کمرے میں گئی تھی لیکن انہوں نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ سر داؤد دوزخ  
ہوئے اوپری منزل پر پہنچے، جہاں خواب گاہ تھی، جیسے ہی وہ خواب گاہ میں پہنچے لیڈی داؤد  
ہاتھوں سے گلاس جھوٹ گیا۔ لیڈی داؤد کے حلق سے ایک چیخ بھی نکلی تھی اور پھر وہ کچھ کہے  
بالٹی کی طرف دوڑی تھیں اور نیچے چھلانگ لگادی تھی۔ پھر وہ دو گھنٹے تک زندہ رہیں لیکن پولیس  
کو بیان نہیں دے سکی تھیں۔“

”یہ سر داؤد کا بیان ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں سر داؤد کا بیان ہے۔“

”لیکن آپ کو اس کی صحت میں شبہ ہے۔“

”سر داؤد سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ ”وہ ایک اچھا آدمی  
ہے! بیان میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن پولیس کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ لیڈی داؤد  
ڈی۔ کس میڈیکل ہال میں گئی تھیں اور نہ اس کا فیجر انہیں پہچانتا تھا۔ میڈیکل ہال کے مالک  
بھی اسے تسلیم نہیں کیا کہ اس نے کسی ایسے واقعہ کی اطلاع سر داؤد کو فون پر دی تھی۔“  
فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔  
”لیڈی داؤد اس وقت زہر ہی پیئے جارہی تھیں، جب سر داؤد کمرے میں داخل ہو۔“

تھے۔“ اس نے پوچھا۔

”ہاں یہی سچویشن تھی۔“ ڈی۔ آئی۔ جی نے جواب دیا۔ ”جس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے  
گلاس ہاتھ سے جھوٹ جانے پر بھی وہ خودکشی کا خیال دل سے نہیں نکال سکی تھیں! وہ طے کر  
تھیں کہ انہیں ہر حال میں مر جانا ہے، اس لئے انہوں نے ایک ذریعہ ختم ہوتے دیکھ کر  
چھلانگ لگادی۔“

”لاش کہاں ہے۔“

”وہ تو پوسٹ مارٹم کے لئے جا چکی ہے۔“

”ہدایت کر دیجئے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ جلد از جلد میرے پاس بھیج دی جائے۔“

بیکریٹری سیدھا نہیں کی طرف آیا۔

ایک دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی، تھکنے اور ڈھلکی ہوئی مونچھیں تھیں۔ جن کے بال خم کھا کر نیچلے ہونٹ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ نلّا پوریشین تھا۔ شہر کے ذی عزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کی نرم دلی اور غیر المرآجی مشہور تھی۔

”کرل! بڑا افسوس ناک واقعہ ہے۔“ وہ فریدی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”یقیناً مسٹر گراہم....!“ فریدی مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”لیڈی داؤد کب سے یہاں کی ممبر تھیں۔“ ”زیادہ عرصہ نہیں گذرا....“ گراہم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”شائد پچھلے ماہ کی بات ہے کہ وہ ہم بہاثریک ہوئی تھیں۔“

”میرا خیال ہے کہ ان کا نشانہ بھی اچھا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”بہت اچھا کہنے جناب۔“ اس نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیپٹن اب یہ مقابلہ کل ہی ہو سکے گا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ حمید بولا۔

”میں اس وقت اسی لئے آیا تھا کہ اس قسم کا کوئی مقابلہ نہ ہونے دوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیوں....؟“ گراہم کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”پرنس برنوف ہمارے ملک میں مہمان ہے اس لئے ہمیں اس کی دل شکنی نہ کرنی چاہئے۔“ ”اوہ.... ارے نہیں۔“ گراہم ہاتھ ہلا کر ہنسنے لگا۔ ”پرنس کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ ایک سچا اسپورٹس مین ہے۔ اسے اپنی شکست کی ذرہ برابر بھی پراہ نہ ہوگی، ویسے میں اتنا ضرور کہوں گا کہ کیپٹن سے اندازے کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ میں فوجی زندگی کا دس سالہ تجربہ رکھتا ہوں۔ میری نظروں سے ہزاروں نشانہ باز گذرے ہیں، لیکن پرنس برنوف اپنی مثال آپ ہے۔“ ”اس کی فکر نہ کرو دوست۔“ حمید نے پاپ کی راہ جھاڑتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی اسپورٹس مین ہی ہوں اور اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ شکست اندازے کی غلطی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔“

”اوہ کیا آپ بُرا مان گئے جناب! میرا ہر گز یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ اس سے کسی طرح کم ہمت نہ ہوں! کچھ چاہتا تھا زبان سے کچھ نکل گیا۔ آپ کیا پیسے گے۔ کرل صاحب۔ کپتان

”کیوں تم اس کا تذکرہ اتنے ناخوشگوار لہجے میں کیوں کر رہے ہو۔“ فریدی مسکرایا۔ ”تمہاری کچھ ملنے والیاں بھی اس کے گرد جمع ہو گئی ہیں۔“ ”چھوڑیے! اس تذکرہ کو.... میں آج ہی اسے ذلیل کرنے والا ہوں۔“ ”کیوں؟“

”وہ خود کو ایک اچھا نشانہ باز تصور کرتا ہے۔ اناڑی قسم کی لڑکیوں پر رعب ڈالنے کے رانقل کلب میں اپنے کمالات دکھایا کرتا ہے۔ ایک دن کسی سے شمشیر بازی بھی فرمائی تھی۔“ ”پھر تم اسے کیسے ذلیل کرو گے۔“ ”میں نے اسے چیلنج کیا ہے۔“ ”حماقت سرزد ہوئی ہے تم سے۔“ ”کیوں؟“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا پچھا چھڑانے کے لئے بولا۔ ”کچھ نہیں۔“ ”نہیں بتائیے نا....!“

”دُفر ہو تم! تمہارا نشانہ.... میرا خیال ہے کہ تم اچھے نشانہ باز تو نہیں ہو! خیر ختم کرو داؤد سے ملنے جا رہا ہوں۔ تمہیں بھی چلنا ہے۔“ ”مجھے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رانقل کلب پہنچنا ہے۔“ حمید نے گھڑی کی طرف ا ہوئے کہا۔

”کیا لیڈی داؤد بھی رانقل کلب کی ممبر تھی۔“ ”میرا خیال ہے کہ تھی۔“

”تب تو آج یہ مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کلب یقینی طور پر بند رہے گا۔“ ”محض خیال ہے کہ وہ رانقل کلب کی ممبر تھی۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔“ ”خیر چلو پہلے وہیں چلیں گے۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ رانقل کلب کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر جب وہ کلب کی عمارت میں ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ ہال میں تعزیتی میٹنگ ہو رہی ہے۔

یہ دونوں بھی وہیں چلے گئے۔ حمید تو باقاعدہ طور پر یہاں کا ممبر تھا۔ میٹنگ کے انعقاد

صاحب تو پیٹے ہی نہیں۔“

”میں بھی نہیں پیتا۔“ فریدی مسکرایا۔

”کمال کے آدمی ہیں آپ لوگ بھی.... اچھا جناب۔ میں ابھی حاضر ہوں۔“

سکریٹری ہال سے چلا گیا۔ حمید بروٹوف کو گھورنے لگا، جو تین چار لڑکیوں کے نرسہ کھڑا ہنس رہا تھا.... یہ ایک وجہ اور تندرست نوجوان تھا۔ جنس مقابل کے لئے اس کی خفہ حقیقتاً بڑی پرکشش تھی۔ آج کل اس کے بڑے چرچے تھے۔ اپنے طبقے کی عورتیں خصوصیت اس کی مداح تھیں۔

ایک بیک اس کی اور فریدی کی نظریں چار ہو گئیں اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ فریدی کے چہرے سے نظریں ہٹانے کی کوشش تو کر رہا ہے لیکن کامیابی نہیں ہوتی۔

اس کے گرد نظر آنے والی لڑکیاں بھی فریدی کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

”آؤ چلیں۔“ فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ پھر وہ لنگن میں آ بیٹھے۔

”کیا یہاں سب تمہیں کیپٹن حمید ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔“ فریدی نے مشین اشار کرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں.... گراہم کے علاوہ شاید ہی کوئی میری اصلیت سے واقف ہو۔“

”کیوں....؟“

”جب میں ممبر ہونے لگا تھا تو اس نے خود ہی استدعا کی تھی کہ میں کسی پر اپنی اصلیت نہ

نہ کروں۔ ممبروں کے رجسٹر میں اس نے میرا نام خاور لکھا تھا۔“

”تم نے وجہ نہیں پوچھی تھی۔“

”وجہ....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر دیکھتا

پھر بولا۔ ”اس کا خیال تھا کہ اس طرح جرائم پیشہ لوگ کلب سے دور ہی رہیں گے۔“

”کیا بات ہوئی۔“

”وہ کہتا ہے کہ اکثر جرائم پیشہ لوگ بھی یہاں آگھستے ہیں اور شہر کے جرائم پیشہ لوگوں

شاید ہی کوئی ایسا ہو جو ہمیں نہ پہچانتا ہو، لہذا اگر انہوں نے مجھے یہاں نام کی تبدیلی کے ساتھ

جینی طور پر میری موجودگی کو مصلحت آمیز اور خطرناک تصور کریں گے۔ اس طرح اس کا کلب غیر پسندیدہ عناصر سے پاک رہ سکے گا۔“

فریدی نے کار اس سڑک پر موڑ دی جس پر سرداؤ کی کوٹھی تھی۔

یہاں اس وقت بھی پولیس والے موجود تھے! ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے فریدی کو دیکھ کر بُرا سا نہ بنایا۔ لیکن اسے بہر حال اس سے تعاون کرنا ہی تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی سرداؤ کا بیان اپنی ٹیکنیک کے مطابق نوٹ کر رہا تھا۔

”ہماری شادی۔“ سرداؤ دھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کسی قسم کے جبر کا نتیجہ نہیں تھی۔“

پہلے ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔ پھر ہماری شادی ہوئی تھی.... شادی سے قبل ہمارے جنسی تعلقات نہیں رہے تھے۔“

”تو آپ خود کسی کے اسباب پر روشنی نہیں ڈال سکیں گے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں! کاش مجھے کسی ایسی بات کا علم ہوتا۔“

”لیڈی صاحبہ کسی کلب کی ممبر تھیں؟“

”صرف رائل کلب کی.... انہیں نشانہ بازی سے لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ میری دانست میں وہ کسی بھی کلب کی ممبر نہیں تھیں۔“

حمید اکتائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ایک پتھر کا ٹکڑا کھڑکی کی راہ سے اُکڑ سامنے والے فریم سے ٹکرایا جس میں سویٹزر لینڈ کے ایک منظر کی تصویر تھی.... شیشے کے ٹکڑے چھنچھناتے ہوئے فرش پر گرے۔

## توہین

حمید نے کھڑکی کی طرف بڑھنا چاہا۔

”ٹھہرو....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کھڑکی کے سامنے کوئی نہ جائے۔“

اس نے ادھر ادھر دیکھ کر ایک گوشے سے ایک چھڑی اٹھائی۔ حمید اور سرداؤ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے.... اس نے اپنی فلت ہیٹ چھڑی پر رکھی اور اسے اس طرح کھڑکی کے قریب

لے گیا کہ اس کا صرف اوپری حصہ باہر سے دیکھا جاسکے۔

”شائیں.....!“ فلت ہیٹ میں سوراخ کرنے والی گولی دوسری طرف کی دیوار میں گھر گئی۔ یہ فائر شائیں کسی سائیلنسر لگی ہوئی رائل سے کیا گیا تھا۔ کیونکہ فائر کی آواز نہیں سنی گئی تھی۔ ”دیکھو.....!“ فریدی نے حمید سے کہا اور حمید دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

”یہ دنیا بڑی عجیب جگہ ہے سرداؤ۔“ فریدی نے فلت ہیٹ پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”آپ نہیں کہہ سکتے کہ کس وقت کیا ہو جائے گا..... سب کچھ غیر یقینی ہے۔ محترمہ کی خود آپ کے لئے غیر متوقع تھی اور یہ گولی میرے لئے غیر متوقع تھی جس نے ابھی میرے پسندیدہ فلت میں سوراخ کر دیا ہے۔“

”آپ یہیں کھڑے رہیں گے۔“ سرداؤ نے حیرت سے کہا۔ ”چلے دیکھیں۔“ ”فضول ہے۔“ فریدی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”اتنے دیرانہ اقدام وہی لوگ کر ہیں، جنہیں بہت زیادہ خود اعتمادی ہو..... پارک میں آپ کو کوئی بھی نہ ملے گا..... پارک کو کہئے، اسے تو آپ نے جنگل بنا رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں میں کم دس آدمی گھنٹوں چھپے رہ کر تلاش کرنے والوں کو ڈاج دے سکتے ہیں۔“ ”یہ جھاڑیاں عمدہ اس حالت میں چھوڑ دی گئی تھیں۔ خیال تھا کہ انہیں جنگلی جانوروں شکلوں میں ترشاؤں گا۔“

”کسی نے آپ کو غلط مشورہ دیا ہو گا۔ مالتی کی جھاڑیوں میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی شاخیں لچیلی ہوتی ہیں..... کراٹا..... ڈڈوینا وغیرہ البتہ اس مقصد کیلئے مناسب ہیں۔ خیر ہاں تو میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا جناب کہ یہاں عموماً غیر متوقع باتیں ظہور میں آتی ہیں۔“ ”مگر یہ فائر آپ کے لئے تو غیر متوقع نہیں تھا۔“ سرداؤ نے پلکیں جھپکائیں۔

”غیر متوقع بھی کہا جاسکتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میں نے احتیاطاً یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ ہاں البتہ یہ پتھر، جو فریم سے نکلایا تھا۔ یقینی طور پر غیر متوقع کہا جاسکتا ہے، مگر یہ گولی کس کھوپڑی میں سوراخ کرتی۔“

وہ جواب طلب نظروں سے سرداؤ کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں کیسے بتا سکتا ہوں۔“ سرداؤ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ اس کی آنکھوں

دھشت جھانک رہی تھی۔

”لیڈی صاحبہ تہیہ کر چکی تھی کہ وہ ہر حال میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیں گی۔ زہر آپ کی اند کی وجہ سے گر گیا تو انہوں نے بالکنی سے چھلانگ لگادی۔ اگر ایسا نہ کرتیں تو انہیں اقدام خودکشی کی وجہ ظاہر کرنی پڑتی۔ ایسی کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ جس کے اظہار پر انہوں نے موت کو ترجیح دی تھی۔“

”یہی میں سوچ رہا ہوں کر تل.....!“ سرداؤ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اگر انہیں مجھ سے کوئی شکایت تھی تو وہ گلاس ہاتھ سے گر جانے پر اس طرح چھلانگ نہ لگادیتیں..... آخر وہ اس خودکشی کے سلسلہ میں مجھ سے کچھ چھپانا چاہتی تھیں۔“

”ٹھیک ہے..... یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا۔ اگر انہوں نے زہر ہی پی لیا ہو تا تو میرے فلت میں سوراخ ہرگز نہ ہوتا۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“ سرداؤ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں اس کمرے میں موجود ہوں..... اور لیڈی صاحبہ کی خودکشی کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ لہذا اس کھڑکی سے ایک پتھر اندر آتا ہے..... ظاہر ہے کہ آپ سے پہلے میں بڑھوں گا یہ دیکھنے کے لئے کہ پتھر کہاں سے آیا ہے..... اس لئے نشانہ میں ہی ہو سکتا ہوں۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے، جس چیز کے چھپانے کے لئے لیڈی صاحبہ نے بالکنی سے چھلانگ لگائی تھی ہو سکتا ہے کہ میں اس کی تہہ تک پہنچ جاؤں۔“

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سرداؤ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”اگر لیڈی صاحبہ کا اختتام زہر ہی پر ہوا ہو تا تو ان کی خودکشی کے ذمہ دار افراد مطمئن ہو گئے ہوتے کیونکہ ان قسم کی خودکشیاں عموماً غیر تصفیہ بخش گھریلو زندگی کی بناء پر ہوتی ہیں اور شائد میں بھی یہی سمجھتا ہوں یہ معاملہ گھریلو حادثوں سے مختلف نہیں ہو سکتا۔“

”اور اب آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“

”اس خودکشی کا تعلق آپ سے زیادہ کسی دوسرے سے تھا۔“

”یعنی.....!“ اس کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

”نہ سمجھئے.....!“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔



”نہیں آپ مرحومہ کو اس قسم کا کوئی الزام نہیں دے سکتے۔“ سرداؤد نے غصیلے لہجہ میں کہا۔  
”تب پھر اس سوراخ کے ذمہ دار بھی آپ ہی ہوں گے۔“ فریدی نے فلت ہیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”میرے خدا میں کیا کروں۔“ سرداؤد نے کرسی میں گر کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔  
”میری مدد کیجئے سرداؤد.... میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل اس شہر میں بڑی گور حرکتیں ہو رہی ہیں۔ کیا آپ مجھے لیڈی صاحبہ کے ملنے جلنے والوں سے روشناس کرائیں گے۔“  
سرداؤد نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تھے اور اب فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو مطلب خود فریدی ہی بھی نہ سمجھ سکا۔  
اتنے میں حمید بھی واپس آگیا۔

”بہت مشکل ہے۔“ اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ان جھاڑیوں میں ہمیں عرصہ تک ڈانچ دے کر محفوظ رہ سکتا ہے۔ پورے پارک کو گھنگالنے کے لئے کم از کم آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔“  
”کیا تم تنہا تھے۔“  
”جی ہاں۔“

”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے کہا۔ پھر سرداؤد سے بولا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ آپ اس واقعہ کی تذکرہ کسی سے بھی کریں۔“

سرداؤد کچھ نہ بولا۔ حمید اسے کینہ توڑ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔  
اسکے بعد فریدی نے اس خواب گاہ کو دیکھا جس کی بالکنی سے لیڈی داؤد نے چھلانگ لگائی تھی۔  
حمید اندازہ نہیں کر سکا کہ فریدی وہاں کیا دیکھ رہا تھا۔ یا اسے کس چیز کی تلاش تھی۔ اس سرداؤد کی اجازت سے پورا کمرہ الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس سے رہا تھا۔ ”آپ مطمئن رہئے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا جائے گا۔“

”میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ سرداؤد نے کہا۔  
فریدی نے حمید کو باہر جانے کا اشارہ کیا.... حمید چلا بھی گیا۔ لیکن سرداؤد سر جھکائے رہا۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا ہوا تھا کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں

”خدا ارمجھے بدنامی سے بچائیے گا.... اب میری بچی کا مستقبل ہے میری نظروں میں! کوئی چاہتا تھا کہ خود کشی کر لے....؟ کیوں! وجہ میں نہیں جانتا.... ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی لغزش ہوئی ہو۔ میں بوڑھا ہوں نا....!“

سرداؤد نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔  
فریدی اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔  
”میں سمجھتا ہوں سرداؤد۔“ اس نے کہا۔ ”آپ مطمئن رہیں! میری تفتیش کی کہانی منظر عام پر نہیں آنے پائے گی۔“

”میں نے اسے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔“ سرداؤد رو پڑا۔  
”آدمی بے بس ہے سرداؤد.... مقدمات اٹل ہوتے ہیں۔“  
سرداؤد کچھ نہ بولا۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ فریدی چپ چاپ باہر نکل آیا۔ حمید امداری کے سرے پر اس کا منتظر تھا۔  
کچھ دیر بعد وہ پھر لیکن میں بیٹھے شہر کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔  
”کیا آپ کو بوڑھے کی کہانی پر یقین آگیا ہے۔“

”یقین....!“ فریدی مسکرایا۔ ”یقین کی منزل بہت دور ہے۔ یقین مجھے اسی وقت آئے گا جب میری تفتیش اس کی بجائے کوئی دوسری کہانی سنائے۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ سرداؤد ہی اس کی موت کا ذمہ دار ہے۔ اس نے اسے بالکنی کے نیچے پھینکا ہو گا۔ خود کشی کی کہانی میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے زہر والا ٹکڑا لگایا گیا ہے۔“

”اور پھر اس کے کسی آدمی نے میری فلت برباد کر دی.... کیوں؟“  
”آہاں.... یقیناً اس طرح تھوڑا سا الجھاؤ اور پیدا ہو گیا۔ اب پولیس جھک مارتی پھرے۔ اگر اسے یہاں پسند ہو۔“

”تم کافی دور رس نگاہ رکھتے ہو۔“ فریدی مسکرایا۔ ”اسی طرح مصرعوں کا اضافہ کرتے جاؤ۔“  
”میں لگا لگا کر غزل مکمل کر لیں گے۔“

”اچھی بات ہے.... آپ سمجھئے اسے بکواس۔ لیکن آخر کار آپ کو پچھتانا پڑے گا۔“  
”ویسے میں بھی دن میں دو چار بار پچھتانا اپنا پیدا انٹی حق سمجھتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ آپ کہہ رہے ہیں۔“

”ہاں میں کہہ رہا ہوں فرزند! لیکن اس لئے نہیں کہ تمہیں پنگ پانگ کی گیندیں حلق سے مارنے کے لئے اسکاچ کے گھونٹ لینے پڑیں گے، وہ جو تمہیں تربیت دے گا، بہت پیکڑ قسم کا زنی ہے اور ہر وقت ڈوب رہتا ہے۔ اسکاچ کی دو بوتلیں اسے دکھانے کے بعد تم خود اس کی پیٹھ پر وار ہو کر فن آئی لینڈ تک پہنچ سکو گے۔“

”کوئی ڈھنگ کا آدمی ہے۔“

”ڈھنگ سے کیا مراد ہے تمہاری۔“

”مطلب یہ کہ شریف آدمی....!“

”شریف آدمی ہر وقت نشے میں ڈوبے رہنا نہیں پسند کرتے.... میں تمہیں جانو کے پاس

بج رہا ہوں۔ جانو کا نام سنا ہے کبھی....!“

”جانو.... جانو....!“ حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ ”نام سنا تو ہے۔“

”ایشیا میں اپنے دور کا سب سے بڑا ہشت پسند تھا۔“

”آہ.... وہ جانو.... وہ تو بڑا پڑھا لکھا آدمی تھا۔“

”اب نہیں ہے۔“ فریدی بولا۔ ”گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو حیوان کہتے ہیں۔ آدمی تو اپنی کھوپڑی میں جنم لیتا ہے اور کھوپڑی ہی میں مر جاتا ہے.... خود جانو ہی نے اسے سلا دیا ہے۔ اب وہ اس کی بیداری کا خواہاں نہیں ہے۔ اس نے اسے ہر وقت شراب چاہئے۔ پہلے وہ انگریزوں کے خلاف صف آرا تھا اب خود اس کے اندر ایک بہت بڑی جنگ جاری ہے۔ وہ اب خود اپنے خلاف فٹ کیا ہے۔ اس جانو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلا دینا چاہتا ہے، جس نے انگریزوں سے جنگ کی تھی اور آزادی کے خواب دیکھے تھے۔ اس کے لئے اس نے شراب کا سہارا لیا ہے۔“

”آخر کیوں....؟“

”کیا آزادی ہی خواب بن کر نہیں رہ گئی ہے.... ایسا خواب جس کے خواب ہونے کا ہلکا سا

احساس بھی شعور پر اپنا سایہ ڈالتا ہے۔“

”آپ کیسی بھیجی باتیں کر رہے ہیں۔“

”ختم بھی کرو! ہاں میں یہ کہہ رہا تھا، ہو سکتا ہے کہ جانو تم پر چڑھ دوڑے لیکن تم اس سے

”لیڈی داؤد ایک شریف قسم کی آوارہ عورت تھی۔ شہر میں اس کے مداحوں کی کمی نہ تھی۔ سرداؤد احساس کمتری کا شکار تھا.... آخر کار پچھلی رات اس نے اسے ٹھکانے لگایا دیا۔“

فریدی خاموش ہی رہا۔ لیکن کی رفتار بہت تیز تھی۔

”اب کہاں چل رہے ہیں۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”افق کے اس پار....!“ فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

”مجھے مویشی خانے کے پاس اتار دیجئے گا۔“

فریدی ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی نے کہا۔ ”میں تمہیں ارجن پورے کی ایک گلی سامنے اتاروں گا.... مگر ٹھہرو.... پہلے یہ بتاؤ کہ برووف کا مارگٹ کیسا ہوتا ہے۔“

”پنگ پانگ کی گیندیں اچھالی جاتی ہیں اور وہ ان پر نشانے لگاتا ہے۔“

”ایک ہی پریا ایک ہی بار اچھالی ہوئی کئی گیندوں پر یکے بعد دیگرے۔“

”کم از کم تین گیندیں اچھالی جاتی ہیں اور وہ ان میں سے ایک کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتا تمہیں یقین ہے کہ تم مقابلہ کر سکو گے۔“

”یقین نہ ہو تا تو میں اسے چیلنج کیسے کرتا۔ ایک ہفتہ تک مشق کرنے کے بعد چیلنج کیا ہے

”اگر تم نے بھی وہی دہرایا، جو وہ کرتا ہے تو مزہ ہی کیا رہے گا، حمید صاحب۔“

”پھر بتائیے میں کیا کروں۔“

”تم سر کے بل کھڑے ہو کر ان گیندوں پر نشانے لگانا۔“

”میں نے کچھ اور سوچا تھا۔“ حمید خشک لہجے میں بولا۔ ”شتر مرغ کی دم سے الٹا لنگ کر زیادہ اچھا نشانہ لگا سکوں گا۔“

”تم مذاق سمجھتے ہو۔ میں اس وقت تمہیں ایک ایسے آدمی کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں جو

سلسلہ میں ایسی گری باتیں بتائے گا کہ تم ایک ہی دن میں مشاق ہو جاؤ گے۔“

”کون ہے۔“

”تم نہیں جانتے.... اسے ساتھ لے کر فن آئی لینڈ جانا۔ چار پانچ درجن پنگ پانگ

گیندیں خرید لینا۔ کم از کم دو بوتلیں اسکاچ کی۔“

بدل نہ ہوتا۔“

”میں اتنا کوتاہ قد نہیں ہوں کہ کوئی لب گور آدمی مجھ پر چڑھ دوڑے۔“

”یہ خیال دل سے نکال دو! اس فن کو دیکھنے کے لئے تمہیں اس کی گالیاں بھی برداشت کرنا پڑیں گی.... ارے حمید.... میں نے قدیم فنون سپہ گری ایک ایسے استاد سے سیکھے تھے، جو ان پڑ اور گنوار تھا.... ضعیف اور کمزور جسم رکھنے والا۔ لیکن میں نے اس کی گالیاں سہی ہیں۔ اس کمزور ہاتھوں سے ڈنڈے کھائے ہیں، لیکن ہمیشہ اس کا احترام کرتا رہا ہوں۔ استاد استاد کہتے خشک ہوتا تھا۔“

”میں اس معاملے میں بھی آپ سے نیچا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اس سے تو یہی بہتر ہو گا کہ اگر مجھے سچ مچ مویشی خانے ہی کے قریب اتار دیں۔“

”لیکن تم برونف سے تو نیچے رہنا پسند نہ کر سکو گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ویسے مجھے تو نہیں ہے کہ میرا نام سن کر جانو کا چڑچڑاپن برقرار رہ سکے۔ وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گا اور اس کاچ کی دو بوتلیں۔“

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے جانو کے پاس جانا ہی پڑے گا کیونکہ یہ مشر فریدی کی زبان سے نکلا تھا۔

”مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ہیٹ میں سوراخ ہو جانے کے باوجود بھی عقبی پارک! قدم نہیں رکھا۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”وقت کی بربادی سے عموماً بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تمہیں کیا مل گیا تھا وہاں کہ میں! جھک مارتا۔“

”بہر حال یہ تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا کہ آپ ہر وقت خطرہ میں ہیں۔“

”یہ آج کی بات نہیں ہے فرزند! میں اسی وقت سے خطرہ میں ہوں جب سے اس زندگی!

قدم رکھا ہے پھر.... آج میں کہاں ہوں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے ایک بار کے سامنے کار روک دی۔

”جاؤ.... دو بوتلیں خرید لاؤ....“ اس نے کہا۔

حمید اتر کر بار میں آیا.... لیکن یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ یہاں برونف سے ملاقات ہو گئی

اس کے ساتھ ایک خوبصورت سی دیسی عورت تھی۔  
”ہیلو....!“ برونف سر ہلا کر مسکرایا۔

”ہیلو....!“ حمید نے بے توجہی کا اظہار کرتے ہوئے بار میں سے بوتلیں طلب کیں۔

”کیوں موسیو خاور....!“ دفعتاً برونف حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”اگر ہم میں کسی مقابلہ کی ٹھہری ہے تو کیا ہم ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔“

”ہرگز نہیں....!“ حمید مسکرایا۔

”میں سمجھا تھا شاید یہاں کا یہی دستور ہے۔ ہم لوگ تو اپنے شکست کے بعد دوسروں کی فتح

میں خوشی کا اظہار کرنے کے عادی ہیں۔“

”اوہ.... مگر....!“ حمید برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”یقیناً رسم رواج کے معاملے میں ہم لوگوں

کے مطلق ہیں۔ ہمارے یہاں فاتح شکست خوردہ لوگوں کے سروں اپنے ہاتھ سے استرہ چلاتا ہے

اور اس وقتی جامت کو ہم اسپورٹس مین اسپرٹ میں لیتے ہیں۔“

”آپ پوری قوم کا مسئلہ اڑا رہے ہیں۔“ عورت غصیلے لہجہ میں بولی۔

”لفظ ’قوم‘ میں بچپن ہی سے سننا آ رہا ہوں۔ لیکن آج تک اس کے معنی میری سمجھ میں

نہیں آ سکے۔ کیا آپ براہ کرم میرے لئے تھوڑی سی تکلیف گوارہ کریں گی.... مطلب یہ کہ

”قوم کس چیز کا نام ہے۔“

”میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”آپ کی مرضی! ویسے بزرگوں کا قول ہے کہ باتوں ہی باتوں میں بہتری کام کی باتیں بھی

مطلوب ہو جاتی ہیں۔“

حمید نے برونف کو آنکھ ماری بوتلیں سنبھالیں اور دروازے کی طرف چل پڑا.... عورت

اسکی آواز میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

مگر باہر آتے ہی حمید کے ذہن کو جھکا سا لگا۔ فریدی کی کار سمیت غائب تھا۔

”تو اب میں یہ بوتلیں اپنے سر پر توڑوں۔“ وہ برا سامنہ بنا کر بڑبڑایا۔

”سنو....!“ دفعتاً کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

حمید چونک کر مڑا.... برونف دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور اس کی ساتھی اس سے شانہ

ملائے کھڑی تھی۔

”تم ان سے معافی مانگو....!“ برووف نے عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”یہ کس خوشی میں....!“

”تم نے ان کی توہین کی تھی۔“

”پچھلے سال کی بات ہوگی۔ ان دنوں میرے بڑے بھائی کی یہی عادت تھی۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”میں بہت بُرا آدمی ہوں.... تمہیں معافی مانگنی پڑے گی۔“

”جاؤ....!“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میرے کان نہ کھاؤ.... میں بہت اچھا آدمی ہوں۔“

اچھا کہ ضرورت پڑنے پر تمہاری بھی توہین کر سکتا ہوں۔“

”آؤ چلیں پرنس....!“ عورت برووف کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔ ”بد تمیزوں کے“

لگنا اچھا نہیں ہے۔“

”میں تمہیں دیکھوں گا....!“ برووف نے جاتے جاتے کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا۔ پھر شراب کی دونوں بوتلیں بٹ کر تو

ویں۔ اگر وہ ایک ذمہ دار آفیسر نہ ہوتا تو یہی بوتلیں کچھ دیر پہلے برووف کے سر پر ٹوٹتیں۔

”ذمہ دار آفیسر کی ایسی تہی۔“ اس نے سوچا۔ ”میں اس آلو کے پٹھے سے سمجھ لوں گا۔“

مگر آلو کا پٹھا تو جاچکا تھا۔

پھر اس نے سوچا کہ وہ برووف کو بیچ سڑک پر پیٹنے سے پہلے استعفیٰ دے گا۔ برووف نے

زیادہ اس عورت نے اس کی توہین کی تھی۔

## دھواں

فریدی ایک بار پھر موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا۔

حمید باز میں تھا اور فریدی اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ ادھر حمید برووف سے گفتگو کرنے لگا

تھا۔ فریدی نے اس خیال سے کار کا دروازہ کھولا تھا کہ نیچے اتر کر خود بھی بار میں جائے گا۔

دہنا پیر۔ نیچے تھا اور بایاں پیر کار کے اندر کہ کوئی چیز اس کی گردن پر کوٹ کے کالر سے رگڑ  
جاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ سامنے ایک بک سیلر کا شوکیس تھا۔ اس کے شیشے جھنجھنا کر چور  
ہوئے۔ تب فریدی کو وہ بے آواز را نقل یاد آئی جس نے کچھ دیر پہلے سرداؤد کے یہاں اس کے  
لٹ ہیٹ میں سوراخ کیا تھا۔

وہ تیز رفتار کار بہت آگے جا چکی تھی، جس میں فائر کرنیوالے کی موجودگی کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے دہنا پیر اندر کھینچ لیا۔ دروازہ تیز آواز کے ساتھ بند ہوا اور لنکن

بکلی سڑک پر پھسلتی چلی گئی۔

اسے یقین تھا کہ فائر اسی تیز رفتار کار سے ہوا تھا اور اس بار بھی شاید کوئی سائیلنسر ہی لگا ہوا

ریوالور استعمال کیا گیا تھا۔ کیونکہ فریدی نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔

اگلی کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ شاید ڈرائیو کرنے والے کو ایکسیڈنٹ ہو جانے کا خوف بھی

نہیں تھا۔

فریدی نے تعاقب جاری رکھا۔

پھر جیسے ہی اس کی کار شہر سے باہر آئی وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ کیونکہ یہاں اس پر سامنے

ای سے فائر ہو سکتے تھے۔ اس نے اپنی کار کی رفتار اتنی کم کر دی کہ ریوالور کی ریخ سے باہر ہی

رہے۔ مگر یہ بھی خام خیالی ہی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ یہاں سناٹے میں را نقل استعمال کی جاتی۔

فریدی کسی دوسری راہ کے امکانات پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اگلی کار رک گئی۔ فریدی نے

بھی بریک لگائے لیکن کار حرکت ہی میں رہنے دی۔ وہ اب آہستہ آہستہ ریگ رہی تھی۔ اگلی کار کا

دروازہ کھلا اور ایک عورت نیچے اتر کر انجن میں کچھ دیکھنے لگی۔

فریدی کی پیشانی پر سلولیں ابھر آئیں اور پھر اس نے بھی کار روک دی لیکن نیچے نہیں اتر۔

عورت اب بھی انجن پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی کار سے کوئی مرد نیچے نہیں اترتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیدھی کھڑی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی....! فریدی کی کار زیادہ فاصلے پر

نہیں تھی۔ وہ اس کی طرف چند قدم بڑھی اور پھر ٹھٹک گئی۔

فریدی بدستور بیٹھا اسے دیکھتا رہا.... لڑکی سفید فام تھی اور اس کے جسم پر ہلکے سبز رنگ کا

الکڑ تھا۔

فریدی سوچ رہا تھا کہ کہیں اس سے اندازے کی غلطی تو نہیں ہوئی۔  
 آخر کار لڑکی قریب ہی آگئی! فریدی نے اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے۔  
 ”آپ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں جناب۔“ اس نے غصیلی آواز میں کہا۔  
 ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ فریدی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میں اپنی گاڑی  
 انجن کو ہر دس میل کے بعد کم از کم پندرہ منٹ تک بند رکھنے کا عادی ہوں۔“  
 ”میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔“ لڑکی تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میں  
 الجھن میں مبتلا ہوں.... اسی الجھن میں یہ بات کہہ دی تھی۔ معافی چاہتی ہوں۔“  
 ”کیا خرابی ہے۔“  
 ”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا.... مجھے صرف ڈرائیونگ سے دلچسپی ہے! مشینری کے معاملہ  
 میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“  
 فریدی اس کی گاڑی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ ایک بیک اس نے ایک طویل سانس لی اور  
 لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا.... ساتھ ہی اس کی جیب سے ریوالور کی نال بھی جھانکنے لگی تھی  
 ہاتھ جیب میں تھا۔  
 ”یہ ادھر داہنی جیب کی طرف دیکھو۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اور بے حس و حرکت  
 کھڑی رہو۔ ذرا بھی جنبش کرو گی تو.... پھر تم مجھے جانتی ہی ہو۔“  
 ”کیا مطلب....!“ لڑکی بوکھلا گئی۔  
 ”تمہاری گاڑی کے ڈکے میں کون ہے۔“  
 ”نک کوئی نہیں۔“  
 ”نہیں ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ”اور دور!۔“  
 ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے.... جناب....!“  
 ”چلو! تم آگے چلو۔ میں پیچھے چل رہا ہوں۔ چل کر ڈکے اٹھاؤ گاڑی کا۔“  
 ”تم ڈاکو ہو.... مگر میرے پاس کیش نہیں ہے۔“ لڑکی کو غصہ آ گیا۔  
 ”چلو یہی سہی۔“ فریدی نیچے اترتا ہوا مسکرایا۔ ”تمہیں گاڑی کا ڈکے کے ضرور اٹھانا پڑے گا۔“

ہاموشی سے مڑ جاؤ۔ اگر تم نے ذرہ برابر بھی بے اطمینانی ظاہر کی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔ میرا  
 ریوالور تمہیں کور کر رہا ہے.... چلو....!“  
 لڑکی اپنی گاڑی کی طرف چلنے لگی۔ پھر رک گئی۔ کار صرف آٹھ یا دس گز کے فاصلہ پر رہ گئی تھی۔  
 فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا۔  
 وہ پھر چلنے لگی اور اس بار کار کے پیچھے حصے ہی کے قریب رکی۔  
 ”چلو.... اٹھاؤ۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔  
 لڑکی نے جھک کر ڈکے اٹھایا اور.... اور فریدی نے بڑی پھرتی سے اس آدمی کے ریوالور پر  
 ہاتھ ڈال دیا، جو ڈکے میں سسٹا ہوا پڑا تھا.... ایک جھٹکے میں ریوالور فریدی کے ہاتھ میں آ گیا....  
 یہ سب کچھ اس نے بائیں ہاتھ سے کیا تھا۔  
 فریدی نے اس کار ریوالور جیب میں ڈال لیا اور تین چار قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ”باہر نکلو....  
 لڑکی اپنے ہاتھ اور اٹھاؤ۔“  
 ”میں نہیں جانتی یہ کون ہے اور میری گاڑی میں کیسے پہنچا! لڑکی ہڈیانی انداز میں چیخی۔  
 وہ آدمی ڈکے سے باہر نکل آیا تھا اور اس طرح کھڑا پلکیں جھپکارتا تھا جیسے یہ سب کچھ اس کے  
 لیے قطعی غیر متوقع رہا ہو۔  
 ”تم نے آج مجھ پر دوبارہ فائر کیا ہے۔“ فریدی نے اس آدمی کو گھورتے ہوئے کہا۔  
 یہ دیکھی ہی تھا.... ظاہری حالت اچھی نہیں تھی۔ لیکن صورت سے پڑھا لکھا معلوم ہوتا  
 تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔  
 ”م.... میں....!“ وہ ہکلا کر رہ گیا۔  
 ”تم جانتے ہو.... میں کون ہوں۔“  
 اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔  
 ”اس لڑکی کو کب سے جانتے ہو۔“  
 ”میں نہیں جانتی اسے۔“ لڑکی پھر چیخی۔  
 ”تم جھوٹی ہو۔“ وہ آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے اس دشواری میں ڈال کر خود نکل  
 بلاتا چاہتی ہو۔ یہ جھوٹی ہے مسٹر! میں اسے ایک ماہ سے جانتا ہوں اور اب اس وقت مجھے معلوم ہوا

ہے کہ آپ اس کے شوہر نہیں ہیں۔“

”اوہ....!“ فریدی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ دھوکے باز ہے.... کوئی بکواس کر رہا ہے۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“

”آر لکچو کے کئی ویٹر شہادت دیں گے کہ میں پچھلے ایک ماہ سے اس کے ساتھ رات کا کام

دہیں کھاتا رہا ہوں۔“

”لیکن تم نے مجھ پر فائر کیوں کئے تھے۔“

”آج اچانک یہ مجھ سے ملی تھی اور کہا تھا کہ میرا شوہر تمہاری راہ پر ہے کیوں نہ تم۔“

ٹھکانے لگا دو تاکہ اس کے بعد ہم اطمینان سے زندگی بھر کر سکیں۔ میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوا

جناب! میرا نشانہ بہت اچھا ہے.... یہ میں اسے پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اس نے مجھے ایک بے آوا

را نقل دی اور ایک بے آواز ریو اور سے....“

کہانی دلچسپ معلوم ہوتی تھی۔ فریدی اس کی طرف متوجہ تھا لیکن لڑکی پر بھی نظر تھی

بس ایک بار ذرا سی غفلت ہوئی تھی اور اسی غفلت کے دوران ایک زوردار دھماکہ ہوا.... فریدی

اور لڑکی کے درمیان گہرے دھوئیں کی ایک دیواری حائل ہو گئی۔ فریدی نے پیچھے ہٹنے میں بہت

دیر لگائی تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ کھانسنے لگا تھا۔

دھوئیں کا حجم بہت تیزی سے بڑھ رہا تھا.... فریدی اس سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹا رہا۔

ویسے جو تھوڑا بہت دھواں اس کے پیچھے دھوئیں میں چلا گیا تھا تکلیف دہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر اس

دھوئیں کے مزید اثرات سے بچنے کے لئے باقاعدہ طور پر دوڑنا شروع کر دیا۔

اب وہ اپنی کار بھی بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ لیکن کار اس کی نظروں ہی میں تھی۔

دھوئیں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مگر لڑکی کی کار کا کہیں پتہ نہ تھا.... اور وہ آدا

بھی نہ دکھائی دیا۔

فریدی ٹیلی فون کے پول سے نکل کر کھڑا ہو گیا۔ سینے حلق اور ناک میں شدید قسم کی سوز

پیدا ہو گئی تھی۔ وہ تقریباً بیس منٹ تک وہیں کھڑا چہرے کے قریب رومال جھلتا رہا۔ پھر جب

اسے یقین ہو گیا کہ آس پاس دھوئیں کے اثرات باقی نہ رہ گئے ہوں گے تو اپنی کار کی طرف چل پڑا

اب فضا پہلے ہی کی طرح صاف تھی۔ دوسری کار کا نشان بھی نہ مل سکا۔ البتہ وہ آدا

نہوڑے ہی فاصلے پر سڑک کے نیچے اونڈھا پڑا تھا۔

فریدی نے اسے سیدھا کیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ شاید دھوئیں ہی کی وجہ سے

نہوڑے غشی طاری ہو گئی تھی۔ فریدی نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے جلد از جلد طبی امداد بہم پہنچائی

جائے۔ اس لئے وہ اسے کار میں ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

سول ہسپتال کے ڈاکٹروں نے اسے دیکھ کر بیہوشی کی وجہ گھٹن بتائی۔ پھر فریدی نے سول

ہسپتال سے ہی گھر فون کیا۔ لیکن وہاں حمید کی موجودگی کی اطلاع نہیں ملی۔ آفس کے نمبر ڈائیل

کئے مگر وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حمید موجود نہیں ہے۔

فریدی پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں مریض کو رکھا گیا تھا.... نرس نے اسے بتایا کہ وہ

بوش میں آچکا ہے اور حالت بھی تشویش ناک نہیں ہے۔

اس نے فریدی کی آہٹ پر آنکھیں کھول دی تھیں اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے

لگا تھا۔

”وہ حرافہ نکل گئی جناب۔“ اس نے کمزور آواز میں کہا۔ ”ابھی نرس نے بتایا ہے کہ آپ

پولیس آفیسر ہیں۔“

”غلط نہیں بتایا۔“ فریدی نے نرس کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نرس کے چلے جانے پر اس نے پھر مریض کو مخاطب کیا۔

”وہ کہاں رہتی ہے؟“

”اسی عمارت میں رہتی ہے جہاں میں نے آپ پر پہلا فائر کیا تھا۔“

فریدی مسکرا دیا۔ تھوڑی دیر تک مریض کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”یہ بات تمہیں

کب معلوم ہوئی تھی کہ وہ اسی عمارت میں رہتی ہے۔“

”آج ہی کی بات ہے جناب۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی اس نے مجھے اپنے گھر کا پتہ نہیں بتایا

تھا۔ جب بھی پوچھتا تھا یہی کہہ کر ٹال دیتی تھی کہ اس کا شوہر بڑا خونخوار اور شکی قسم کا آدمی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ میں کبھی وہاں پہنچ ہی جاؤں اور اسے کسی قسم کا شبہ ہو جائے.... میں کیا بتاؤں

جناب! پہلے پہل وہ خود ہی مجھ سے آنکرائی تھی۔ ایک ماہ پہلے کی ایک رات کی بات ہے.... میں

آر لکچو کے ہال میں کئی لڑکیوں سے رقص کی درخواست کر چکا تھا لیکن سب معذوری ظاہر کر کے

”جہیں یقین ہے کہ وہ عمارت ہی میں گئی تھی۔“

”اس نے یہی کہا تھا جناب! میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا....!“

”پھر دوبارہ تم لوگوں نے میرا تعاقب کیا تھا۔“

”جی ہاں! وہ تھوڑی ہی دیر بعد گھر پہنچی تھی.... اس بار وہ کار پر آئی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو

کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میرے شوہر کو ہر حال میں آج ہی مار ڈالو.... اس نے بڑی چالاکی

سے خود کو بچایا ہے اور اب تو اس کا شبہ یقین میں بدل گیا ہے۔ پھر اس نے مجھے ریوالتور دے کر

ہڑکی ڈکے میں پڑ رہنے کو کہا۔“

”یہاں تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”جی نہیں.... قطعی نہیں.... وہ مجھے میرے گھر سے اسی طرح لے گئی تھی پھر ایک جگہ

مجھے ڈکے سے نکال کر پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو کہا تھا۔ میں چپ چاپ اس کی ہدایت پر عمل کرتا جا رہا

تھا۔ پھر اس نے گاڑی ایک سڑک پر روکی۔ ادھر ہی سے آپ کی کار گزری تھی جناب! آپ کے

ساتھ ایک صاحب اور تھے۔ بس پھر اس نے اپنی گاڑی آپ کی کار کے پیچھے لگا دی تھی.... ایک

جگہ آپ نے اپنی گاڑی روکی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے رفتار بہت کم کر دی۔ پھر دوسرے صاحب

آپ کی گاڑی سے اتر کر کسی دوکان میں چلے گئے تھے اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سے بہتر

موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ لہذا آپ کی گاڑی کے قریب سے گزرتے وقت میں نے پھر

آپ پر فائر کیا تھا۔ اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد گھبرائے ہوئے انداز

میں بولی تھی، تمہارا نشانہ بہت خراب ہے۔ وہ آ رہا ہے پیچھے، اب خیر نہیں.... میں نزوس ہو گیا

تھا۔ میں نے کہا کہ یہ حالات میرے لئے بالکل نئے ہیں۔ مجھے اس پکر سے نکالو.... جب اس نے

مجھے پچھلی سیٹ ہٹانے کو کہا۔ سیٹ ہٹتے ہی ڈکے کی خلاء نظر آئی اور میں نے اس کی ہدایت کے

مطابق ڈکے میں ریگ کر سیٹ پھر برابر کر دی۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ اس نے گاڑی

کیوں روک دی تھی۔ بہر حال ڈکے میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں نے اوپر ہاتھ لگا کر تھوڑی سی

زور آزمائی کی۔ شاید میرے ستارے ہی اچھے تھے کہ ڈکے کو وہ باہر سے مقفل کرنا بھول گئی تھی۔

ڈکے اٹھتے ہی میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس میں اتنا دہڑہ تو تھا ہی کہ میں تازہ ہوا اپنے پیچھے پڑوں

میں لے سکتا تھا۔ شاید اسی وقت آپ کو شبہ ہو گیا تھا کہ ڈکے میں کوئی موجود ہے۔“

دوسروں کے ساتھ ناچنے لگی تھیں۔ میں ایک گوشے میں کھڑا ہوا ہوتا رہا۔ اچانک یہ

آکرائی.... اس نے ہنس کر کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کسی نے بھی نہ پوچھا۔ لو آؤ میں

سے پارٹر بننے کی درخواست کرتی ہوں۔ پھر ہم ناچنے لگے تھے.... اس کے بعد بھی ہم ملتے رہے

تھے.... انوہ مجھ سے کتنا بڑا گدھا پین سرزد ہوا تھا۔ جناب! جی ہاں میں اس سے محبت کرنے لگا تھا

بس یہ ہے پوری کہانی....!“

۔ ”آج وہ تمہیں کہاں ملی تھی۔“

”خود میری قیام گاہ پر آئی تھی۔ اکثر آتی رہتی تھی.... اس نے بتایا کہ اگر آج ہی اس

شوہر قتل نہ کر دیا گیا تو خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس

کہا کہ اسے شبہ ہو گیا ہے۔ شاید کسی نے ہمارے تعلقات کے بارے میں اس سے بتا دیا ہے۔

کہنے لگی کہ وہ تمہارا نام لے کر مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں تمہیں جانتی ہوں یا نہیں.... پھر

میری ہی نہیں بلکہ تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے۔ وہ بہت غصہ ور ہے تمہیں بھی

چھوڑے گا۔“

وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن فریدی سوچ رہا تھا کہ اس کے بیان کے کس حصے پر یقین کیا جا۔

اور کس پر نہ کیا جائے۔

”پھر وہ تمہیں اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں ساتھ ہی لے گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بے آواز رانقل مہیا کرے گی۔ ابا

بے آواز ریوالتور بھی ہوگا۔ بس جس سے بھی کام نکل سکے نکالا جائے۔ پھر وہ مجھے سیدھے

عمارت کے عقبی پارک ہی میں لے گئی تھی۔ ریوالتور اور پستول بھی وہیں ایک جھاڑی میں

ہوئے ملے تھے۔ شاید وہ انہیں پہلے ہی وہاں رکھ آئی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے اوپری منزل

کھڑکی میں ایک پتھر پھینکا تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولی کہ میرا شوہر اسی کمرے میں موجود

ہے۔ وہ جھلا کر سامنے آئے گا۔ بس تم اس پر فائر کر دینا.... تھوڑی دیر بعد مجھے کھڑکی میں گھر۔

نیلے رنگ کی فلت ہیٹ دکھائی دی اور اس نے کہا کہ وہ فائر، وہ چھپ کر ہمیں دیکھنے کی کوشش

کر رہا ہے.... میں نے فلت ہیٹ پر نشانہ لگایا اور ہیٹ آٹا فانا غائب ہو گئی پھر وہ تو عمارت کے

چلی گئی تھی اور میں جھاڑیوں میں چھپتا چھپتا سڑک پر آیا تھا اور وہاں سے اپنے گھر....!“

”آپ کسی دوسری نرس کا انتظام کیجئے سر داؤد....!“  
 ”کیوں.... کیوں....!“

”میری فلٹ ہیٹ اسی نے برباد کرائی تھی۔“  
 ”میں نہیں سمجھا۔“

”بس وہ چلی گئی! اب مجھے دیکھنا ہے کہ اس خود کشی میں اس کا ہاتھ کہاں تک تھا۔“

”خدا کے لئے وضاحت کیجئے۔ میرے خدا کیسی انہونی باتیں ہو رہی ہیں۔ ارے اس خود کشی میں اس کا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے.... میں نے اسے کبھی منہ نہیں لگایا تھا اور پھر خود بیگم ہی اسے کیسے اپنے ساتھ لائی تھیں اور ملازم رکھا تھا....!“  
 ”کیس الجھتا جا رہا ہے سر داؤد....“ فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔

## جھگڑا

حمید نے شراب کی بوتلیں توڑ دی تھیں اور اب شہر میں چکراتا پھر رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ فریدی اسے وہاں اس طرح کیوں چھوڑ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ فریدی اور اس واقعے کو بھول گیا کیونکہ اب اس کے ذہن میں پرنس بروئوف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا.... اور وہ عورت جو کسی دوسرے موقع پر اس کے بوٹ چاٹتی ہوئی نظر آتی.... بروئوف.... بروئوف....!

اس کے ذہن میں لاوا سائل رہا تھا۔

اسی الجھن کے دوران میں وہ کیفے کاسینو کی طرف جا نکلا! ارادہ ادھر نہیں آیا تھا لیکن بورڈ پر نظر پڑے ہی اسے کنول یاد آئی، جو اسی کیفے میں کاؤنٹر کلرک کے فرائض انجام دیتی تھی۔ کنول ان لڑکی تھی جس نے مسٹر کیو والے کیس میں اس کی بڑی مدد کی تھی! خود مسٹر کیو کے گروہ سے کٹ کر اس سے آملی تھی.... اور مجرموں کی گرفتاری کے بعد وعدہ معاف گواہ بن گئی تھی۔

”سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کنول رجسٹر پر جھکی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے۔“

فریدی تھوڑی دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”تمہیں ہر حال میں پولیس حراست میں رہنا پڑے گا۔ تمہارے لئے یہی مناسب ہے۔“  
 ”خدا ار مجھے بچائیے جناب! جس طرح دل چاہے تحقیق کر لیجئے۔ میرے بیان میں ذرہ بڑا بھی جھوٹ نہیں ہے.... اگر اسے میری ذرہ برابر بھی پرواہ ہوتی تو وہ مجھے وہاں چھوڑ کر نہ جاتی خود تو کل ہی گئی تھی۔“

”قتل کی نیت تم بہر حال رکھتے تھے۔“

”مم.... میں.... کیا بتاؤں....!“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

”اس کا نام....!“ فریدی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ماریا....!“

”میریا....!“

”جی نہیں.... ماریا....!“

دفعتاً فریدی کے ذہن میں ایک خیال نے سر ابھارا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سر داؤد کی طرف جا رہا تھا.... اس سے ملنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ وہ آج تو پولیس والوں کے لئے وقف ہی ہو چکا تھا۔

سر داؤد ایک صوفے پر بیٹھا پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھور رہا تھا۔ بچی اس کے کانوں سے لگی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات پائے جا رہے تھے جیسے وہ کوئی بے سہا عورت ہو۔

”یہ بچی.... سر داؤد....“ فریدی نے ہچکچاتے ہوئے ادھر ادھر سوال کیا۔

”کیا بتاؤں کرمل....!“ سر داؤد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آج ہی ساری مصیبتیں مجھ“

”نوٹیں گی.... اب نرس غائب ہو گئی ہے.... بغیر اطلاع۔“

”عالمباً آپ نے میرا نام بتایا تھا۔“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اور وہ یوریشین تھی۔“

”جی ہاں....!“

”اس کے اوپری ہونٹ پر چوٹ کا نشان ہے اور تھوڑی میں خفیف سا گڑھا بھی۔“

”جی ہاں.... وہی.... وہی.... کیا وہ آپ سے ملی تھی۔“



حمید جیسے ہی اس کے قریب رکا اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ سے ہنر رکھ دی۔

”آہا.... کدھر چاند نکلا....!“ وہ مسکرائی۔

حمید بھی مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ کچھ تفکر آمیز سی تھی جسے کنول نے بھی محسوس کر لیا۔ وہ خاصی ذہین لڑکی تھی۔

”میں سمجھی تمہیں کوئی ضرورت ہی یہاں تک لائی ہے۔“ اس نے کہا۔

”ضرورت.... ہو سکتا ہے۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا پھر بولا۔ ”ادھر سے گذر رہا تھا کہ یہ

آیا میں نے ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔“

”یہیں پیو گے یا کسی ٹیبل پر بھجواؤں۔“

”یہیں.... اسی جگہ....!“

”مگر تم کچھ متفکر سے نظر آرہے ہو۔“

”ہاں آج کل میں راتوں کو سو نہیں سکتا۔“

”کوئی نیا عشق....!“ کنول مسکرائی۔

”پرانے ہی وبال جان ہو رہے ہیں نئے کی ہمت کس میں ہے۔“

”پھر یہ اداسی کیوں؟“

”اداسی ہی تو میری زندگی ہے۔“

”آج کوئی نہیں ملی۔“ کنول نے افسوس ظاہر کرنے کے سے لہجے میں پوچھا۔

”تم نے مجھے ہمیشہ غلط سمجھا ہے کنول....!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”فی الحال چائے۔“

کنول نے ایک ویٹر سے چائے کے لئے کہا اور پھر بولی۔ ”اوہ کیپٹن میں نے اس دوران تم

تمہیں بہت یاد کیا ہے۔“

”کیوں....؟“

”کیا تم پرنس بروئوف کو جانتے ہو۔“

”پرنس بروئوف....!“ حمید کو ایسا لگا جیسے اس کی پیشانی پر بچھونے ڈنک مار دیا ہو۔

”تم جانتے ہو شاید....!“ کنول اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”ہاں شاید! میں اسے جانتا ہوں۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔“

”اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“

”میں نونوف، شیفوں اور نسکیوں وغیرہ کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا۔“

”میں اس ایک آدمی کے متعلق پوچھتی ہوں۔“

”ظاہر ہے کہ اس کے متعلق تو خصوصیت سے اچھی رائے نہ رکھتا ہوں گا۔“

”مجھے تو یہ کوئی بہت بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے۔“

”اس خیال کی وجہ۔“

”میری چھٹی حس یہی کہتی ہے۔“

”مگر چھٹی حس کو دلیل کے طور پر تو نہیں استعمال کیا جاسکتا۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ تم اس کے چکر میں ہو۔“ کنول حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی ہنسی۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو۔“

”محض اس لئے کہ اونچے طبقہ کی عورتیں اسے گھیرے رہتی ہیں۔“

”لیکن تمہیں اس تک پہنچنے کا موقع نہیں نصیب ہوتا۔“ حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”مرچیں چاکر آئے ہو شاید۔“

”اسی لئے چائے کی جلدی تھی مجھے! خیر.... ہاں تو اب کھل جاؤ.... بروئوف میں تم کیوں

دلچسپی لے رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ تم پھسلنے والی لڑکیوں میں سے نہیں ہو۔“

”اس اچھے خیال کا شکریہ۔“ کنول مسکرائی۔ ”میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میرا یہ خیال کسی

دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ بس یونہی اجراء کے سلسلہ میں میری چھٹی حس کافی تیز ہے۔“

”چلو تسلیم ہے! لیکن بروئوف کے سلسلہ میں جرم کی نوعیت کیا ہوگی۔“

”اسی لئے تو مجھے تمہاری تلاش تھی! جرم کی نوعیت کا اندازہ کرنا تمہارا کام ہے۔“

”یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ اس شریف آدمی کی پگڑی میرے ہاتھوں اچھل جائے۔“

”شریف تو میں اسے لاکھ برس نہیں تسلیم کر سکتی۔“

”پتہ نہیں کیوں! تم اس سے بدگمان ہو گئی ہو۔“

”نہیں! میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم مجھے پرنس بروئوف کے متعلق کیا بتا سکو گی۔“  
 ”وہ تو پھر بتاؤں گی۔ پہلے تم بتاؤ کہ اب کیا وہ لوگوں کو چیلنج بھی کرنے لگا ہے۔“  
 ”ہاں آں.... اکثر لاف و گزاف کرتا ہے۔ مقابلہ آج ہی ہو جاتا۔ مگر لیڈی داؤد کی خود کشی۔“  
 ”ہیا....؟“ کنول کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”ہاں پچھلی رات لیڈی داؤد نے خود کشی کر لی اس لئے آج رات نقل کلب بند رہے گا۔ وہ کلب کی میر تھی نا۔“

”خود کشی کی وجہ....!“ کنول کے لہجے میں اب بھی تحیر باقی تھا۔

”وجہ ابھی نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر کیا تم لیڈی داؤد کو ذاتی طور پر جانتی تھیں۔“

”نہیں.... صورت آشنا کہہ سکتے ہو۔ ویسے میں ان ساری عورتوں کو پہچانتی ہوں جو بروئوف کے گرد منڈلاتی رہی ہیں۔“

”اور لیڈی داؤد بھی انہیں میں سے تھی.... کیوں؟“

”یقیناً تھی....!“

”پھر کیا تم خود کشی کے اسباب پر روشنی ڈال سکو گی۔“

”خود کشی کے اسباب پر جب تم ہی روشنی نہیں ڈال سکے ہو تو پھر میں کیا کہوں؟ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس کی پرستاروں میں سے تھی.... دیکھو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ بروئوف نے اس کا دل توڑ دیا ہو۔ پہلے محبت کی بیٹنگیں بڑھی ہوں اور پھر ایک دن لیڈی داؤد کو اطلاع ملی ہو کہ وہ توہر جائی ہے۔ آج کل کوئی دوسری اس پہلو گرامر رہی ہے.... بس پھر اس نے خود کشی کر لی ہو.... سرداؤد تو شاید بوڑھا آدمی ہے۔“

حمید اس کے خیال پر رائے زنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ابھی اسے کنول سے بہت سی باتیں معلوم کرنی تھیں۔ اسلئے گفتگو کو آگے بڑھانے کیلئے ضروری تھا کہ وہ مختلف قسم کی بحثوں میں نہ پڑے۔ اس موقع پر حمید کو وہ عورت یاد آئی جس نے آج اس کی توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔ ”کیا تم اس عورت کو بھی جانتی ہو جس کے نچلے ہونٹ کے نیچے بائیں جانب ایک چھوٹا سا اکر ہوا سٹل ہے....!“ حمید نے پوچھا۔

”میرے خدا.... تم کتنے غور سے دیکھتے ہو۔ ہاں میں اسے جانتی ہوں۔ وہ بھی بروئوف میں

”وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے گرد زیادہ سے زیادہ عورتیں ہوں۔ اس کے لئے وہ مختلف طریقے اختیار کرتا ہے۔ مثلاً آج ہی وہ ہائی سرکل ٹائٹ کلب میں خنجر پھینکنے کا مظاہرہ کرے گا۔ یونہی تفریحا کوئی تک بھی ہے آخر....؟“

”مگر وہ تو صرف رات نقل کلب میں اس قسم کے مظاہرے کرتا ہے۔“

”بہت پرانی بات ہے! اب وہ جگہ جگہ اپنے کمالات دکھاتا پھرتا ہے۔ بالکل پیشہ وروں کے سے لہذا میں! میں کہتی ہوں کیا کوئی شریف آدمی اسے پسند کرے گا۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ آج رات کو ہائی سرکل ٹائٹ کلب میں کچھ کرے گا۔“  
 ”مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔“

”اس حد تک دلچسپی لے رہی ہو اس میں کہ تمہیں اس کے متعلق باقاعدہ طرز پر اطلاعات ملتی رہتی ہیں۔“

”یقیناً....!“ کنول مسکرائی۔ ”چور اور ہیرا پھیری والی مثل تو تم نے سنی ہی ہو گی۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ان لوگوں کے ساتھ گزاریا ہے جنہوں نے قانون شکنی کو بطور فن اختیار کیا تھا۔“  
 ”مقصد....!“

”اوہ.... ڈیز کیا تم پئے ہوئے ہو۔ ہیرا پھیری میں مقصد کہاں ہوتا ہے۔“

”ختم کرو....!“ حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھا ہوا بولا۔ ”چائے کہاں رہ گئی۔“

اتنے میں ویٹر نے چائے بھی لا کر کاؤنٹر پر رکھ دی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا ہائی سرکل کلب ہی میں بروئوف سے نہٹ لے! مگر کیوں؟ خود اس کی پوزیشن کیا تھی۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا! بروئوف کے رویہ سے اس کی اتانک نہیں ضرور لگی تھی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ سرعام اسے لاکار تا پھرتا۔

پھر بیانی کی چائے کے ساتھ ہی گویا اس کا غصہ بھی پکھل کر معدے ہی میں جا پڑا۔ وہ بھر پر سکون تھا۔

پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے اس نے کہا۔ ”پرسوں رات نقل کلب میں ضرور آنا.... میں نے بروئوف کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔“

”تم نے.... اوہ.... دیکھو.... تم اتنی دیر سے مجھے خواہ مخواہ زچ کر رہے تھے۔“

دلچسپی لے رہی ہے۔“

”کون ہے....!“

”رائے بہادر شکر سرن کی بیوی.... شیلا درپن.... وہ ایک اچھی آرٹسٹ بھی ہے۔ بچہ سال اس کی چند تصاویر نیشنل آرٹ گیلری میں لگائی گئی تھیں۔“

”ہم....!“ حمید اپنا بایاں گال کھجانے لگا۔ پھر آنکھیں بند کر کے مسکراتا ہوا بولا۔ ”اگر عورت نے میری نیندیں چھین لی ہیں.... اور میں آج کل زیادہ سے زیادہ کھانے لگا ہوں۔“

”آدم خور.... نہیں تم جھوٹے ہو.... کوئی اور چکر ہے۔“

”کچھ نہیں.... میں بس اتنا ہی چاہتا ہوں کہ وہ کبھی کبھی میری طرف دیکھ کر مسکرایا کرے۔“

”بکواس.... اب میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ بیوقوف بنا کر معلومات حاصل کر رہے ہو۔“

”مت بتاؤ.... مگر چائے کے پیسے تو بتا ہی دو.... ظاہر ہے تم اتنی شریف بھی نہیں ہو کہ

خود سے کبھی چائے آفر کرو۔“

کچھ دیر تک حمید اسے زچ کرتا رہا پھر اٹھ گیا۔ اس سے کچھ زیادہ کام کی باتیں نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے ہائی سرکل کلب ضرور جانا چاہئے۔

تقریباً آٹھ بجے وہ وہاں پہنچ گیا اور عادت کے مطابق سب سے پہلے فیجر کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا اسے کچھ دیر پریشان کئے بغیر ہال میں قدم نہیں رکھتا تھا۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا اندر سے فیجر کے کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔

”کبھی کبھی میرا بھی کہنا مان لیا کرو۔“ اس نے انگریزی میں کہا تھا۔

”نہیں.... نہیں.... نہیں!“ یہ کسی عورت کی آواز تھی۔

حمید مسکرایا۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ ہائی سرکل کے ننھے ننھے فیجر نے جو بے حد عاشق مزاج اور رنگین طبع تھا حال ہی میں ایک موٹی سی یوریشین عورت سے شادی کر لی تھی، لیکن ابھی تک

حمید نے اس کی بیوی کو دیکھا نہیں تھا۔

”اف فوہ.... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں ڈیر....!“ پھر فیجر کی آواز آئی۔ یہ جملہ اس نے انگریزی میں کہا تھا اور پھر اردو میں ”بقول شاعر“ کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔ کیونکہ ٹھیک اسی وقت

حمید نے دروازے پر دستک دی تھی اور پھر فیجر نے کھنکھار کر کہا تھا ”کم ان.... پلیز....!“

حمید دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا.... ایک موٹی سی جوان العمر یوریشین عورت میز پر

دونوں ہاتھ ٹیکے کھڑی تھی۔

فیجر کی آنکھوں میں پہلے تو الجھن کے آثار نظر آئے لیکن پھر یک بیک اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

”آئیے.... آئیے جناب کپتان صاحب آپ تو بقول شاعر وہاں وکمر کی طرح معدوم ہو رہے ہیں آج کل۔“ فیجر اٹھ کر حمید کا استقبال کرتا ہوا بولا اور اسی وقت یوریشین عورت نے

بیز پر گھونسا مار کر کہا۔ ”پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔“

پھر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ فیجر کے چہرے پر جھلہٹ کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

اس نے دانت پیس کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”خدا عافرت کرے تمہیں۔“

”کیا مطلب....!“ حمید غرایا۔

”اوہ.... جی!“ فیجر چونک پڑا.... پھر خفت آمیز لہجے میں بولا۔ ”تخاطب آپ سے نہیں تھا جناب.... تشریف رکھئے نا۔ آپ سے بڑی شکایت ہے۔ اب آپ بہت کم تشریف لاتے ہیں۔“

”اچھے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔“ حمید بولا۔

”اوہ.... بھول جائیے بچیلی باتوں کو جناب۔“

”کیا یہ محترمہ تمہیں۔“

”جی ہاں....!“ فیجر نے ٹھنڈی سانس لی۔

”تم کچھ غیر مطمئن سے معلوم ہوتے ہو۔“

”آ.... ہا....“ فیجر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”کیا پوچھتے ہیں کپتان صاحب! ہر چنگدار چیز سونا نہیں ہوتی۔“

”مگر یہ چیز تو وزن دار بھی معلوم ہوتی ہے۔“

”آپ بھی اڑا لیجئے مضحکہ....!“ فیجر نے دردناک آواز میں کہا۔ ”بقول شاعر اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو، تم کو بھی مقدر کہیں مجھ سانہ بنا دے۔“

”میرا مقدر اتنا فرہ نہیں ہے کہ مجھے تم سانہ بنا سکے۔“ حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”ختم کیجئے۔“ فیجر بیزاری سے بولا۔ ”آپ ہمیشہ دوستی کا دم بھرتے رہے ہیں اب میں دیکھ چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں۔“

”خیریت....!“ حمید نے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

”خیریت ہی ہے.... لیکن میں اپنے کلب کے مستقبل سے مایوس ہوتا جا رہا ہوں۔ بعض مستقل ممبروں کی ضدیں اکثر میرے لئے بڑی پریشان کن بن جاتی ہیں۔“

”مثلاً....!“

”آپ پرنس بروئوف کو جانتے ہیں؟“

پھر وہی پرنس بروئوف! حمید نے ہونٹ بھیج کر ایک طویل سانس لی۔

”ہاں نام تو سنا ہے۔“

”یہ بھی سنا ہو گا کہ شہر کی ساری عورتیں ان دنوں پاگل ہو رہی ہیں۔“

”اگر یہی خبر سنانے والے ہو تو یقیناً تم کافی پریشان ہو گے۔“

”سمجھنے کی کوشش کیجئے کپتان صاحب۔“ فیجر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

”کوشش کر رہا ہوں۔“

”کلب کے کنوارے ممبر بضد ہیں کہ بروئوف فیجر پھینکنے کے کمالات دکھائے لیکن شادی

شدہ ممبر اُسے پسند نہیں کرتے.... مجھ سے زبردست غلطی ہوئی تھی۔“

”تم سے کیا غلطی ہوئی تھی۔“

”میں نے بروئوف کو ممبر کیوں بنایا تھا۔“

”تم روک سکتے ہو اس مظاہرے کو۔“

”یہی تو مصیبت ہے کہ نہیں روک سکتا۔“

”غالباً محترمہ نے اسی پروگرام کے لئے کہا تھا....!“ حمید مسکرایا۔

”جی ہاں....!“ فیجر نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا کر میز کی سطح پر ناخن سے خراشیں ڈالنے لگا۔

”پھر تم کیا چاہتے ہو.... میں کس طرح دوستی کا حق ادا کر دوں۔“

”کچھ کیجئے.... ایسا کچھ کہ وہ یہاں آنا ہی چھوڑ دے۔“

”ماروں....!“

”ارے نہیں! مطلب یہ کہ آپ اسے کسی طرح نچا دکھائیں اور وہ ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دے۔ آپ بھی تو بڑے نشاندہ باز ہیں۔ میں نے انور اور رشیدہ کی زبانی سنا ہے....“ فیجر پھینکنے میں

بھی آپ اپنا جواب نہیں رکھتے۔“

”پھر کیا تم مقابلہ کرانا چاہتے ہو۔“

”یہی سمجھ لیجئے....! اگر کچھ لوگ اس پر مصر ہیں کہ بروئوف اپنے کمالات دکھائے تو کچھ

ہل آپ کے نام کا بھی اعلان کر سکتے ہیں۔“

”میں ایک ذمہ دار آفیسر بھی ہوں اس کا خیال رکھو۔“

”ارے آپ ایسا کہہ رہے ہیں کپتان صاحب۔ جب آپ اپنے رفیق حیات بکرے صاحب کو

ہرملے کر نکلتے ہیں اس وقت کہاں چلی جاتی ہے آفیسری۔“

”اس وقت میں ڈیوٹی پر نہیں ہوتا۔“

”تو کیا آپ یہاں اس وقت کسی سرکاری کام سے آئے ہیں۔“

”ہاں یقیناً! مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ شکر سرن کی بیوی شیلادرپن بھی تمہارے کلب کی ممبر

ہے یا نہیں۔“

”کیوں....؟“

”یہ نہیں بتایا جاسکتا۔“

فیجر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ”آپ لیڈی داؤد کی خودکشی کے سلسلہ میں تفتیش تو

نہیں کر رہے۔“

”کیوں؟ تم نے شیلادرپن کے ذکر پر اس کا حوالہ کیوں دیا۔“

”میرے خدا.... تو آپ سچ میرا دماغ ہی خراب کرنے آئے ہیں۔“

”یہی سمجھ لو.... لیکن جلدی سے زبان کھولو! ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد میں تمہاری مدد

کری سکوں۔“

”ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے.... اسی کمرے میں بڑی شدید جنگ ہوئی تھی۔ دونوں کے

زخمیاں اور لیڈی داؤد نے شیلادرپن کے گال پر تھپڑ مارا تھا اور پھر دونوں بھوکی شیرنیوں کی طرح

دوسرے پر جھپٹ پڑی تھیں۔ شیلادرپن لیڈی داؤد سے کمزور پڑتی تھی۔ اس لئے اس نے

”بھئی یہ شیلادرپن بھی اس بھیڑ میں نظر آئی تھی۔“  
 ”نہیں! میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں بھیڑ میں کبھی نہیں دیکھا۔“  
 ”اور لیڈی داؤد....!“

”جی نہیں! مگر آپ انہیں بروئوف سے کیوں نتھی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“  
 ”کچھ نہیں.... ہاں تو کیا یہاں کلب میں پھینکے جانے والے خجروں کا کچھ اسٹاک موجود ہے۔“  
 ”نہیں.... وہ لوگ مہیا کریں گے۔“

”کیا تم نے باقاعدہ طور پر اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔“  
 ”کیا اجازت نامہ....!“

”بغیر لائسنس یا اسپیشل پرمٹ خنجر نہیں استعمال کئے جاسکتے۔“  
 ”ارے باپ رے.... پھر کیا ہوگا۔“

”اگر بروئوف نے یہاں مظاہرہ کیا تو کل تم حالات میں نظر آؤ گے۔“  
 ”پھر بتائیے میں کیا کروں۔“

”کیا بتاؤں! اگر تم بھی زد میں نہ آئے ہوتے تو میں عین وقت پر بروئوف اور اس کے  
 داریوں کے ہاتھوں میں جھکڑیاں لگا دیتا۔“

”واقعی یہ بات بڑی بے سکی رہے گی۔“ فیجر نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔  
 ”بقول شاعر....!“ حمید مسکرایا۔

پھر اس نے فون پر گھر کے نمبر رنگ کئے۔ اسے توقع تھی کہ فریدی گھر ہی پر ہوگا۔ لیکن وہ  
 موجود نہیں تھا۔ وہ دراصل فریدی سے اس مسئلہ پر مشورہ لینا چاہتا تھا کہ بروئوف کا یہ مظاہرہ  
 کواے یا نہیں۔ رائل کلب کی اور بات تھی۔ اس کے پاس اس قسم کے مظاہروں کے لئے  
 باقاعدہ طور پر لائسنس تھا.... لیکن دوسری تفریح گاہوں میں خنجروں یا ریوالبوروں کا کھیل قانون  
 شکنی کی حدود میں داخل ہو جاتا تھا۔

فریدی گھر پر موجود نہیں تھا لیکن ملازم کے بیان کے مطابق وہ کئی بار حمید کے لئے گھر پر  
 ٹک کچکا تھا۔ حمید نے ملازم کو تاکید کر دی تھی کہ اب اگر فریدی کی کال آئے تو وہ اسے ہائی  
 ریکل کلب کے لئے ڈائرکٹ کر دے۔

اسے رگڑ ڈالا تھا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ کمرہ اندر سے بند کر دوں تاکہ اس فریڈ  
 سے دوسرے محفوظ نہ ہو سکیں۔“ فیجر خاموش ہو کر چمکیں جھپکانے لگا۔

## لاش

حمید نے پاپ سلگا کر دو تین گھرے کش لئے اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا وہ نیم و آئینہ  
 سے فیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا ڈیر مسٹر فیجر!“  
 ”میں نہیں جانتا۔“

”اوہ تو وہ بس یونہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑی تھیں۔“

”نہیں دیکھئے میں بتاتا ہوں۔ شیلادرپن یہاں پہلے ہی سے موجود تھیں وہ یہاں کسی کا  
 کر رہی تھیں۔“

”کس کا انتظار کر رہی تھیں۔“

”یہ نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہا تھا کہ میں یہاں کچھ دیر بیٹھ کر ایک آدمی کا انتظار کروں گی  
 شاید دس منٹ بعد لیڈی داؤد کمرے میں داخل ہوئی تھیں.... اور انہوں نے ان کے منہ پر  
 مار کر کہا تھا یہ ہے جواب.... اور بس پھر جنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایسی جنگ زندگی میں پہلی بار  
 دیکھی تھی۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو نوچ کھسٹ رہی تھیں۔“

”لیکن تم نے ان دونوں کو الگ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔“

”میں نروس ہو گیا تھا۔“

”پھر وہ الگ کیسے ہوئی تھیں۔“

”جب شیلادرپن بے ہوش ہو گئی تھی تو لیڈی داؤد نے ان پر تھوکا تھا اور باہر نکل گئی تھیں  
 حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔ اسمراس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”آج کل بروئوف کے ساتھ زیادہ تر کون عورت دیکھی جاتی ہے۔“

”زیادہ تر عورتیں ہی دیکھی جاتی ہیں.... اس کے گرد تو بھیڑ رہتی ہے کپتان صاحب!“

اب بہر حال اسے کچھ دیرو میں ٹھہر کر فریدی کی کال کا انتظار کرنا تھا۔

”میں تو یہ چاہتا تھا جناب کہ آپ اس کا منہ پھیر دیتے۔“ منجر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔  
”تاکہ ان عورتوں کی دیوانگی دور ہو.... یہ بروئوف کو دوسری دنیا کا آدمی سمجھتی ہیں۔“

”تم مطمئن رہو! وہ تمہاری بیوی کو لفٹ نہیں دے گا۔“

”آپ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے ہیں۔“ منجر نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”میرا یہ مظلوم نہیں تھا۔“

حمید خاموشی سے پائپ کے کش لیتا رہا.... وہ لیڈی داؤد اور شیلہ درپن کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کیا کنول ہی کا خیال درست تھا۔ لیڈی داؤد کی جگہ شیلہ نے لی ہو۔ دونوں کے جھگڑے کا منہ یہی رہا ہو.... اور پھر انتہائی مایوسی کے عالم میں عاشق مزاجوں کو خود کشی ہی کی سوجھتی ہے۔ پھر فریدی کے فلٹ ہیٹ میں سوراخ کا کیا مطلب تھا.... اگر یہ معاملہ صرف رقابت تک محدود نہ ہو تا تو فریدی پر فائر کیوں کیا جاتا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لئے قانون بچائی پھندے تیار کرتا۔ الف کو بے سے محبت تھی۔ درمیان میں جیم آکودی۔ ”بے“ جیم کی طرف نائل ہو گیا۔ الف نے خود کشی کر لی.... پھر! کیا قانون اس کے لئے بے یا جیم کو سزا دے گا.... اگر نہیں تو.... ان میں سے کسی کو اس خود کشی کی تفتیش سے غلبان کیوں ہو کہ وہ چھ کراڑنگ پر اتر آئے؟

حمید سوچتا رہا.... اور پائپ کی تمباکو راکھ ہوتی رہی۔

دفعتاً فون گنگنا اٹھا۔ منجر نے ریسیور اٹھا کر کسی کی کال ریسیو کی اور پھر ریسیور حمید کی طرف

بڑھا دیا۔

”ہیلو!....“

”حمید!....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تمہیں گھر پر موجود ہونا چاہئے تھا۔“

”مجھے تو اسی بار کے سامنے موجود ہونا چاہئے تھا جہاں چھوڑا گیا تھا۔“ حمید نے برا سامنے بنا کر

”حالات ایسے تھے کہ مجھے فوراً ہی ایکشن لینا تھا۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔“

حمید نے اسے بروئوف کے بارے میں بتایا کہ وہ آج رات کو ہائی سرکل میں خنجر چھینے

مظاہرہ کرے گا۔

”اوہ....“ اسے چھوڑا وقت برباد نہ کرو.... میں منٹ کے اندر اندر آفس پہنچ جاؤ۔“

”رات کو آفس!....“

”میرا سیکشن آج اس وقت بھی کام کر رہا ہے۔“

”ہماری یہ ممکن نہیں ہے کہ میرا تبادلہ کسی دوسرے سیکشن میں ہو جائے۔“

”نہیں بکواس مت کرو....!“

”اچھی بات ہے۔“ حمید نے ریسیور رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ پھر منجر سے بولا۔

”ہیلو! شاعر کسی ری ڈولی میں ہو جا سوار.... اب چلے! اگر وہ لوگ بروئوف کے مظاہرے پر

نہیں تو مجھے فون کر دینا۔ لیکن اس کا علم کسی کو نہ ہونے پائے کہ میں تم سے بروئوف یا شیلہ کے

نقل کی قسم کی گفتگو کر چکا ہوں۔“

”بہت بہتر جناب.... مگر میں تو یہ چاہتا تھا۔“

”پرسوں رات رات نقل کلب میں یہ بھی دیکھ لیتا۔ میں نے بروئوف کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔

نقل کلب میں ہر قسم کے مظاہرے میں حصہ لے سکتا ہوں کیونکہ رات نقل کلب ایسے مظاہروں

کے لئے خصوصی پر مٹ رکھتا ہے۔“

”میں بس یہی چاہتا تھا کہ اس کی بقول شاعر ہوا بگڑ جائے۔“

”اچھا!....“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”بقول شاعر.... میں تو چلی پیا کے دیس میکے سے ناطہ توڑ کے۔“

پھر میں منٹ کے اندر ہی اندر وہ آفس پہنچ گیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بے حد غصہ آیا کہ

اپنی اپنی میز پر بیکار بیٹھا ہوا ہے۔

”چپ چاپ اپنی میز پر بیٹھ کر طبلہ بجانے لگا۔ فریدی اسے گھور رہا تھا۔

”کوئی خاص خبر!....“ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”خاص الخاص!....“ حمید ہاتھ روکتا ہوا بولا۔ ”میں اپنا بستر بھی یہیں منگوا رہا ہوں۔ بارات

ٹھہرے جائے گی۔“

”ہائی سرکل میں بروئوف کے متعلق اور کیا معلوم کیا۔“

”آپ بتائیے.... وہ جانور کہاں ہے۔ جلاہٹ میں میں نے ایک سو اسی روپوں کا خون کر دیا۔“

”کیوں!....؟“

”نہیں..... کبھی نہیں۔ تفریح گاہوں میں تو برونوف کے ساتھ لڑکیوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔“  
 ”ہاں.....!“ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں..... پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر فون کا  
 بیور اٹھایا۔ کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ہیلو..... تھرٹین..... تھرٹین!  
 ہاں ہارڈ اسٹون..... معلوم کرو کہ رائے بہادر شکر سرن کی بیوی شیدا درپن نے ابھی حال ہی  
 میں کسی عورت کو ملازم رکھا ہے..... نہیں عورت یا مرد کی تخصیص نہیں ہے..... مطلب یہ کہ  
 اس نے کسی کو ملازم رکھا ہو..... شکر سرن نے نہیں کیا سمجھے..... ہاں کتنی دیر انتظار کیا  
 لئے..... آں..... اچھا ٹھیک ہے۔“

فریدی نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا اور حمید کھڑا پلکیں چپکاتا رہا۔

”یہ نوکر رکھنا کہاں سے نکل پڑا۔“ اس نے حیرت سے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ یہی چیز تمہاری دلچسپی کا باعث بن سکے۔“ فریدی مسکرایا۔

”میں پوچھتا ہوں آپ غائب کہاں ہو گئے تھے۔“

فریدی نے اب اپنی روداد مختصر الفاظ میں دہرائی..... حمید تحیر آمیز انداز میں سنتا رہا۔ پھر  
 بالائی فخم ہو جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

”تو..... وہ میرا ہی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں..... سر داؤد کا بیان کردہ حلیہ اس لڑکی سے مطابقت رکھتا ہے۔“

”پھر اب ہم کدھر جا رہے ہیں۔“

”تھرٹین سے جواب مل جانے پر کچھ کہہ سکوں گا۔“

”یہ تھرٹین کیا بلا ہے۔“

”نمبر.....!“

”ایسے کتنے نمبر ہیں۔“

”لا تعداد.....!“

”تب پھر میں آج سے آپ کو کرئل کی بجائے نمبر دار کہوں گا۔“

”اگلی شروع کر دو.....!“ فریدی مسکرایا۔

”یہ آپ کی بلیک فورس کب میری سمجھ میں آئے گی۔“

”دو بوتلیں بہترین اسکاچی خریدی تھیں..... باہر آکر توڑ دیں۔ کہاں لٹکائے پھر بنا۔“  
 ”گھر واپس جا سکتے تھے۔“

”موقعہ نہیں تھا..... آج میں بے حد اداس ہوں۔“

”کب نہیں ہوتے۔“ فریدی نے براہِ سامنے بنا کر کہا۔

”مگر اب آپ سے ایسی غلطیاں سرزد ہونے لگی ہیں، جو پہلے کبھی نہیں ہوئیں۔“

”مثلاً.....!“

”آپ نے سر داؤد سے یہ نہیں پوچھا کہ لیڈی داؤد مزاج کی کیسی تھی۔“

”کیوں.....؟“

”کیونکہ میں جانتا ہوں..... وہ ایک جھگڑالو عورت تھی اور پچھلے ہفتے اس نے رائے

شکر سرن کی بیوی کو مار مار کر بیہوش کر دیا تھا۔“

”کہاں.....؟“

”ہائی سرکل کے آفس میں.....!“

”وجہ.....!“

”وجہ نہیں معلوم ہو سکی! شیدا فیجر کے آفس میں کسی کا انتظار کر رہی تھی کہ لیڈی داؤد

داخل ہوئی اور شیدا کے گال پر ایک ہاتھ چھوڑ دیا! پھر دونوں لپٹ پڑیں! فیجر کا بیان ہے کہ وہ

سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر ایک دوسری کو نوچ کھسٹ رہی تھیں۔ پھر شیدا بے ہوش

گر گئی اور لیڈی داؤد نے اس پر تھوکا تھا..... اس کے بعد پھر وہ وہاں نہیں ٹھہری تھی..... شیدا

بھی ہوش میں آنے کے بعد فیجر کو اس جھگڑے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔“

”فیجر سے یہ تو ضرور کہا ہو گا کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اوہ! مجھے اس کے متعلق فیجر سے سوال کرنا پڑا ہے تھا۔“ حمید نے متاسفانہ لہجہ میں کہا۔

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”مگر تمہیں اس

میں کون سی خاص بات نظر آئی ہے، جو موجودہ کیس کے سلسلہ میں مفید ثابت ہو سکے۔“

”آج میں نے برونوف اور شیدا درپن کو ساتھ دیکھا تھا۔“ حمید نے کہا اور بار کا واقعہ دہرا

”کبھی کسی تفریح گاہ میں بھی دونوں ساتھ نظر آئے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کبھی نہیں.... اس کے چکر میں نہ پڑو۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“

”اگر تم نے اس سلسلہ میں چھان بین شروع کی تو تمہیں افسوس ہوگا۔ وقت کی بربادی۔“

”مجھے اتنی فرصت کہاں ہے کہ خواہ مخواہ دوسری مول لیتا پھروں۔“ حمید نے نراسمانہ

کر کہا۔

دفعتاً سار جٹ رمیش کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا خبر ہے؟“ فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

”اس نمبر کی کوئی کارٹرلیک پولیس کے رجسٹری میں درج نہیں ہے۔“ رمیش نے جواب دیا۔

”مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔“

”کیسی کار.....!“ حمید نے پوچھا۔

”یہ اسی کار کا تذکرہ ہے جس پر وہ لڑکی فرار ہوئی تھی۔ میں نے اس کے نمبر قریب۔“

دیکھے اور ذہن نشین کئے تھے۔“

”بے حد چالاک لوگ معلوم ہوتے ہیں جناب۔“ رمیش نے کہا۔

”گاؤدی قسم کے لوگوں میں مجرمانہ رجحانات شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

پھر تھوڑے وقفے کے ساتھ بولا۔ ”اچھا رمیش اب تم جاسکتے ہو۔ شکریہ۔“

رمیش چلا گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”لیکن آخر یہاں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ۔“ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

”کیا تم کچ مج میری کھوپڑی میں سوراخ دیکھنا چاہتے ہو۔“ فریدی مسکرایا۔

حمید خاموش ہی رہا۔

”رمیش کے خیال کے مطابق یہ لوگ واقعی بہت چالاک ہیں۔“ فریدی نے تھوڑی دیر

کہا۔ ”میری دیکھ لو کہ میں نے حملہ آور کو پکڑ لیا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اصل مجرموں۔“

متعلق اندھیرے میں ہوں۔“

”اوہ..... تو کیا آپ کو اس ریٹائرڈ فوجی کے بیان پر یقین آگیا ہے۔“

”بے یقینی کی کوئی وجہ نہیں.... اگر اس آدمی کے توسط سے اصل مجرموں تک پہنچنا ممکن

ہو تو وہ لڑکی اسے وہاں کبھی نہ چھوڑ جاتی۔ اگر چھوڑتی بھی تو زندہ ہرگز نہ چھوڑتی۔“

”اچھا تو..... میرا کو خود لیڈی داؤد ہی نے ملازم رکھا تھا۔“

”سر داؤد کا یہی بیان ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارا رخ کدھر ہے۔“

”رخ فی الحال کسی طرف بھی نہیں ہے۔ ابھی تو اتنا مواد بھی نہیں ملا کہ کوئی ایک نظریہ ہی

ہم کیا جاسکے۔“

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی..... فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

”لیس اٹ از ہارڈ اسٹون.....!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

تھوڑی دیر تک کچھ سنتا رہا پھر بولا۔ ”تمہیں یقین ہے..... اچھا..... ہاں..... ہاں..... ٹھیک

ہے آں..... اچھا اچھا..... بہر حال میں مطمئن رہوں کہ اس کا انتخاب شیلہ ہی نے کیا تھا.....

اچھا..... بس.....!“

فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ابھی حال ہی میں

ٹیلانے ایک لڑکی بطور پرائیویٹ سیکریٹری رکھنی ہے۔“

”لڑکی بطور پرائیویٹ سیکریٹری.....!“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”کیوں.....؟“

”عورتیں عموماً لڑکے رکھتی ہیں۔“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ غالباً وہ اس بے تکلی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

”اب آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ حمید نے اسے پھر چھیڑا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس پرائیویٹ سیکریٹری کی باقاعدہ طور پر نگرانی کی جائے۔“

”ہاں..... یقیناً۔ لیکن میں اس کی عمر معلوم کئے بغیر اس کا ذمہ ہرگز نہ لوں گا۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

”لیس.....!“ فریدی نے ریسیور اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کون ہے! اوہ.....

نیل..... کیا بات ہے۔ کیا کہا لاش..... میرے خدا کیا آج لاشوں کا چرخہ ختم ہی نہ ہوگا..... اچھا



نہرو.... میں آرہا ہوں۔“  
فریدی نے پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔  
”کون تھا....!“ حمید نے پوچھا۔

”جلدیش! کو توالی میں ایک پوریشن لڑکی کی لاش موجود ہے۔“

”کیا مطلب.... میرا....!“ حمید چونک پڑا۔

• ”ہو سکتا ہے کہ وہی ہو.... اگر یہ اس کی لاش ہوئی تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے ایک بہترین کو

سے ہاتھ دھولے۔“

”میں نہیں سمجھا....!“

”لاش کی بائیں کنپٹی پر زخم ہے۔ گولی وہیں لگی تھی۔ اگر اس نے بھی خودکشی نہیں کی تو یقین رکھو کہ وہ اصل مجرموں سے واقف تھی۔“

فریدی کی کار کچھ دیر بعد کپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ کو توالی تک کا راستہ بہت تھوڑے وقت میں طے ہو گیا۔ کیونکہ فریدی نے خاصی رفتار سے ڈرائیونگ کی تھی۔

دونوں ہی نے مردہ خانے میں میریا کی لاش دیکھی۔ فریدی نے تصدیق کی کہ یہ وہی لڑکی تھی جس نے آج دوپہر کو اسے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی۔“

پھر سرداؤد کو بھی کو توالی تک آنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ اس نے بھی میریا کی لاش شناخت کر لی۔ سرداؤد کی حالت بہت اتر تھی اسے فوراً ہی واپس کر دیا گیا۔

”تو پھر اب کہیں شیلارپن کی بھی شامت نہ آجائے۔“ حمید نے کہا۔  
فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

## درخواست

دوسرے دن حمید فن آئی لینڈ کے ایک ویران جھے میں جانو سے نشانہ بازی کی ٹریننگ لے رہا تھا۔

اسے اس بوڑھے کی صلاحیتوں پر رشک آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں اس عمر میں بھی بے

ندار تھیں۔ شراب ان میں دھندلا پن پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ چمکا دیتی تھی اور جانو کے غے ہوئے جسم میں ایسی تیزی آ جاتی تھی جیسے وہ ربر کا ہو اور کسی قسم کا میکینزم اسے متحرک رکھنے کا مدد دیتا ہو۔ وہ اس وقت حمید کے لئے پنگ پانگ کی گیندیں اچھال رہا تھا۔

”ہاتھ سیدھا رکھو لڑکے.... ورنہ ساری انگلیاں توڑ دوں گا۔“ ایک بیک وہ غرایا۔

تیسری گیند پر حمید کا ہاتھ بہک گیا تھا اور وہ زمین پر گری تھی۔

”تم سیدھے کھڑے ہو کر ہی نہیں سنبھال سکتے۔ سر کے بل کھڑے ہو کر کیا کرو گے۔“ جانو نے کہا۔

”وہ بہت آسانی سے کر سکوں گا۔ میں الٹا پیدا ہوا تھا۔ اونڈھی کھوپڑی رکھتا ہوں۔“ حمید جھلا گیا۔  
جانو نے زمین سے بوتل اٹھا کر تین چار گھونٹ لئے اور پھر کاک لگا کر اسے ایک طرف لڑھکا دیا۔  
وہ سو ڈالائے بغیر پی رہا تھا۔ ایک بوتل صاف کر چکا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے دوسری کھولی تھی۔  
حمید گھاس پر بیٹھ گیا۔ جانو سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

”تم دونوں مفت میں اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔“ اس نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز لی۔ ”آج کا گریٹ آدمی کل میری ہی طرح پاپوس اور پست ہو جائے گا۔“  
”ہو سکتا ہے ہم آج بھر کے ہوں۔“ حمید بولا۔

”کہنے کی باتیں ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اسے کب تک جینا پڑے گا.... میں....!“ اس نے پنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”جانو ہر لحظہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھر تا تھا۔ میری زندگی کا ہر دوسرا لمحہ میرے لئے موت کا پیغام رہا ہے۔ لیکن میں آج بھی زندہ ہوں اور حقیر کیڑوں کی طرح انڈوں میں ریختہ پھر رہا ہوں۔ ایک دن آدمی کا دل ضرور ٹوٹتا ہے کیپٹن! میں وہی جانو ہوں جس نے اپنا گھر جلتے دیکھا تھا۔ میں وہی جانو ہوں جس کا سارا کنبہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن میرا دل نہیں ٹوٹا تھا.... اس وقت تو میرے سینے کی آگ اور بڑکی تھی.... انگریز تو یہی سمجھا تھا کہ اس کے بعد میرے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ یا تو میں گڑگڑاتا ہوا ان کے قدموں پر جا رہوں گا یا پھر روپوش ہو جاؤں گا۔ کبھی میرا نام نہ سنا جاسکے گا۔ مگر جانتے ہو اس کے بعد کیا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک ظالم کمشنر میجر برٹرام کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور پھر اس کے بعد میری سرگرمیاں بڑھتی ہی رہی تھیں۔ لیکن وہ مجھ

رہے ہو کر نشانہ لگاؤ..... اوہو..... ٹھہرو..... یہ برونف مجھے کچھ یاد آ رہا ہے.... چار سال  
 دن میں مغربی جرمنی میں تھا۔“

”تم.... مغربی جرمنی میں۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں.... آں.... کیا ہوا.... میرے جسم پر جھولتے ہوئے جیتھروں پر نہ جاؤ کیپٹن! جب  
 پاں کے کسی بڑے سرمایہ دار کو مشینیں خریدنی ہوتی ہیں تو وہ جانو کو ضرور تلاش کرتا ہے۔ چار  
 سال ہوئے مجھے ایک آدمی اپنے ساتھ مغربی جرمنی لے گیا تھا۔ کچھ مشینیں خریدنی تھیں....  
 ٹھہرو.... پہلے مجھے بتاؤ کیا پرنس برونف سنبھلے اور گھونگھریالے بالوں والا ہے.... کیا اس کا  
 ال نقشہ یونانیوں کا سا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم اس کا صحیح حلیہ بیان کر رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”پرنس برونف....!“ جانو کے ماتھے پر پھر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ دیر بعد کہا۔  
 ”مغربی جرمنی کی پولیس کو اس تلاش تھی۔“

”کس سلسلہ میں....!“

”یہ میں نہ بتا سکوں گا.... لیکن میں نے وہاں اس کا نام بہت سنا تھا۔ اخبارات میں روزانہ اس  
 کا طبع جاری کیا جاتا تھا.... دن میں کئی بار ریڈیو پراس کا حلیہ دہرایا جاتا تھا۔ پولیس اسے زندہ یا  
 مردہ حالت میں چاہتی تھی۔ کچھ انعام بھی تھا۔ اس کی بعض خصوصیات بھی نشر کی جاتی تھیں۔  
 اس کی ایک خصوصیت نشانہ بازی میں مہار.... تھی۔“

”تمہیں جرمن آتی ہے۔“

اس سوال پر وہ بڑی حقارت سے ہنس کر بولا۔ دہشت پسند جانو دنیا کی سات زبانوں کا ماہر ہے۔“



رات اندھیری تھی۔ پرنس برونف نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا! عمارت کی پشت پر سناٹا  
 تھا اور اندھیرا تو تھا ہی۔ وہ کھڑکی بند کر کے پھر فون والی میز کی طرف پلٹ آیا۔ ریسور اٹھا کر نمبر  
 ڈائل کئے اور دوسری طرف سے جواب مل جانے پر بولا۔ ”صدر دروازہ سے تو نکلتا ممکن نہیں  
 ہے کیونکہ دو آدمی نگرانی کر رہے ہیں۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ میری نگرانی ہو رہی ہے۔“

پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ پھر جب آزادی آئی انگریز چلے گئے میں نے خود کو ظاہر کیا اور پرنس شہزادہ  
 کی زندگی بسر کرنے لگا۔ میں نے کبھی حکومت پر اپنا حق نہیں جتایا۔ کبھی یہ نہیں چاہا کہ حکومت  
 میری امداد کرے.... میں مزدوروں کی طرح اپنا پیٹ پالتا تھا اور خوش تھا۔ لیکن پھر میرا دل  
 ٹوٹ گیا.... میں مر گیا....!“

”کیوں....؟“ حمید نے اسے ٹوکا۔

”پہلے ہم صرف ایک کے غلام تھے اور اب ہمارا گزارہ در در کی بھیک پر ہے۔ ہم ہر ایک  
 آگے ہاتھ پھیلانے کے لئے آزاد ہیں.... ہا ہا ہا.... آزاد ہیں.... یہ آزادی ہے.... زندہ ہمارا  
 ”یار جانو صاحب! اب تم سیاست پر بور کر دو گے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔  
 میں اور کرنل میں بڑا فرق ہے۔ یہاں تو زندگی چاند سی عورت کے سوا کچھ بھی نہیں! یہ جوا  
 وقت میں یہاں جھک مار رہا ہوں یہ بھی عورتوں ہی کے لئے ہے.... میں نہیں چاہتا کہ یہاں  
 نگاران خوبرو کسی غیر ملکی کے گرد بھڑکائیں۔“

”میں نہیں سمجھا....!“ جانو بولا۔

حمید نے اسے روسی شہزادے برونف کے متعلق بتایا۔

”پرنس برونف.... پرنس برونف....“ جانو نے اس طرح آہستہ آہستہ دہرایا جیسے  
 یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر بولا۔ ”پتہ نہیں میں نے یہ نام کہاں سنا تھا.... کان آشنائے  
 ہوتے ہیں۔ ہاں تو کیا یہ پنگ پانگ ہی کے گیندوں پر نشانہ لگاتا ہے۔“

”بالکل اسی انداز میں جیسے میں مشتق کر رہا ہوں۔“

”کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو۔“

”اگر ایسا ہو تو کیا کہنا۔“

”کسی گوشے میں ایک آدمی آئینہ دے کر بٹھا دینا۔ جیسے ہی گیندیں اچھالی جائیں وہ ان پر  
 قریبی بلب کی روشنی کا عکس ڈال دے.... ہاتھ بھک جائے گا۔“

”لیکن یہ ٹرک تو صرف اس پر بلکہ تماشاخیوں پر بھی ظاہر ہو جائے گا۔“

”ہاں یہ بات تو ہے۔“ بوڑھا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”بھئی میرا خیال تو یہ ہے کہ تم  
 ایمانداری سے شکست دینے کی کوشش کرو۔ تمہاری یہ تجویز بھی ٹھیک ہی ہے کہ تم سرے

آخر کار وہ عمارت کے وسط میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جسے جدید طرز پر  
 راتے کیا گیا تھا۔ بروئوف نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔  
 دفعتاً ایک دروازہ کھلا اور سرخ رنگ کی روشنی کا ایک بڑا سادہ ہال میں رینگ آیا۔  
 بروئوف کھڑا ہو گیا روشنی کا دھبہ ہال کے فرش پر ایک طویل و عریض مستطیل بنا رہا تھا۔ پھر  
 ل کے سارے بلب بجھ گئے۔ لیکن سرخ رنگ کی روشنی کا مستطیل بدستور فرش پر قائم رہا۔  
 دُجرے میں یہ روشنی پہلے سے کچھ زیادہ تیز معلوم ہونے لگی تھی۔  
 دیکھتے ہی دیکھتے اس روشن مستطیل میں کسی آدمی کی گہری سیاہی پر چھائیں نظر آئی۔  
 ”بروئوف.....!“ جیسے ہال کا اندھیرا بول پڑا۔  
 ”ہاں میں موجود ہوں۔“ بروئوف کی آواز اس کے مقابلہ میں کمزور سی تھی۔  
 ”تم سے کس نے کہا تھا کہ تم شیلا کو ادھر ادھر لئے پھرو۔“  
 ”کسی نے بھی نہیں.....!“ بروئوف نے جواب دیا۔  
 ”تمہاری اس حرکت سے کھیل بگڑ گیا ہے۔“  
 ”پھر میں کیا کروں۔“  
 ”صرف ہوش میں رہو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی میری ہی کا سا حادثہ پیش آجائے۔“  
 ”میرا کیا کیا ہوا۔“  
 ”اس نے احتیاط نہیں برتی تھی! لہذا اس کا کھیل ختم کرنا پڑا۔“  
 ”پھر اب کیا ارادہ ہے۔“  
 ”شیلا سے دور رہو۔ کچھ دنوں کے لئے گوشہ نشین ہو جاؤ۔“  
 ”وہ خود ہی میری قیام گاہ پر آ پہنچے گا۔“  
 ”وہاں سے ہٹ جاؤ..... دوسری قیام گاہ کا انتظام ہو جائے گا۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ دونوں  
 کتنے چالاک ہیں۔ کیپٹن حمید اس وقت مے پول میں اس لڑکی کے ساتھ ناچ رہا ہے جسے شیلا نے  
 ہائیڈرینٹ میکر مٹری کی حیثیت سے رکھا ہے۔“  
 ”یہ کیسے ممکن ہے۔“  
 ”ان لوگوں کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ تم نہیں جانتے۔“

”تب پھر تمہیں ہر حال میں پہنچنا ہے۔ بس..... میں فون پر زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔  
 مجھ تک پہنچو اس کی پرواہ کئے بغیر کہ کوئی تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔“  
 ”اچھا.....!“ بروئوف نے ریسور رکھ دیا۔  
 پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے کالز پر اتر آیا۔ گندے پانی کا موبہا  
 پاپ اسے نیچے پہنچانے کے لئے کافی تھا۔  
 تھوڑی دیر تک وہ دیوار سے لگا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا پھر دبے پاؤں آگے  
 بڑھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ادھر اس پر نظر رکھنے والوں میں سے کوئی نہ ہوگا۔  
 وہ کمیتوں سے گذرنا ہوا ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے لگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد رک کر اوپر  
 ادھر نظریں بھی ڈالتا جا رہا تھا۔  
 ریلوے اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے اسے ایک میل کی مسافت طے کرنی پڑی۔ وہاں سے اتر  
 نے ایک ٹیکسی لی۔ لیکن اس سے پہلے اطمینان کر لیا کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا تھا۔  
 ”ایگل اسکوائر.....!“ اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔  
 ٹیکسی چل پڑی۔ رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ سڑکیں ابھی پر رونق تھیں۔ پندرہ منٹ بعد  
 ٹیکسی ایگل اسکوائر کی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔  
 بروئوف نے اتر کر کرایہ ادا کیا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔  
 برآمدے میں دو باوردی ملازموں نے اسے اس کا استقبال کیا اور پھر وہ اسے ایک کمرے میں  
 لے گئے۔ یہاں بروئوف نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور ان میں سے ایک ملازم اس کی  
 جیبیں ٹٹولنے لگا۔  
 ”ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔“ بروئوف نے کہا اور جامہ تلاشی لینے والے نے  
 ریوالور جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیا۔  
 یہ کاروائی ختم ہو جانے کے بعد ایک نے نہایت ادب سے کہا۔ ”اب آپ اندر تشریف لے  
 جاسکتے ہیں جناب.....!“  
 بروئوف ریوالور وہیں چھوڑ کر راہداری میں آگیا۔ اب اس کے قدم نپے تلے انداز میں اٹھ  
 رہے تھے اور نوکروں میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں چل رہا تھا۔

”پھر مجھے، کیا کرنا چاہئے۔“

”مقابلہ....!“ آواز آئی۔ ”اگر تم تھوڑے محتاط رہو تو وہ لوگ تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ تم فرانس سے آئے ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ وہاں کی حکومت سے تمہارا پکار ڈالیں گے۔ ظاہر ہے کہ فرانس کی پولیس کے لئے تم ایک اچھے شہری تھے اور وہاں بھی بلا وطن شہر اڈے سمجھے جاتے تھے۔ تم کیپٹن حمید سے ضرور مقابلہ کرو۔ مگر صرف نشانہ بازی سے کام نہیں چلے گا۔ تم اسے شمشیر زنی کی دعوت دو! تمہاری تلوار زہریلی ہونی چاہئے بس ایک معمولی باز خرم اس کے لئے کافی ہو گا۔ وہ ایک ہفتے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔“

”مگر ابھی تو تم نے کہا تھا کہ گوشہ نشین ہو جاؤ۔“

”صرف شیلا کی حد تک.... اگر تمہارے ساتھ کئی لڑکیاں ہوں تو مضائقہ نہیں اکیلی وہ نہ ہونی چاہئے۔“

”اور وہ لڑکی جو اس کی پرائیویٹ سیکریٹری ہے۔“

”اسے بدستور وہیں رہنے دو۔“

”تم نے کہا تھا کہ وہ کیپٹن حمید کے ساتھ ناچ رہی ہے۔“

”پرواہ مت کرو۔“



کرئل فریدی سے پول کے بال روم میں داخل ہوا۔ ابھی ابھی رقص کا کوئی دور ختم ہوا تھا اور لوگ ادھر ادھر کھڑے قہقہے لگا رہے تھے.... کتنی ہی آنکھیں فریدی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایسا ہی شاندار لگ رہا تھا۔ فریدی کے انداز سے یہ قطعی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسے کسی کی تلاش تھی۔

حمید پر اس کی نظر پڑی، جو ایک دلکش سی یوریشین لڑکی کے ساتھ کافی پی رہا تھا۔ لیکن وہ اس پر مزید توجہ دینے بغیر آگے بڑھ گیا اور پھر وہ اسے مل ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی۔

یہ شیلا درپن تھی اور اپنی میز پر تنہا تھی۔ فریدی اس کے قریب باکر رک گیا۔ شیلا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئی۔

”کیا میں آپ کا تھوڑا سا وقت لے سکتا ہوں محترمہ....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

”تو کیا یہ لڑکی بھی میری ہی کی طرح ختم ہو جائے گی۔“

”ضروری نہیں ہے۔“ آواز آئی.... ”زیادہ کشت و خون مناسب نہیں ہے۔ کچھ دنوں کے لئے ہمیں اپنی سرگرمیاں ترک کرنی پڑیں گی۔“

برونوف تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”دیکھو دوست یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ تم سامنے آؤ.... ہم کھل کر گفتگو کریں۔ تمہارے طریقے مخدوش ہیں۔ گھمراؤ پھراؤ اختیار کرنے سے بہتر دشواریاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ لڑکیاں ادھر ادھر والوں کو پھانس کر کام لینے کی کوشش کرتی ہیں، جس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اب اس ریٹائرڈ فوجی ہی کا معاملہ لے لو جس نے کرئل پر فارغ کئے تھے.... وہ پکڑا گیا اور میریا کی پوزیشن خطرے میں پڑ گئی۔ لہذا اٹھکانے لگانا پڑا اگر وہ اپنا ہی کوئی خاص آدمی ہوتا تو میریا سے سڑک پر ہی چھوڑ جانے کی حماقت کبھی نہ کرتی۔“

”تم اس کی پرواہ نہ کرو۔“

”آخر تم خود کو ظاہر کیوں نہیں کرتے۔“

”برونوف.... زیادہ سوچنے کی کوشش نہ کرو۔ میرے متعلق زیادہ سوچنے کا نتیجہ موت ہی

کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔“

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو....“ برونوف غرایا۔

”یقیناً....!“ آواز آئی۔ ”دھمکیوں ہی پر تو میرا سارا کاروبار چل رہا ہے.... کیوں کیا تم مجھ

سے جھگڑا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔“

”نہیں دوست....!“ برونوف نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ”تمہارا وجود تو میرے لئے بڑا پرکشش ہے۔ ہاں ٹھہرو! تم نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اس مقابلے میں میں حصہ لوں یا نہ لوں۔“

”جانتے ہو.... خاور کون ہے؟“ آواز آئی۔

”میں نہیں جانتا....!“

”کرئل فریدی کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید....!“

”اوہ.... تو وہ....!“

”ہاں.... رائل کلب کا سیکریٹری گراہم جانتا ہے کہ وہ کیپٹن حمید ہے لیکن اس کے باوجود

بھی وہ وہاں خاور کے نام سے مشہور ہے۔“

”پوچھئے! میں ضرور بتاؤں گی۔“ شیلا مسکرائی۔

”کچھ دن پہلے ہائی سرکل کے آفس میں....!“ فریدی نے جملہ پورا نہیں کیا۔ وہ براہ راست

بیلا کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ شیلا کی پلکیں جھک گئیں اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

”لیڈی داؤد سے کس بات پر آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

شیلا کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔ شاید اب اس میں سکت نہیں رہ گئی تھی کہ فریدی سے

آنکھیں ملا سکتی.... فریدی جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن شیلا کے

ہونٹوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ کسی ایسے ننھے سے پرندے کی طرح ہانپ رہی تھی جسے باز

پوچ بچھا ہو۔ اتنے میں رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔

”کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔“ دفعتاً فریدی نے کہا۔

”فض.... ضرور.... ضرور....!“ غیر ارادی طور پر شیلا کی زبان سے نکلا اور وہ کھڑی

ہو گئی۔ اس میں بھی شاید اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔

## رقص

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جب اس نے فریدی کو شیلا درپن کے ساتھ رقص

کرتے دیکھا۔ ادھر اس کی ہم رقص کی نظر بھی شیلا پر پڑ گئی اور اس نے حمید کو ایک طرف کھینچتے

ہوئے کہا۔ ”چلو.... اُدھر بیٹھیں.... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیسے ٹھیک ہو سکے گی۔“ حمید نے پوچھا۔

”بحث نہ کرو چلو....!“

وہ اسے گیلری میں لے آئی اور رقص کرنے والوں کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔

”کیا بات ہو گئی۔“ حمید نے پوچھا۔

”میں اسے اچھا نہیں سمجھتی کہ مالک اور نوکر ایک ہی تفریح گاہ میں نظر آئیں۔“

”باتیں کیا مطلب.... تم مجھے اپنا مالک سمجھتی ہو یا نوکر....!“ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”تم بالکل احمق ہو.... میں اپنی مالکہ کی بات کر رہی تھی۔ وہ بھی یہاں موجود ہیں۔“

”جج.... جی ہاں.... تت.... تشریف رکھئے۔“ شیلا ہکلائی۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو پہلے کہاں دیکھ چکی ہے۔

”میرا کارڈ....“ فریدی نے بیٹھتے ہوئے اپنا ڈیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

شیلا نے اسے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”آپ....!“ اس نے حیر آمیز لہجے میں کہا۔ ”مگر.... جی ہاں.... فرمائیے۔“

”میں لیڈی داؤد کے سلسلہ میں تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں! مجھے لیڈی داؤد سے کیا سروکار۔“ شیلا کی آواز کانپ رہی تھی۔

”میں دراصل ان کی خود کشی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب تک ان

کے متعدد دوستوں سے مل چکا ہوں۔ اسی دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ آپ سے بھی قریبی

تعلقات رکھتی تھی۔“

”قریبی نہیں.... بلکہ وہ تو قطعی رشتہ تھے۔“ شیلا نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے

ہوئے کہا۔

”اوہ.... تو کیا آپ ان کے اور سرداؤد کے تعلقات پر بھی روشنی نہ ڈال سکیں گی! مطلب یہ

کہ دونوں کے تعلقات خوشگوار ہی تھے یا....!“

”افسوس کہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکوں گی۔ یہ تو آپ کسی ایسے ہی آدمی

سے معلوم کریں، جو دونوں کے بہت قریب رہا ہو۔“

”کیا آپ ایسے کسی آدمی کا نام بتا سکیں گی۔“

”نہیں میں کیا جانوں....!“ اس بار فریدی نے اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ محسوس کی۔

”مجھے افسوس ہے محترمہ کہ میری وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچی۔ مگر میں کیا کروں میرا

کام ہی ایسا ہے۔ کوئی اچھا نہیں سمجھتا مجھے.... سب نفرت کرتے ہیں۔ لیکن کیا آپ اس حقیقت

سے انکار کر سکتی ہیں کہ سوسائٹی کے لئے میرے جھگے کا وجود بہت ضروری ہے۔“

”اوہ! دیکھئے آپ غلط سمجھے! میں اپنی بساط بھر آپ سے ضرور تعاون کروں گی۔ مگر جن

چیزوں کا مجھے علم نہیں ہے ان کے بارے میں آپ کو کیا بتا سکتی ہوں۔“

”میں اتنی ہی باتیں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں، جتنی آپ کے علم میں ہیں۔“

”میں تمہیں اچھا آدمی نہیں سمجھتی۔“ اس نے کہا اور پھر یک بیک چوٹ پڑی وہ اس کھڑکی طرف دیکھ رہی تھی، جو ڈاننگ ہال میں کھلتی تھی۔

حمید نے نکلیوں سے ادھر دیکھا.... ایک آدمی ڈاننگ ہال میں کھڑا اسے اشارہ کر رہا تھا۔  
 بی پھر حمید کی طرف مڑی اور حمید نے نظریں جھکا لیں۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ دیر سے  
 ان کے سینڈلوں سے جھانکنے والے شفاف اور سبک پنچوں کو دیکھتا رہا تھا۔  
 ”میں اب جاؤں گی۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”خدا حافظ۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ”میں صبح تک تمہیں بھول جاؤں گا۔“  
 گھوڑیا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی پھر حمید نے اسی  
 لڑکی سے یہ بھی دیکھا کہ وہ ڈاننگ ہال سے گزر کر باہر جا رہی ہے۔ وہی آدمی جس نے اسے  
 ٹاڑہ کیا تھا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

حمید بھی اٹھ گیا.... اسے بہر حال دیکھنا تھا کہ اب وہ کہاں جاتی ہے اور وہ آدمی کون تھا۔



شیلہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ اس کے پیر مشینی انداز میں  
 موتی کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن اس کا ذہن قابو میں نہیں تھا۔  
 کچھ دیر قبل فریدی نے ایک ایسا مسئلہ چھیڑا تھا جس پر اسے اپنی عمر گھٹی ہوئی سی معلوم ہوئی  
 تھی۔ لیکن اب وہ اس طرح اس کے ساتھ رقص کر رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ جیسے اسے  
 اس سوال کے جواب کی ضرورت ہی نہیں تھی جس نے کچھ دیر پہلے شیلہ کو ٹنڈھا کر دیا تھا....  
 اور اب شیلہ کا ذہن صرف ایک ہی سوال کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ ”یہ آدمی کیا چاہتا ہے.... یہ آدمی  
 کیا چاہتا ہے۔“

دفتر فریدی نے بڑی خوابناک آواز میں کہا۔ ”آپ بہت اچھا ناچتی ہیں۔“  
 ”آپ کس سے کم ہیں۔“ شیلہ زبردستی مسکرائی تھی اور اسے اپنی آواز ایسی لگی تھی جیسے بہت  
 ”اسے آئی ہو یا کسی اندھے کو نمیں کی بازگشت رہی ہو۔“

”نہیں آپ کی ساری باتیں آرٹھک ہیں۔“ فریدی بولا۔ ”اور شاید آپ ایک اچھی مصور

”لغت ہے۔“ حمید نے اسامہ بنا کر بڑبڑایا۔ ”میں ان کا نوکر بھی کیسے ہو سکتا ہوں....! ہو سکتا ہوں؟“

”تم نہیں میں....!“ وہ جھلا کر بولی۔

”اوہ.... تو یہ کہو نا۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری باتیں سمجھ میں کم آتی ہیں۔“  
 میں پچھلے سال سے تمہاری بہتری باتوں پر غور کر رہا ہوں۔“  
 ”کیا بک رہے ہو میرا خیال ہے کہ ابھی ہماری ملاقات کو تین گھنٹے بھی نہیں گزرے۔“

”آف فوہ....!“ حمید بیک بیک چوٹ کر بولا۔ ”یہ بھول کی بیماری بہت بُری ہوتی ہے۔ میں  
 تمہیں ڈور و تھی سمجھ رہا تھا۔“

”میرا نام گھوڑیا ہے.... مگر کیا تمہارا مرض اتنا ہی شدید ہے کہ تم آن کی آن میں برسوں  
 پیچھے چلے جاؤ۔“

”یقیناً.... بعض اوقات تو میں اپنا نام تک بھول جاتا ہوں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر  
 کہا۔ ”پھر میں رائیگروں سے پوچھنا شروع کر دیتا ہوں کہ میرا نام کیا ہے اور میں کہاں رہتا ہوں۔“  
 وہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔ ”شائد تم نے حال ہی میں کوئی ایسا فلم دیکھا ہے جس کا ہیرو کسی وجہ  
 سے اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو۔“

”تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”تم پر ہی کیا منحصر ہے! ساری  
 درتیں مجھے اسی طرح آلو سمجھتی اور بتاتی ہیں۔“

”ارے تم تو زمانہ بگڑ جاتے ہو۔“ بڑی جلدی بگڑ جاتے ہو۔“

”کیوں نہ بگڑوں! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنا پاگل پن تسلیم کر لوں....!“

”میں نے تم میں ابھی تک کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جسے پاگل پن سے تعبیر کیا جائے۔“

”تم بہت اچھی ہو۔“

”اوہ.... کیا کل پھر ملنے کا ارادہ ہے۔“

”یقیناً.... کیوں نہیں۔“

”نہیں۔ میں اس کی عادی نہیں ہوں۔ ہم اتفاقاً اس وقت ہر قص بنے تھے کیا یہ ضروری ہے

کہ میں تمہیں یاد رکھوں۔“

”بھی ہیں۔“

”ہاں کچھ یونہی سالیپ پوت لیتی ہوں۔“

”آپ انکساری سے کام لے رہی ہیں۔“ فریدی مسکرایا۔

وہ اسی قسم کی گفتگو کرتا رہا اور شیلہ کا ذہنی پہچان اس کی دلچسپ گفتگو کی نذر ہو گیا۔ وہ سب بکھول گئی۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اسے برسوں سے جانتی ہو۔ اس کے ساتھ بار بار قفل کرنے کا اتفاق ہو چکا ہو۔

پھر وہ کھلتی گئی۔ زبان کی لکنت دور ہو گئی تھی اور خیالات زبان کا ساتھ بخوبی دینے لگے تھے۔ اچانک فریدی پھر اصل موضوع پر آگیا۔ ”میں نے سنا ہے کہ اس بد نصیب عورت نے بڑی درندگی برتی تھی آپ کے ساتھ۔“

”کتنا تھی.... وہ....!“ شیلہ نے غیر ارادی طور پر کہا۔

شیلہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک موم کی گڑیا کی طرح پکھلی جا رہی ہو۔ مگر یہ کیفیت بڑی نڈر آگئیں اور لذت آمیز تھی.... ذہن و جسم قوت ارادی کے تابع نہیں رہے تھے۔

”وہ.... واقعی بُری تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بہت بُری.... بہت کمینی.... اس نے مجھے درندوں کی طرح فوج کر رکھ دیا تھا.... ذلیل

کہیں کی۔“

”مگر بات کیا ہوئی تھی۔“

”میں نے سر داؤد کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس سے پہلے اسے مل گیا۔ میں نے سر داؤد کو لکھا تھا

کہ لیڈی داؤد آوارگی کی طرف مائل ہے۔ عنقریب تمہارے منہ میں کالک لگ جائے گی۔ اسے

سنہالو.... میں نے خط میں اپنا نام نہیں ڈالا تھا۔ تیسرے یا چوتھے دن مجھے لیڈی داؤد کا خط ملا جس

نے بہت عاجزی سے لکھا تھا کہ میں اس سے ہائی سر کل کلب کے منیجر کے کمرے میں ملوں....

میں نے سوچا کوئی اور بات ہوگی۔ میں اس کے لکھے ہوئے وقت کے مطابق وہاں پہنچ گئی تھی۔“

”اور وہ آتے ہی آپ پر جھپٹ پڑی تھی۔“

”جی ہاں! بالکل دیوانوں کی طرح۔“

”مگر اسے کیا معلوم کہ وہ خط آپ نے اسے لکھا تھا۔“

”چہ نہیں.... یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں۔“

”خط بھی آپ نے ٹائپ کیا ہوگا۔“

”جی ہاں....!“

”تب پھر وہ جادو گرئی تھی۔“

”چہ نہیں۔“

”مگر آپ نے خط لکھا ہی کیوں تھا۔“

”سر داؤد کو ایک خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے۔“

”آپ کو اس سے اتنی ہی ہمدردی تھی۔“

”اوہ.... میرا فرض تھا کہ اسے آگاہ کر دیتی۔“

”اگر آپ مجھے سچی بات بتادیں تو میں ایک بہت بڑی الجھن سے نجات پا جاؤں گا۔“

ٹھیک اسی وقت مائیک خراب ہو گیا۔ موسیقی کی آواز محدود ہو کر رہ گئی اور رقاصوں کے پیر رکنے

لگے۔ آرکسٹرا کی جانب سے رقص بند کر دینے کا اشارہ ملا اور لوگ اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔

شیلہ بچ اسی طرح لڑکھڑاہی تھی جیسے بہت زیادہ پی گئی ہو۔ فریدی اسے سہارا دیتے ہوئے

بڑکی طرف لایا وہ بیٹھ گئی۔ دینی بیگ سے رومال اور آئینہ نکالا اور چہرے کی دیکھ بھال کرنے کے

بعد بولی۔ ”میں پیاسی ہوں۔“

”کیا پیئیں گی۔“

”پورٹ....!“

فریدی نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پورٹ کے لئے کہا۔

”آپ نہیں پیئیں گے۔“ شیلہ نے پوچھا۔

”نہیں.... شکریہ۔ میں ضرورت نہیں محسوس کر رہا ہوں۔“

”آپ ہائی لی پولشڈ اور کلچرڈ آدمی ہیں۔“ شیلہ مسکرائی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے شیلہ جاگ سی پڑی ہو۔ اس کے چہرے

عائیک نقاب سی سرک گئی تھی۔ اب وہ پھر مضطرب اور پریشان نظر آنے لگی۔

تاؤ تکیہ شراب نہیں آگئی۔ فریدی نے کچھ نہیں پوچھا۔

”وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی پھر جھک کر گلاس کے ٹکڑوں پر نظر ڈالی اور ہنسنے لگی، ہنسنے کے انداز میں کھوکھلا پن تھا۔“

پھر آہستہ سے بولی۔ ”آپ اس طرح نہیں جاسکتے۔“

”میں ساری رات بیٹھ سکتا ہوں۔“ فریدی مسکرایا۔

اتنے میں ویٹر گلاس لے آیا۔ شیشا دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور ویٹر فرش صاف کرنے لگا۔

فریدی شیشا کے لئے شراب انڈیل رہا تھا۔

”شکریہ....!“ شیشا نے مہاسمانہ بنا کر کہا اور پھر ویٹر کے چلے جانے پر بولی۔

”آپ نے پرنس بروئوف کا نام کیوں لیا تھا۔“

”کیونکہ آپ کے خط کے متعلق اسی نے لیڈی داؤد کو بتایا تھا۔“

”نہیں....!“ شیشا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... اور پھر وہ یک بیک اس طرح

اچھل پڑی جیسے فوری طور پر اپنی کسی حماقت کا احساس ہوا ہو۔

”نہیں.... نہیں.... یہ فضول باتیں میرے سامنے نہ چھیڑیے!“ اس نے سنبھل کر کہا۔

”پتہ نہیں آپ کے ذہن میں کیا ہے۔“

”اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ آپ کے لئے بھی خودکشی تقدیر ہو چکی ہے۔“

”کیا مطلب....!“

”مطلب آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکیں گی، اگر آپ کو شبہ ہو گیا ہے کہ لیڈی داؤد کو آپ کے خط کے متعلق کس نے بتایا تھا۔“

”مگر آپ بروئوف کا نام کیوں لے رہے ہیں۔ اسے اس خط کے بارے میں کیسے معلوم ہوا ہوگا جب کہ میں اسے یونہی رسی طور پر جانتی ہوں۔“

”یہی قطعی غلط ہے کہ آپ اس سے قریبی تعلقات نہیں رکھتیں۔“

”آپ میری توہین کر رہے ہیں اور مجھ پر اتہام لگا رہے ہیں۔ میں عدالتی چارہ جوئی کروں گی۔“

”اور وہ شریف آدمی آپ کے خلاف چارہ جوئی کرنے جا رہا ہے، جس کی توہین آپ نے ہاروں کریمنٹ بار میں کی تھی۔“

شیشا ایک بار پر بوکھلائے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے جا لگی۔

اور شیشا شراب پر اس بُری طرح ٹوٹی تھی جیسے برسوں کی پیاس ادھار رہی ہو۔ تھوڑی دیر بعد اس کی دھندلائی ہوئی آنکھیں پھر چمکنے لگیں اور اس نے سنبھالا لے کر فریدی سے کہا۔

”آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ مجھے بور کریں۔“

”مجھے اس کا اعتراف ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ لیڈی داؤد کی خودکشی کی ذمہ دار

سراسر آپ ہی ہیں۔“

”میں اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”دو چار دن بعد مجھے ہائی سرکل کے فیجر کے کمرے میں مل لیجئے گا۔“

”کیوں....؟“

”مجھے نوپنے اور کھسوٹنے کے لئے....!“

”کیا مطلب....!“

”میں بھی ویسا ہی خطرے سرن کو لکھوں گا جیسا آپ نے سرداؤد کو لکھا تھا۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“

”میں نے تو نہیں پی محترمہ....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

شیشا درپن اتنی دیر میں نصف سے زائد بوتل صاف کر چکی تھی۔ وہ پورٹ ہی سہی لیکن ار

انداز میں پینے سے ذہن پر اثر ہوتا ہی ہے۔ اس کا دماغ پھر تاریک خلاؤں میں چکرانے لگا تھا۔

”کیا لکھیں گے۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”میں تو صاف صاف لکھ دوں گا کہ پرنس بروئوف....!“

شیشا کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ پڑا.... اس کے ٹوٹنے کی آواز سے اس پاس کے لوگ

چونک پڑے۔ فریدی نے ویٹر کو دوسرا گلاس لانے اور فرش صاف کرنے کا اشارہ کیا۔

شیشا کرسی کی پشت سے ٹک کر اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

”اچھا اب اجازت دیجئے۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں....!“ وہ ہڈیانی انداز میں بولی۔ ”بیٹھے.... آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔“

”اپنی حالت سنبھالئے محترمہ.... لوگ آپ کو گھور رہے ہیں۔“



”کیا اس ہے.... آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ پھر مجھے بور کرنے سے کیا فائدہ.... جائے!“  
 ”نہی کی پرواہ نہیں ہے۔ میں شکر سرن کو کل چھوڑ سکتی ہوں۔“  
 ”لیکن جب اس خودکشی کا کیس عدالت میں پیش ہو گا اس وقت آپ کہاں ہوں گی۔“  
 ”یہاں پھر خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے شدید ترین الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔ آخر کار اس  
 متعل آواز میں کہا۔

”ہاں.... بہترے معاملات میری سمجھ سے بھی باہر ہیں۔“

”میں سمجھا سکتا ہوں.... مثال کے طور پر کچھ....!“

”اس خط کا علم برونف کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ لیکن وہ خود ہی لیڈی داؤد سے دور  
 تھا۔ وہ زبردستی اس کے گلے پڑ رہی تھی۔ میں نے ہی یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ سرداؤد کو اس  
 متعلق ایک خط لکھا جائے، ورنہ دفتر میں ہو سکتا ہے کہ کاروباری ڈاک میں مل کر ادھر ادھر  
 جائے.... اب بتائیے آخر وہ اس کی اطلاع اسے کیوں دینے لگا۔“

”محض اس لئے کہ آپ بھی خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ گئی تھیں اور لیڈی داؤد کی دانست میں  
 آپ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ لیڈی داؤد آپ کے شر سے محفوظ رہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھی۔“

”آپ دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں علم تھا کہ برونف سے تعلقات ہیں۔ لیکن  
 ان آپ میں سے ہر ایک پر یہی جتانے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ دوسری کو منہ لگانا بھی نہیں  
 نہ کرتا اور وہ زبردستی گلے پڑ رہی ہے۔ اس طرح انے آپ دونوں کی ہمدردیاں حاصل تھیں  
 اور اب اس سے آگے کیا کہوں۔“

”کیا ابھی تک آپ نے خودکشی کے متعلق نہیں سوچا۔“

”میں کیوں سوچوں....!“

”سوچیں گی آپ.... ایک دن سوچنا پڑے گا۔“

”میں اتنے کمزور دماغ کی نہیں ہوں کہ کسی قسم کی ناکامی مجھے خودکشی کی طرف لے جائے  
 ہو نہ....!“

”کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ اس نے ایک ناکام محبت کی حیثیت سے خودکشی کی تھی۔“

”وہ شریف آدمی میرا اسٹنٹ کیپٹن حمید تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔  
 ”اب شیلا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ فریدی پھر اس کے گلاس میں شراب  
 انڈیل رہا تھا۔“  
 ”میں کیا کروں.... میں کیا کروں۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔  
 ”دماغ کو قابو میں رکھے تاکہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ کھونے پائے! اب بھی کچھ نہیں  
 بگڑا....!“

”کیوں.... کیا میں کسی خطرہ میں ہوں۔“

”اسی خطرے میں جس سے دوچار ہو کر لیڈی داؤد ہمیشہ کے لئے سو گئی۔“

”صاف صاف کہئے با....!“ شیلا میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

”میرے بہترین مشوروں کی قیمت یہی ہو گی کہ آپ خود ہی کھل جائیے۔ آپ برونف کو  
 مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔“

”برونوف کو آپ کیوں کھینچ لاتے ہیں۔“

”محض اس لئے کہ لیڈی داؤد کی خودکشی کسی تفریح پر مبنی نہیں تھی۔“

”یہ خودکشی مجھے پاگل کر دے گی۔“

”کیا وہ برونف کو اتنا ہی چاہتی تھی کہ خودکشی کر لیتی۔“

”میں کچھ نہیں جانتی! میں نے صرف خط لکھا تھا سرداؤد کو۔ اسے خودکشی کا مشورہ نہیں دیا تھا۔“

”خط گھر کے پتہ پر روانہ کیا تھا یا آفس کے پتہ پر۔“

”گھر کے پتہ پر....!“

”برونوف نے یہی مشورہ دیا ہو گا۔“

”ہاں.... اف.... کتنا شدید درد ہو رہا ہے سر میں۔ آپ نے کیا پوچھا تھا۔“

”مجھے جواب مل چکا محترمہ! اسی برونف نے آپ سے گھر کے پتہ پر خط لکھوایا تھا اور ادھر  
 لیڈی داؤد کو بھی آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ سرداؤد کی ڈاک پر کڑی نظر رکھے۔“

”اگر ایسا تھا تو اس کا مقصد....!“ شیلا میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

”ایک سے پیچھا چھڑا کر دوسری پر ہاتھ پھیرا جائے.... یا پھر....!“

”پھر کیا کہنا جائے گا۔“

”یہ اسی وقت سوچئے گا، جب آپ پر ایسی ہی کچھ بیٹے! اس وقت ذہن کو ٹٹولنے کا کہہ دوں گا۔“  
 کی وجہ کیا چیز بننے والی ہے۔“  
 ”بیٹھے..... میری بھی سن لیجئے۔“ شیلانے فریدی کو اٹھتے دیکھ کر کہا۔

## دیوانگی

حمید نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپ بجھادیئے تھے..... کیونکہ اب وہ اس کار کا تعاقب کر رہا تھا۔ شہر سے باہر نکل آیا تھا۔ سڑک سنسان تھی اس لئے اگلی کار والے بہ آسانی اندازہ کر سکتے تھے ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

حمید نے ہیڈ لیمپ بجھادیئے اور اگلی کار کی عقبی روشنی کے سہارے تعاقب کرتا رہا۔ کار رفتار تیز تھی۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ گھوڑیاں اسی کار میں موجود تھیں مگر اس کے علاوہ اور کتنے آدمی اس کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ تعاقب جاری رہا۔

حمید کے ذہن میں فریدی اور شیلانے پرین کا رقص بھی تھا اور رقص کا اندازہ اسے بالکل ایسا معلوم ہوا تھا جیسے دونوں سالہا سال سے ایک دوسرے سے واقف ہوں۔ آخر فریدی کیا کر رہا تھا دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے اگلی کار کی رفتار سست ہو گئی ہو..... اس نے بھی رفتار کر دی۔ لیکن ٹھیک اسی وقت اسے نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ جو کار ہی کی سمت سے آئی تھیں اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اگلی کار پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ گئی ہو۔ چیخیں برابر سنائی دے رہی تھیں..... لیکن وہ دور ہونے کے بجائے قریب ہی ہوتی گئیں جس کا مطلب یہی تھا کہ اگلی کار سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ حمید نے ہیڈ لیمپ روشن کر لئے۔ کی روشنی سڑک کے کنارے پڑے ہوئے ایک متحرک بٹل پر پڑی۔

حمید نے پورے بریک لگائے اور گاڑی ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ وہ تیزی سے نیچے اترا.....!

لڑکی اب بھی چیخ رہی تھی۔ لیکن آواز میں پہلی سی تیزی نہیں رہ گئی تھی۔

حمید اس کی طرف جھپٹا! ہیڈ لیمپ کی روشنی میں اس نے اس کے چہرے کی ہلکی سی جھلک بھی دیکھی اور اسے پہچان گیا تھا۔ وہ گھوڑیاں ہی تھیں۔ کیا اسے کار سے نیچے پھینک دیا گیا تھا؟ اس نے اسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کی۔ اس پر وہ اور زیادہ چیخنے لگی۔  
 ”گھوڑیا..... گھوڑیا.....!“ حمید نے اسے جھنجھوڑ کر آوازیں دیں۔ ”یہ میں ہوں! جو کچھ دیر پہلے تمہارے ساتھ بے پول میں تاج رہا تھا۔“

اچانک گھوڑیا نے قہقہہ لگایا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کا قہقہہ طویل ہی ہوتا گیا۔  
 ”مجھے انجکشن ہو گیا ہے..... ہا ہا ہا.....!“ وہ پھر چیخیں۔ حمید دوڑ کر کار سے تارچ نکال لایا اور پھر کی روشنی میں گھوڑیا کا چہرہ براخوفاک نظر آیا۔ ہونٹوں کی سرخی دونوں جانب گالوں پر دور تک پھیل گئی تھی۔ آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں اور اس کے منہ سے سبز رنگ کی رطوبت بہہ رہی تھی۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے۔“ اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔  
 ”انجکشن.....!“ وہ پھر دہاڑی اور پہلے کی طرح وحشیانہ انداز میں ہنسنے لگی۔  
 ”تمہارے منہ سے کیا بہہ رہا ہے۔“  
 ”انجکشن.....!“

”نہیں آپریشن.....!“ حمید جھلا کر بولا۔  
 دفعتاً وہ قہقہے لگاتی ہوئی حمید پر جھپٹ پڑا۔ حمید اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ لہذا نہ تو وہ سنبھل سکا اور نہ اسی کا اندازہ کر سکا کہ مقصد کیا تھا۔  
 وہ حزام سے نیچے گرا اور گھوڑیا اس پر چڑھ بیٹھی۔  
 ”اے خبیث.....!“

”ہٹو..... ارے..... ارے..... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید اسے نیچے گرانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ مگر جواب میں اس نے قہقہوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ وہ اسے بُری طرح نوجھکٹ رہی تھی۔

بدقت تمام وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو سکا اور پھر اس نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے۔

”خاموش رہو.... خاموش رہو! ورنہ گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔“ حمید نے پھنسی پھنسی کر  
آواز میں کہا۔ وہ بُری طرح نزوس ہو گیا تھا۔

لیکن لڑکی کے قہقہے کسی طرح نہ رکے، اب وہ اچھل اچھل کر حمید کی ٹھوڈی میں سرسرا  
کی کوشش کر رہی تھی۔ دوا ایک بار اس کے سینے پر منہ بھی مارا تھا۔ لیکن صرف قمیض ہی پھلا  
نہی۔ گوشت تک اس کے دانت نہیں پہنچے تھے۔

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ کہیں وہ پاگل ہی نہ ہو گئی ہو.... کچھ دیر پہلے وہ ”انجکشن انجکشن  
رہتی رہی تھی! اور اس نے اس کے منہ سے سبز رنگ کی رطوبت بھی بہتی دیکھی تھی، ہو سکتا  
کہ اسے لے جانے والوں نے کوئی زہریلا مادہ اس کے جسم میں انجکٹ کر دیا ہو اور وہ زہریلا مادہ  
ہی ہو کہ پل بھر میں دماغ الٹ دے۔ اس سے پہلے بھی ایسے حیرت انگیز قسم کے زہر حمید کے  
میں آئے تھے۔

وہ بے پول ہوٹل سے ایک آدمی کے اشارے پر اٹھی تھی اور وہی آدمی اسے اس کارڈ  
لے اڑا تھا۔ اگر وہ اسے پہچانتی نہ ہوتی یا اس کے متعلق مطمئن نہ ہوتی تو جاتی ہی کیوں اس کے ساتھ  
تو پھر وہ اسی گروہ کا کوئی آدمی تھا اور گروہ والے اس سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ محکمہ سرانرما  
ان کی فکر میں ہے۔ لہذا گھوڑیا کو اس کے ساتھ دیکھ کر انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ گھوڑیا کو  
قابل ہی نہ رہنے دیا جائے۔

گھوڑیا کے قہقہے آہستہ آہستہ سست ہوتے جا رہے تھے.... پھر کچھ دیر بعد اس کے حلق  
اس قسم کی آوازیں نکلتے لگیں جیسے کسی ذبح کئے ہوئے جانور کے کئے ہوئے حلق سے نکلتی ہیں۔  
دو تین منٹ اور گزر گئے اب وہ حمید کے بازوؤں میں جھول رہی تھی.... حمید نے اسے  
کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ وہ بیہوش ہو چکی تھی۔



”اب آپ کیا کہیں گی۔“ فریدی شیلہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”برونوف کیا کرنا چاہتا ہے۔“ شیلہ نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

”میں کیا جانوں۔“ فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”دیکھئے“

آپ کو اس کا بھی علم نہیں ہے کہ سرداؤڈ کی بچی کی نرس میریا بھی قتل کر دی گئی ہے۔“  
”ہاں میں نے سنا ہے۔“ شیلہ نے لاپرواہی سے کہا۔ لیکن فریدی بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ

رہا تھا۔  
اتنے میں بال روم کا منتظم لاؤڈ سپیکر خراب ہو جانے کے سلسلہ میں معذرت طلب کرنے  
لگا.... لاؤڈ سپیکر اب پھر کام کرنے لگا تھا۔ منتظم کی تقریر ختم ہوتے ہی رقص کیلئے موسیقی شروع ہو گئی۔  
لوگ گیلریوں سے اٹھ کر چوبی فرش پر جانے لگے.... لیکن اس بار فریدی نے شیلہ سے  
درخواست نہیں کی۔ ویسے شیلہ اسے ایسے ہی انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے درخواست قبول کر لینے  
کا نتیجہ کئے بیٹھی ہو۔

”میرا آپ کو علم ہے کہ میریا کی سفارش برونوف نے کی تھی۔“ فریدی نے کچھ اونچی آواز  
میں پوچھا کیونکہ موسیقی کی لہروں سے سارا ہال گونج رہا تھا۔

”میں نہیں جانتی....!“ شیلہ نے پزیری سے کہا۔ مگر پھر یک بیک چوبک پڑی اور متحیرانہ  
انداز میں پوچھا۔ ”اس واقعہ سے مجھے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔“

”بہت بڑا سروکار ہے محترمہ.... کیا یہ آپ کی سیکریٹری گھوڑیا....!“

”ہاں گھوڑیا.... کیا....؟“

”کیا برونوف نے اس کی سفارش نہیں کی تھی۔“

”ہاں.... کی تو تھی۔“

”آپ خطرہ میں ہیں محترمہ.... بہت بڑے خطرہ میں۔“

”کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں الجھنوں میں مبتلا ہو کر مر جاؤں۔“ شیلہ جھلا کر چنجی۔

”نہیں.... میں فی الحال اتنا ہی چاہتا ہوں کہ آپ برونوف سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔“

”کیوں.... آخر کیوں۔“

”میں ابھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اگر آپ اس دوران میں اپنی خود کشی کے  
انکشافات پر سوچ چکی ہیں تو میں آپ سے کچھ مزید سوالات کرنے کے بعد اس مسئلہ پر بھی روشنی  
ڈال سکوں گا۔“

”آخر میں کیوں سوچوں خود کشی کے متعلق! میرا کیا مجبوز ہے۔ میں ایک آرٹسٹ ہوں، حسن

میں آئے۔“

”آپ مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں۔ آخر گلو ریا کا بھی وہی حشر کیوں ہوگا۔“

”الجھن کی بات نہیں.... آپ خود ہی اس پر غور کیجئے کہ میرا کیا سفارش بھی برونوف ہی کی تھی اور آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ برونوف اور لیڈی داؤد کے تعلقات کیسے تھے۔“  
”وہ زبردستی اس کے سر پرڑی تھی۔“

”لیکن اس کے باوجود بھی برونوف نے اس سے میرا کیا سفارش کی تھی۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا....!“ شیلانے میز پر پیشانی رکھ دی۔

”سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن مشورے پر ضرور عمل کیجئے گا۔ جب تک میری طرف سے...“  
...تہ سے باہر نہ نکلے اور اگر گلو ریا کل صحیح و سالم آپ تک پہنچ جائے تو اسے بھی لازمت سے برطرف کر دیتے۔ لیکن خیال رہے کہ جب بھی برونوف آپ کے لئے ایک بہت بڑی الجھن بننا ہوا نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع کیجئے گا۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو خود کشی سے بچا سکوں۔ بس.... اب نہیں بیٹھوں گا۔“

فریدی اٹھ گیا۔ شیلانہ بھی اس بار کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔



فریدی جیسے ہی کپاؤنڈ کے پھانک کے قریب پہنچا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کپاؤنڈ بقیہ نور بنا ہوا تھا اور حمید سارے نوکروں کے ساتھ ادھر ادھر اچھلتا پھرتا تھا۔ اگر کپاؤنڈ میں کافی روشنی نہ ہوتی تو اب تک ان میں سے ایک آدھ کا سر ضرور پھوٹ چکا ہوتا۔ کیونکہ یہ اچھل کود تفریحاً نہیں تھی بلکہ وہ خود کو پتھروں سے بچا رہے تھے۔

فریدی کپاؤنڈ میں ایک فوارہ تعمیر کرنے والا تھا اس کے لئے پتھر کی کنلیاں آئی تھیں اور کپاؤنڈ میں ایک طرف ڈھیر تھیں، فریدی کو اسی ویٹر کے قریب ایک شکستہ حال سفید قام عورت نظر آئی جس کے ہاتھ بہت تیزی سے چل رہے تھے۔

پتھر برس رہے تھے، حمید اور ملازمین پر بدحواسی طاری تھی اور کتاخانے میں شاید ایک پلا مٹی ایسا نہ رہا ہو جس نے اس دلچسپ کھیل کی داد دینے میں کوتاہی کی ہو۔ وہ تو سبھی یکساں رفتار

کی پرستار، حسن کے مظاہر بننے بگڑتے رہتے ہیں! ان کے بننے بگڑنے سے مجھے کوئی سروکار نہیں.... ایک مورتی ٹوٹی.... اور اسی حسن کا جلوہ مجھے کسی دوسری مورتی میں نظر آ گیا۔“

”ٹھیک ہے.... لیکن اس کے باوجود بھی اگر کبھی خود کشی کا خیال پیدا ہو تو جلد بازی سے کام نہ لیجئے گا۔ خواہ وہ مسئلہ کتنی ہی پیچیدگی کیوں نہ رکھتا ہو۔ مجھے اس سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔“  
فریدی کے انداز سے پھر یہی معلوم ہوا جیسے اٹھ جائے گا۔

”ٹھہریئے.... ٹھہریئے.... اب میری بات سنئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ برونوف مجھے بڑا عجیب سا آدمی لگتا ہے۔ ہاں اس نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے یہاں گلو ریا کو ملازمت دے دوں۔ دیکھئے ہے نا عجیب بات.... اس نے مجھ سے ایک خوبصورت لڑکی کی سفارش کی تھی اور کہا تھا کہ اسے اس سے صرف ہمدردی ہے.... چونکہ وہ بیکار ہے اور مفلسی کی زندگی بسر کر رہی ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کی مدد کرے۔ کتنی عجیب بات ہے کر تل.... میں نشے میں نہیں ہوں۔ میرا ذہن میرے قابو میں ہے۔ آپ اسے نشے کی بڑ نہ سمجھئے گا.... بتائیے ہے نا عجیب بات.... فرض کیجئے میں آپ کو چاہتی ہوں.... اوہو.... مثال کے طور پر.... اور آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں برونوف کو چاہتی ہوں.... آپ سے کیا پردہ.... کیا آپ ایسی صورت میں کسی حسین لڑکی کی سفارش مجھ سے کر سکیں گے۔“

”ہرگز نہیں.... قطعی نہیں۔ اگر کروں گا تو آپ یہی سمجھیں گی کہ میں اس کے جواز کے سلسلہ میں آپ کو بھلائی کے کوشش کر رہا ہوں۔“

”سچی بات۔“ وہ انگلی اٹھا کر آگے پیچھے جھومتی ہوئی بولی۔ ”لیکن میں اسے کتنا چاہتی ہوں کہ میں نے اس کی سفارش منظور کر لی تھی اور اس کی نیت پر شبہ نہیں ظاہر کیا تھا۔“  
”کمال کیا تھا آپ نے....!“ فریدی نے خواہ مخواہ حیرت ظاہر کی۔

”اب مجھے بتائیے کہ وہ برونوف میرے لئے کس طرح خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ کیا“  
گلو ریا کے ذریعہ کوئی بڑا فراڈ کرائے گا۔“

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں گلو ریا بھی اب تک میرا ہی کی طرح ہمیشہ کیلئے خاموش نہ ہو گئی ہو۔“  
”کیوں....؟“

”کچھ دیر پہلے وہ یہیں میرے اسٹنٹ کے ساتھ ناچ رہی تھی۔ لیکن اب وہ دونوں نظر

سے بھونکنے جا رہے تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ فریدی پھاٹک ہی پر کھڑے کھڑے دہاڑا۔

”مشاعرہ ہو رہا ہے اور داو چل رہی ہے.... آپ بھی آئیے۔“ جواب میں حمید چنچا تھا۔

”کیا بیہودگی ہے.... یہ کون ہے۔“

”بیہودگی نہیں بلکہ اس کا نام شامت ہے۔“ حمید نے چیخ کر کہا۔ ”جب ہو جاتی ہے تو قیامت کہلاتی ہے۔ ذرا اور آگے آجائیے.... پوری غزل سمجھ میں آجائے گی.... ارے باپ رے۔“ پتہ نہیں کوئی پتھر لگ ہی گیا تھا یا صرف پتچے ہوئے۔ ”ارے باپ رے۔“ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

فریدی پھر گاڑی میں آ بیٹھا اور اسے موٹر کر پھاٹک میں لیتا چلا گیا۔ رفتار کافی تیز تھی۔ گاڑی پتھروں سے محفوظ ہی رہی.... وہ اسے سیدھا پورچ میں لایا اور اتر کر عمارت میں داخل ہو گیا۔ اس کا رخ اوپری منزل کی طرف تھا۔

لیبارٹری سے اس نے سرچ لائٹ اٹھائی اور اس کمرے میں آیا جس کی کھڑکی سے وہ باہر آسانی اس پتھر چلانے والی لڑکی کو دیکھ سکتا تھا۔

اس نے سرچ لائٹ کا پلگ سوئچ بورڈ کے ایک ساکٹ میں لگا دیا.... اور پھر کھڑکی کھولی۔

عورت اسی جوش و خروش کے ساتھ پتھر چلا رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے سرچ لائٹ کا سوئچ آن کر دیا.... آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کا دائرہ

لڑکی کے چہرے پر پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر پیچھے ہٹ گئی۔

بس اتنا ہی کافی تھا۔ حمید نے آن کی آن میں اسے جالیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے

پکڑ لئے۔ فریدی سرچ لائٹ کا سوئچ آف کر کے زینوں کی طرف چل پڑا۔

حمید پتھر چلانے والی کو عمارت کی طرف کھینچ رہا تھا اور وہ بیٹھی جا رہی تھی۔

”اوہ.... ارے.... یہ تو گھوڑیا ہے۔“ فریدی ان کے قریب پہنچ کر بولا۔

”یہ پاگل ہو گئی ہے۔“ حمید ہانپتا ہوا بولا۔

”اس کا یہاں کیا کام!....“

”اوبا بابا.... پہلے اسے قابو میں کیجئے.... پھر بتاؤں گا۔“

”پڑوسیوں کو بلاؤ۔“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”ایک مینڈکی قابو میں نہیں آتی....“

”ٹھالو!....“

”مر گئے اٹھانے والے.... اس وقت یہ رستم سے بھی نہ اٹھے گی۔“

”اچھی بات ہے بھک مارتے رہو۔“ فریدی نے کہا اور واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

”ارے.... ارے.... یعنی کہ.... آپ جا رہے ہیں۔ ٹھہریے ورنہ میں اس کے ہاتھ پھوڑ دوں گی۔“ حمید نے کہا اور پھر نوکر دوں کو آوازیں دینے لگا۔



شیلاد پر بن جب بے پول سے اٹھی تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

فریدی کے جانے کے بعد اس نے تیز قسم کی شرائیں بھی آزمائیں تھیں۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ فریدی کی گفتگو سے پیدا ہو جانے والی الجھنوں سے چھٹکارہ مل جائے۔

وہ دراصل یہاں پرنس بروئوف کا انتظار کر رہی تھی لیکن اس کی بجائے فریدی آکر لیا تھا۔

اور اب اسے بروئوف پر شدت سے غصہ آ رہا تھا کہ اگر وہ سامنے ہوتا تو بے دریغ اس پر جھپٹ پڑتی۔

بے پول سے باہر آکر اس نے ٹیکسی کی اور ڈرائیور کو پرنس بروئوف کا پتہ بتایا۔

راستے بھر وہ کھولتی رہی۔ بروئوف.... بروئوف.... مکار.... گھوڑیا سے عشق کرتا

ہے.... اور مجھے لوٹنے کے لئے یہ جال بچھایا ہے.... ورنہ اس سراغ رساں کو کیا پڑی تھی کہ اتنی

باتیں کرتا.... اور وہ سراغ رساں.... وہ تو.... بروئوف سے بھی زیادہ پرکشش ہے.... حسن

جہاں بھی نظر آئے اسے پوچھنا ہی چاہئے۔ خواہ وہ کتے کے پلے ہی میں کیوں نہ نظر آئے.... میں

بھی تو کتے کی پلی ہی ہوں اور بیچارہ سرن آخر مجھے اس میں حسن کیوں نظر نہیں آتا.... لیکن وہ

مجھے پوچھتا ہے.... کہتا ہے میں تمہاری یاد میں قطب مینار بناؤں گا.... قطب مینار.... نہیں....

”کوکن سا محل ہے.... تاج محل.... تاج محل.... ہا ہا.... تاج محل۔“

ٹیکسی میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کا نشہ بڑھائے دے رہے تھے۔ ایک بار اس نے تاج

محل کے متعلق بلند آواز میں بھی وح و ڈالا اور پھر بروئوف کو ایک گندی سی گالی دی۔

## تفتیش

گھوڑیا ہسپتال میں تھی۔ پچھلی رات دراصل یہ ہوا تھا کہ حمید اسے گھر لایا۔ وہ اس وقت بھی بیہوش تھی۔ کار سے اتارنے کے لئے وہ اسے ہاتھوں پر اٹھانے کی کوشش کر رہی رہا تھا کہ اسے یک بیک ہوش آگیا اور چل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ پھر اس وقت حمید کو نوکروں کو بھی آواز دینی پڑی تھی، جب گھوڑیا نے پتھر پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد فریدی بھی آگیا تھا اور اس نے سرچ لائٹ سے اس کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر کے اسے بے بس کر دیا تھا اس کے بعد ہی حمید نوکروں کی مدد سے اسے اندر لے جاسکا تھا۔ پھر فریدی نے اس کی زبانی گھوڑیا کے پاگل پن کی داستان سنی اور کچھ دیر غور کر کے یہی شورہ دیا کہ گھوڑیا کو پولیس ہسپتال میں داخل کرادیا جائے۔ وہ اسے گھر میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ حمید نے سوچا یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ بھلا کسی پاگل لڑکی سے اس کی روح کیوں نہ فنا ہوتی۔ پاگل عورتیں تو اسے ملک الموت معلوم ہوتی تھیں۔

شام ہوتے ہوتے اس نے سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ آج ہی اسے راتقل کلب میں برونوف سے پشنا تھا۔

کلب کے سیکریٹری گراہم نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر کچھ دیر بعد وہاں ہائی سرکل کلب کا منبر بھی نظر آیا۔

”میں تو جناب بقول شاعر اس کی شکست کا منظر دیکھنے آیا ہوں۔“ اس نے حمید سے کہا۔ حمید اس پر صرف مسکرا کر رہ گیا۔ منبر نے اسے بتایا کہ اس رات ہائی سرکل میں برونوف اپنے کمالات کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

”پولیس کا نام سننے ہی سب ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔“ اس نے کہا۔ حمید اس وقت اسے جھپٹنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسے برونوف کا انتظار تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ لڑکیاں اسے کینہ توڑ نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ شاید حمید کا چیلنج انہیں بہت گراں

”جی صاحب....!“ ٹیکسی ڈرائیور چونک کر بولا۔

”تمہارا سر....!“ وہ جھلا کر بولی۔ ”میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ اپنے صاحب کو گالی دی تھی، ہی از اسے باسٹر ڈ.... اینڈ آئی ایم اے ڈریٹی بیج.... مل دو یو....!“

”اچھا شاب....!“ ڈرائیور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

برونوف کی قیام گاہ پر پہنچ کر وہ اتر گئی۔ یک سے کچھ نوٹ کھینچے اور ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ کر آگے بڑھ گئی۔

پھر چند ہی لمحوں بعد وہ برآمدے میں کھڑی کال بل کا بین دبا رہی تھی اور دروازہ خود برونوف ہی نے کھولا اور شیلہ کو دیکھ کر چونک پڑا۔

”تم.... اس وقت....!“ اس نے حیرت سے کہا۔

”ہاں.... میں اس وقت....!“ وہ تن کر عصبیلی آواز میں بولی۔ ”اندر کون ہے۔ ہو گا کون وہی سور کی بیٹی۔“

”تم نئے میں معلوم ہوتی ہو۔ جاؤ گھر جاؤ۔“

”نہیں میں دیکھوں گی کہ اندر کون ہے.... تم نے لیڈی داؤد کو بتایا تھا کہ میں نے خط لکھا تھا... میرا بھی مر گئی.... اب میں گھوڑیا کو جان سے مار دوں گی۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے.... جاؤ اس وقت جاؤ....“ برونوف نے کہا اور اسے پیچھے دھکیں کر دروازہ بند کر لیا۔

شیلہ کھڑی دانت ہی بیٹتی رہ گئی۔ پھر آگے بڑھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگی۔

”تم سور ہو ذلیل ہو.... کتے ہو۔ کرقل فریدی تم سے زیادہ حسین ہے وہ بہت جلد تمہاری وٹیاں اڑا دے گا.... نکالو اس حرام زادی گھوڑیا کو.... تم مجھے لوٹنا چاہتے تھے۔“

جب اس سے بھی دل نہیں بھرا تو برآمدے سے نیچے اتر آئی اور پتھر اٹھا اٹھا کر دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے توڑنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔

شیشے جھنجھنا جھنجھنا کر ٹوٹ رہے تھے.... اور وہ وحشیانہ انداز میں چیخ رہی تھی، گالیاں بک رہی تھیں۔

گذرا تھا۔ وہ برونف کے لئے اسی طرح پاگل ہو رہی تھیں۔

آٹھ بج گئے لیکن برونف نہ آیا۔ حالانکہ مقابلہ کے لئے یہی وقت طے پایا تھا۔ کلب کے ہال میں تماشائیوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔

آدھا گھنٹہ اور گذر گیا۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فون کیا گیا مگر جواب نہ دار۔ آخر تھک ہار کر لوگوں نے فرمائش کی کہ حمید اکیلے ہی کچھ پیش کرے۔

حمید کو یقین تھا کہ برونف ضرور آئے گا اس لئے اس نے صرف خضر ہی بھیجنے کے مظاہرے پر اکتفا کی۔ لیکن یہ بھی ایسا ہی تھا کہ حمید برونف کے قائم کردہ ریکارڈ سے آگے ہی نکل گیا۔

تماشائیوں کو چونکنا پڑا۔۔۔۔۔ خصوصیت سے لڑکیوں نے تو اس طرح آنکھیں مل مل کر اس مظاہرے کو دیکھا تھا جیسے یقین کرنا چاہتی ہوں کہ وہ جاگ ہی رہی ہیں اور وہ عالم خواب نہیں ہے۔ پھر نونج گئے۔ لیکن برونف نہ آیا۔ اس دوران میں کلب کا سیکریٹری گراہم کئی بار فون کر چکا تھا۔ لیکن برونف کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

سوانوبجے سیکریٹری نے اپنے اسٹنٹ کو اس کے گھر بھیجا۔ ادھر لوگوں کا اصرار بہت بڑھا تو حمید کو رپوالور کے ہاتھ بھی دکھانے پڑے۔۔۔۔۔ پنگ پانگ کی تین گیندوں کی بجائے پانچ گیندیں اچھالی گئیں۔ لیکن حمید نے ان میں سے ایک کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیا۔ برونف ابھی تک تین گیندوں سے آگے نہیں بڑھا تھا۔

”آپ تو شائد اس کے منہ میں بقول شاعر کالک ہی لگا دیں گے کپتان صاحب۔“ ہائی سر کل کے فیجر نے کہا۔

”بیگم صاحبہ کو نہیں لائے۔“ حمید نے ہنس کر پوچھا۔

”وہ کسی ایسے منحوس آدمی کی شکل دیکھنا نہیں پسند کریں گی جس نے برونف کو لٹکا رہا ہو۔۔۔۔۔ غلط نہ سمجھئے۔ اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس کا اضافہ میں نے کیا ہو۔ یہ محترمہ ہی کے الفاظ ہیں۔“

”بقول شاعر۔۔۔۔۔!“ حمید نے کہا اور ہونٹ بھیجنے لگے۔

لوگوں نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ ”کچھ اور۔۔۔۔۔ کچھ اور۔۔۔۔۔!“

حمید نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اونچی آواز میں بولا۔ ”دوسرے ہال کا مظاہرہ یہاں ممکن نہیں ہے نہ آپ ہاتھی مہیا کر سکتے ہیں اور نہ توپ۔۔۔۔۔!“

”یہ بات ہوئی۔“ مجمع سے آوازیں آئیں۔

”ہاتھی پر بیٹھ کر توپ چلاتا ہوں۔۔۔۔۔ نمبر ایک۔۔۔۔۔ نمبر دو یہ کہ میں ہاتھی کے سینے پر پیر کر کھڑا ہو جاتا ہوں اور ہاتھی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ نمبر تین۔۔۔۔۔ یہ کہ توپ میری دم باندھ کر اڑادی جاتی ہے اور میں کھڑا قہقہے لگاتا رہتا ہوں۔ نمبر چار توپ کا گولا میں خود نگل رہوں اور توپ آہیں بھرتی رہ جاتی ہے۔۔۔۔۔ آپ نے اکثر مدار یوں کو صرف ریزر یلیڈ چباتے دیکھا ہو گا لیکن میں شیونگ اسٹک سیفٹی ریزر اور شیونگ برش تک ہضم کر جاتا ہوں۔ میرے آئل پی ہاتھوں اور میز کریم ٹوسٹ پر لگا کر کھاتا ہوں۔“

حمید کو اس کرتار ہا اور قہقہے بلند ہوتے رہے۔۔۔۔۔!

دفتر سیکریٹری گراہم بڑی بدحواسی کے عالم میں اس کے قریب آیا اور اس کے ہاتھ سے بگ لے کر کہنے لگا۔

”خواتین و حضرات۔۔۔۔۔ ایک منحوس خبر سننے کے لئے تیار ہو جائیے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ پرنس برونف قتل کر دیئے گئے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی لاش ان کی قیام گاہ میں پڑی ہوئی ہے۔“

”تم جھوٹے ہو۔۔۔۔۔ تم جھوٹے ہو۔“ کئی عورتیں ہسٹریائی انداز میں چیخیں۔

”نہیں۔۔۔۔۔ یہ صحیح ہے۔ میرے اسٹنٹ نے لاش خود دیکھی ہے۔“

مجمع میں ہر اس پھیل گیا۔ حمید گراہم کا ہاتھ پکڑے اسے اسکے آفس کی طرف کھینچ رہا تھا۔

”تمہیں کیسے اطلاع ملی۔“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اوہ۔۔۔۔۔ کیپٹن۔۔۔۔۔ میرا دماغ قابو میں نہیں ہے۔ میں نے کئی بار برونف کو رنگ کیا تھا

لیکن جواب نہ ملا۔ پھر میں نے اپنے اسٹنٹ کو وہاں بھیجا۔۔۔۔۔ اسٹنٹ نے وہیں سے اطلاع دی

ہے کہ اس کی لاش مکان میں پڑی ہوئی ہے۔ اس نے پولیس کو بھی اطلاع دی ہے۔ آفیسر نے

سہو دین ٹھہرنے کو کہا ہے۔۔۔۔۔ اب اسٹنٹ مصیبت میں پڑ جائے گا۔ کیا حماقت ہوئی ہے مجھ

سائمن نے اسی غریب کو کیوں بھیجا تھا۔۔۔۔۔ مگر وہ بھی تو پرلے سرے کا احق ہے آخر مکان کے

مرد داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تو یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ وہ ملازم نہیں رکھتا۔“

”جی ہاں! جسے اس سے ذرہ برابر بھی دلچسپی تھی اس سے تو وہ واقف ہی تھا۔“

”ہیسا اس کی نیند ایسی ہی تھی کہ وہ گھنٹیوں کی آواز سے نہ اٹھ سکتا۔“

”اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن اگر کوئی بہت زیادہ پی کر سویا ہو تو یہی کیفیت ہوگی۔“

”تو تمہیں شبہ تھا کہ وہ پی کر سو گیا ہے۔“

”جی ہاں!....!“

”میاہو ایسا ہی لا پرواہ آدمی تھا کہ آج کے مقابلہ کو نظر انداز کر دیتا۔“

”اس کے متعلق میں کچھ نہیں عرض کر سکتا۔“

”تو پھر تمہیں کیسے خیال آیا تھا کہ وہ پی کر سو گیا ہو گا۔“

”اوہ!....!“ اسٹنٹ اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور الجھن کے آثار

ماں محسوس کئے جاسکتے تھے۔

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”میں کیا عرض کروں جناب۔ میری شامت ہی تھی کہ اندر داخل ہو گیا تھا اب میں نہیں

ہانا کہ میرا کیا حشر ہو گا۔ جب میں نے مسٹر گراہم کو فون پر ان کی اطلاع دی تھی تو انہوں نے

مجھے ڈانٹا تھا۔ کہا تھا کہ مجھ سے حماقت سرزد ہوئی تھی، مکان میں داخل نہ ہونا چاہئے تھا۔ اب

پس والے مجھ پر بھی شبہ کریں گے۔“

”بہتر ہے کہ تم کسی ضمانت دینے والے کو تلاش کرو۔“ فریدی نے کہا۔

”گراہم صاحب کے علاوہ اور کون ضمانت دے گا۔“

اس کے بعد فریدی پاس پڑوس والوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا تھا۔

برونوف کی لاش خواب گاہ میں بستر ہی پر ملی تھی۔ اس کی بائیں کپٹی میں سوراخ تھا اور بستر

نن سے ڈوبا ہوا تھا۔ زخم کی حالت بتا رہی تھی کہ فائر بہت قریب سے کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے

بالور کی نال کپٹی ہی پر رکھ دی گئی ہو۔



”دسری صبح ناشتے کی میز پر حمید موجود نہیں تھا۔ فریدی نے اس کے متعلق پوچھا لیکن

”کیا برونوف کے مکان میں ملازم نہیں رہتے۔“

”وہ رکھتا ہی نہیں تھا.... نہ جانے کیوں؟ ویسے کہتا یہی تھا کہ وہ صرف یوروپین ملازمین کا

عادی ہے۔ دیسی ملازم اس کے لئے دوسرے بن کر رہ جائیں گے۔“

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر آفس سے باہر نکل گیا۔



برونوف کی قیام گاہ کے گرد پولیس نے گھیراؤ ڈال دیا تھا اور اندر آفیسر تلاشی لے رہے تھے۔

ایک کمرے میں فریدی رائل کلب کے اسٹنٹ سیکریٹری کا بیان لے رہا تھا۔

”میں نے متواتر سو منٹ تک گھنٹی بجائی تھی جناب!“ سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ ”لیکن جواب نہ ملا۔“

”ہو سکتا ہے! گھنٹی میں نقص واقع ہو گیا ہو۔“

”جی نہیں! اندر سے گھنٹی کی آواز برابر آتی رہی تھی۔“

”پھر تم اندر داخل ہو گئے۔“

”جی ہاں! مجھے حیرت تھی کہ آخر دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے۔ اگر کوئی اندر موجود ہے تو جواب

کیوں نہیں دیتا۔“

”کسی ملازم نے بھی تمہیں نہیں ٹوکا تھا۔“

”اس لاش کے علاوہ اور کوئی تھا ہی نہیں جناب۔“

”مگر تم اندر داخل ہی کیوں ہوئے تھے۔“

”خیال ہوا تھا کہ کہیں پرنس سو نہ رہے ہوں۔“

”آہا!.... تو تمہیں معلوم تھا کہ پرنس کے ساتھ کوئی ملازم بھی نہیں رہتا۔“

”جی ہاں مجھے علم تھا۔“

”تم اس کی کھوج میں رہتے تھے۔“

”ہر ایک رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی حیرت انگیز آدمی تھا اور اس سے تعلق رکھنے والی عجیب و غریب

باتیں بہت جلد مشہور ہو جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر یہی بات کہ اتادولت مند آدمی کوئی ملاز

نہیں رکھتا۔“



معلوم ہوا کہ وہ پچھلی رات ہی سے غائب ہے۔ بات تشویش کن تھی۔ فریدی نے اٹھ کر اپنے بعض ماتحتوں کو فون کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر حمید کو تلاش کریں۔ پچھلی رات فریدی دیر سے واپس آیا تھا اور آتے ہی سو گیا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ میر گھر پر موجود نہیں ہے تو حمید کے بارے میں اسی وقت فکر لاحق ہو جاتی کیونکہ بروئوف کی موت ایسی ہی چوکا دینے والی تھی۔

• وہ ریسپور رکھ کر میز کے پاس سے ہٹنے ہی والا تھا کہ گھنٹی بجی۔

”ہیلو....!“ فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”ہیلو! کون صاحب ہیں۔“ دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

”فریدی....!“

”اوہ.... کرئل صاحب! میں شیلادر پن ہوں۔“

”ہاں کہئے۔“

”میں بہت شدت سے بور ہو رہی ہوں۔ بتائیے کیا کروں۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“

”پرسوں رات آپ سے گفتگو ہوئی تھی اور آپ کے اٹھ جانے کے بعد میں نے ذرا تیز قدم

کی شرائین پی لی تھیں۔ نشہ ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں پرس بروئوف کے گھر گئی تھی۔ لیکن اس نے مجھے عمارت میں نہیں داخل ہونے دیا تھا۔ میری توہین کی تھی۔ دھکیل کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں نشے میں تو تھی ہی، دروازوں اور کھڑکیوں پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ سڑک پر کچھ لوگ اکٹھا ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی مجھے پہچانتا بھی تھا۔ اب پولیس والے مجھے بور کر رہے ہیں۔ بھلا میں اتنی سی بات پر دوسری رات اسے قتل کیوں کرنے لگی۔ پرسوں رات تو نشے میں تھی! اگر وہ پرسوں ہی قتل کیا گیا ہوتا تو پھر یقیناً میرے لئے پریشانی کی بات تھی۔“

”لہذا اب آپ کو پریشان نہ ہونا چاہئے! قاعدے کی بات ہے۔“

”لیکن یہ لوگ بور کر رہے ہیں۔ آج کل اتفاق سے رائے سرن شہر میں موجود نہیں ہیں۔“

ورنہ میرے لئے اور زیادہ الجھنیں پیدا ہو جاتیں۔“

”میاں کی عدم موجودگی میں آپ مطمئن ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔  
”عارضی طور پر.... کیونکہ اس کی اطلاع انہیں ضرور ملے گی۔“

”جب تو آپ کی پوزیشن بڑی خراب ہو جائے گی۔“

”ارے.... نہیں ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں۔“ شیلانہس پڑی۔ ”ابھی پہلے دونوں کی بات ہے کہ رائے سرن کو چماروں نے پیٹا تھا۔ لیکن میں نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ آپ کا دل ایک چمار کی لونڈیا پر آ گیا تھا۔ وہ بھی کچھ مائل تھی۔ ایک بات گاڑی لے کر پہنچ گئے اور بستی کے باہر اس کا انتظار کرنے لگے.... اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا مگر شاید چماروں کو اطلاع مل گئی تھی.... انہوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔ خوب پٹائی ہوئی۔“  
”خوب....!“ فریدی مسکرایا۔

”میں بہت صاف گو ہوں کرئل.... ایک کھلی ہوئی کتاب۔ جس کا دل چاہے پڑھ لے۔“

”برای اچھائیاں اور برائیاں میرے دوستوں پر ظاہر ہیں۔“

”لیکن آپ مجھے کیوں دوست بنانے پر متل گئی ہیں۔“

”یہ نہ پوچھئے۔“ فریدی کو فون پر ٹھنڈی سانس کی آواز صاف سنائی دی! اور وہ برا سامنہ بنا کر

را گیا۔

”اور کیا کہتا ہے آپ کو۔“

”یہی کہ ابھی تک خود کشی کا خیال نہیں آیا مجھے۔“

”اور شاید کبھی نہ آئے کیونکہ آپ دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں اور آپ ایک کھلی ہوئی کتاب ہیں۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”آپ کے معاملہ میں بروئوف سے غلطی ہوئی تھی۔“

”کیا مطلب....!“

لیکن فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔



گیارہ بجے حمید آفس پہنچا۔ فریدی آفس میں موجود تھا.... لیکن اس سے پہلے محکمہ کے کسی آدمی سے حمید کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

”تم کہاں تھے؟“ فریدی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”یہ نہ پوچھئے۔“ حمید نے رومال سے چہرہ کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ ”رات سے اب تک اچار نکل گیا۔“

”تم تھے کہاں۔“

”ایک دو جگہ رہا ہوں تو بتاؤں.... برونوف کے قتل کی اطلاع ملتے ہی میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ برونوف ہی آخری آدمی نہیں تھا بلکہ اس گروہ کا کرتادھر تا کوئی اور ہی ہے۔“  
”غالباً تم اسے پکڑ کر بند کر آئے ہو گے۔“ فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔  
”آپ تو تھا ہونے لگے ہیں۔“ حمید بچکانہ لہجے میں بولا۔ ”آپ کو کیا پتہ کہ میں کتنا بوا تیر بار کر آیا ہوں۔ جھکڑیاں تیار رکھے۔“

”کس کے لئے۔“

حمید نے چاروں طرف دیکھا اس وقت کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔  
”سرواؤد کے لئے....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”حمید....!“ فریدی کا لہجہ بد مسرت تھا۔ اس نے اٹھ کر اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ ”تم پر میری محنت برباد نہیں ہوئی۔“

”اور اس پر سے میری ذاتی صلاحیتیں۔“ حمید اڑ کر بولا۔

”یقیناً.... یقیناً....!“ فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ ”اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ مگر بر خوردار مجھے یہ تو سمجھاؤ کہ ہم اس کے ہاتھوں میں جھکڑیاں کیسے ڈالیں گے۔“

”لیڈی داؤد کی زندگی کے بیویوں کی رقم کروڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب سرواؤد ہی وصول کرے گا۔“

”ٹھیک ہے.... جواز ہو سکتا ہے.... یعنی اس نے یہ رقومات وصول کرنے کے لئے اسے بالکنی سے نیچے پھینک دیا تھا لیکن ہمیں میرا سے گفتگو کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکتا تھا کہ سرواؤد کے اس بیان کی تصدیق ہو سکتی کہ میرا نے اسے لیڈی داؤد کے رونے کی اطلاع دی تھی اور پھر جیسے ہی وہ کمرے میں پہنچا تھا لیڈی داؤد نے بالکنی سے چھلانگ لگادی تھی۔“

”جی ہاں.... اور پھر پہلے تو اس نے آپ کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی اور جب میرا ظاہر

جی تو اسے بھی ختم کر دیا۔“

”مگر تم ابھی برونوف اور کسی گروہ کی باتیں کر رہے تھے۔“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔  
”ہاں.... ہاں.... کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کوئی بات دلیل کے بغیر کہوں گا۔ آپ کی

ملاع کے لئے عرض ہے کہ گلو ریا ہوش میں آگئی ہے۔“

”اوہ....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”وہ بہت خائف ہے۔“

”پہلے یہ بتاؤ کہ ڈاکٹروں کا کیا خیال ہے۔“

”ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی خطرناک چیز اس کے جسم میں انجکٹ کی گئی تھی جس نے اس کے ذہن پر بڑا اثر ڈالا ہے، لیکن وہ اس کا اندازہ نہیں کر سکے کہ وہ اس کے سسٹم پر مستحق اثر انداز ہوئی ہے یا نہیں۔“

”ہوں.... اچھا اب اس کی یادداشت کا کیا عالم ہے۔“

”وہی.... جو اس حادثہ سے پہلے تھا۔ اسے سب کچھ یاد ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ اسے ہیڈ کوارٹر لے جا رہے تھے۔“

”ہیڈ کوارٹر....!“ فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں، وہ اسے ہیڈ کوارٹر ہی کہتی ہے جہاں سے احکامات صادر ہوتے ہیں۔ لیکن سربراہ کی

شخصیت سے کوئی بھی واقف نہیں ہے، صرف ایک سایہ نظر آتا ہے اور آواز آتی ہے.... وہ

سربراہ ہی کی آواز ہوتی ہے اور ہیڈ کوارٹر آئے دن تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ آج اس عمارت میں

کل اس عمارت میں.... برونوف کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہیں بتا سکتی کہ اسی نے اس کی

سفا رش رائے سرن کی بیوی سے کی تھی۔ گلو ریا کو ہیڈ کوارٹر سے اطلاع ملی تھی کہ وہ برونوف سے

ملے! اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ شیلہ کی نقل و حرکت کی خبر ہیڈ کوارٹر تک پہنچاتی رہے.... اس

نے بتایا کہ کار میں تین آدمی تھے.... ایک نے اسے پکڑ لیا تھا دوسرے نے اسے بازو میں کوئی چیز

انجکٹ کی تھی اور پھر کار کی رفتار کم کر کے اس کے نیچے دھکیل دیا گیا تھا۔ اب اگر وہ نامعلوم آدمی

کراؤڈ ہی نکلا تو....!“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”ڈاکٹر کو نامعلوم ہو گیا کہ اب اس کی ذہنی

”بھلا میں یہ کیسے کر سکتی تھی۔ کیونکہ مجھے کار والا واقعہ یاد تھا۔ انہوں نے بڑی بے دردی کوئی چیز میرے بازو میں الجھٹ کی تھی اور مجھے نیچے پھینک دیا تھا.... اُف فوہ.... مجھے اس ن ایسا ہی لگا تھا جیسے انہوں نے پھیلی ہوئی آگ میرے جسم میں داخل کر دی ہو۔ مجھے اتنا توباد کہ گاڑی سے نیچے دھکیل دی گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد کے واقعات ذہن سے اتر چکے ہیں۔“

”ہوں....!“ فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”انہیں اس زہر پر بڑا اعتماد تھا۔ بچہ وہ بیکار ہو گیا۔ اب اگر انہیں اس کا علم ہو جائے تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تم نے بڑی غندی سے کام لیا۔ ہاں کیا تمہارے گردہ میں کوئی لڑکی میرا بھی تھی۔“

”نہیں یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔“ گھوریانے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

فریدی میرا کاحلیہ بیان کرنے لگا۔

”نہیں جناب اس شکل و صورت کی کوئی لڑکی ابھی تک میری نظروں سے نہیں گذری۔“

”اس گردہ کا خاص مشغلہ کیا ہے۔“

”یقین کیجئے کہ مجھے اس کا علم آج تک نہیں ہو سکا۔“

”تمہارے ذمہ کیا کام تھا۔“

”شیلانکی ملازمت میں آنے سے پہلے میں گولڈن سلک ملز کے مالک کی اسٹینو تھی اور مجھے اس پر نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی.... پھر شیلانکی ملازمت میں آنے سے ایک ہفتہ قبل وہاں سے اٹھنے دیا پڑا تھا۔ شاید وہاں کا کام پورا ہو چکا تھا.... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا۔“

”سیدھی سنی بات ہے ضرور سمجھ میں آنی چاہئے۔“ فریدی مسکرایا۔

”کیا اسلئے کہ میں پرسوں رات کیپٹن کی ہرقص تھی۔“ گھوریانے توثیق کن لہجے میں کہا۔

”ظاہر ہے! وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی آدمی پولیس کی نظروں میں آئے۔ تمہیں حمید کے ساتھ دیکھ کر انہیں شبہ ہوا ہو گا۔ انہوں نے سوچا اس پودے کو جڑیں مضبوط ہونے سے پہلے ہی کیوں نہ اکھاڑ پھینک جائے۔“

”پھر اب بتائیے مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”پھر اب بتائیے مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”اُس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ انہیں عدالت تک پہنچانے کی کوشش کرو۔“

حالت ٹھیک ہے۔“

”وہ اتنی احمق نہیں ہے کہ اپنی موت کا سامان خود ہی کرے۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ میری اصلیت سے واقف تھی۔ اس لئے اس نے مجھ پر یہ راز ظاہر کر دیا۔ ویسے تو وہ اب بھی پاگل بنی ہوئی ہے اور میں نے بھی اسے یہی مشورہ دیا ہے۔“

## تلاش

گھوریانے اسی شب کو پھر فریدی کی کوٹھی میں نظر آئی.... آتے وقت کپاؤنڈ میں اس نے بڑا غل غپاڑہ مچایا تھا اور سارے نوکر غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ویسے تو حمید کی موجودگی میں ہر وقت ہی وہ غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتے تھے۔

بدقت تمام حمید اسے اندر لے جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ایکٹنگ تو اسے بہر حال کرنی ہی تھی۔ وہ اسے اوپری منزل پر تجربہ گاہ میں لایا۔

فریدی چند لمحوں گھوریا کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

گھوریانے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان دکھائی دے رہا تھا۔

”تم کیپٹن حمید کو کب سے جانتی ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کل سے....!“

”جب تم.... سے پول میں اس کے ساتھ ناچ رہی تھی.... اس وقت تمہارا کیا خیال تھا۔“

”میں انہیں کوئی فلت نہ سمجھتی تھی۔“

”پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ کیپٹن حمید ہے۔“

”کل ہسپتال میں گردہ کا ایک آدمی آیا تھا۔ ڈاکٹر سے اس نے بتایا تھا کہ وہ مجھے جانتا ہے اور وہ

شیلاندرین کا ملازم ہے اور ڈاکٹر سے پوچھا تھا کہ میں ہسپتال کیسے پہنچی تھی۔ تب ڈاکٹر نے میرے

ماننے ہی اسے بتایا تھا کہ میرا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اور وہاں مجھے کیپٹن حمید نے پہنچایا تھا۔“

”تم بدستور پاگل بنی رہی تھیں یا تم نے اس آدمی پر ظاہر کر دیا تھا کہ اب تمہاری ذہنی حالت

قابل اعتماد ہے۔“

”لیکن آپ دو آدمی کیا کر سکیں گے۔“ گھوریانے کہا۔

”تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ ہم لوگ زیادہ بھیڑ بھاڑ کے عادی نہیں ہیں۔“ فریدی بولا۔

بات طے ہو گئی۔ گھوریا پوریشین تھی، لیکن فریدی نے اسے سو فیصدی دہی بنا دیا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں سفید نسل کا شائبہ بھی ہوگا۔

وہ سارا دن باہر رہی اور حمید فریدی پر تاد کھاتا رہا۔ کیونکہ فریدی نے اسے گھوریا سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی۔

شام کو واپس آئی اور اس نے ایک ایسی عمارت کا پتہ بتایا جو ایگل اسکوار میں واقع تھی۔

”میں نے ایک ایسے آدمی کا تعاقب کیا تھا، جو ہیڈ کوارٹر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سربراہ کے احکامات اسی کے ذریعہ کام کرنے والوں تک پہنچتے ہیں۔“

”تمہیں یقین ہے کہ آج کل وہی عمارت ہیڈ کوارٹر کی حیثیت سے استعمال جا رہی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں یقین ہے! پہلے یہ عمارت میرے علم میں نہیں تھی۔ آج ہی آئی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہم دونوں بھی میک اپ ہی میں جلیں گے۔“

پھر لڑکی سے بولا۔ ”اگر تمہیں ایڈونچر کا شوق ہو تو تم بھی چل سکتی ہو۔“

”مجھے لڑائی بھڑائی سے خوف معلوم ہوتا ہے۔“ گھوریا کانپ کر بولی۔



حمید دیر سے فریدی کا منتظر تھا۔ اس نے اس کا میک اپ کر کے اسے توروانہ کر دیا تھا اور خود ٹھوڑی دیر بعد آنے کا وعدہ کیا تھا.... وہ میونسپل ٹاور کے قریب اس کا انتظار کرتا رہا۔

سازے نو بجے.... ایک خوفناک شکل کا آدمی آکر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ قد و قامت سے یہ فریدی ہی معلوم ہوتا تھا لیکن لاکھ آنکھیں پھاڑنے کے باوجود بھی اس کے چہرے میں فریدی کی جھلکیاں نظر نہ آئیں، اس نے اشارے سے اسے چلنے کو کہا۔

”کمال کر دیا آپ نے.... آج رات کو مجھے بڑے ڈراؤنے خواب آئیں گے۔“ حمید نے کہا۔

”میری دانست میں جتنی بھی عمارتوں کا ان سے تعلق ہے آپ کے علم میں لائی جائیں گی۔ وہ عمارتیں مختلف اوقات میں ہیڈ کوارٹر کی حیثیت سے استعمال کی جاتی رہی ہیں۔“



تین دن تک فریدی اور حمید گھوریا کی بتائی ہوئی عمارتوں پر چھاپے مارتے رہے لیکن نہ تو کوئی گرفتاری عمل میں آئی اور نہ کوئی ایسی چیز ہی ہاتھ لگ سکی، جو اس گروہ کا قلع قمع کرنے میں مدد دے سکتی۔

ہر عمارت ہی خالی ملتی اور اس میں فرنچیز کے علاوہ اور کسی قسم کا سامان نہ ملتا۔ آس پاس والوں سے پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوتا کہ دو چار دن پہلے تو وہ عمارت آباد ہی تھی۔

چوتھے دن گھوریا نے فریدی سے اس سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر میرا باہر نکلتا خطرناک نہ ہوتا تو میں انہیں ڈھونڈ لگاتی۔“

”کیا تم باہر جانا چاہتی ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ مگر میں مرنا بھی نہیں چاہتی۔“

”تمہیں کوئی پہچان ہی نہ سکے گا۔“

”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”میک اپ.... ایسا میک اپ کہ تمہیں تمہاری ماں بھی نہ پہچان سکے۔“

”اوہ.... تب تو بہت کچھ ہو سکے گا۔“ لڑکی خوش ہو کر بولی۔

جس وقت یہ گفتگو ہوئی تھی، حمید بھی موجود تھا۔ فریدی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”دراصل ہم ایک بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ پولیس کی جمعیت کے ساتھ چھاپہ مارنا سرے سے حماقت تھی، وہ ہوشیار ہو جاتے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ ناکامی کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں جناب۔“

”اور اب میں نے سوچا ہے کہ ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔ چھاپے رات ہی کو مارے جائیں گے، دن کو نہیں۔“

”بڑی معقول تجویز ہے۔“ حمید خوش ہو کر بولا۔

میں ہوا اور ساتھ ہی سرگوشی سنائی دی۔ ”خبردار.... آواز نہ نکلے۔“  
اس نے سوچا ظاہر ہے کہ فریدی کا بھی یہی حشر ہوا ہوگا۔ یا ممکن ہے وہ نکل ہی گیا ہو۔ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ یہ دل کی دھڑکنیں بھی اس آواز میں ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

پھر ایک دروازہ کھلا اور ریوالبور کی نال اس کی کپٹی سے ہٹ کر کمرے جا گئی۔  
”چلو....!“ غرائی ہوئی سی آواز میں کہا گیا۔ سامنے راہداری میں خاصی روشنی تھی۔ فریدی نے تھوڑا ایک آدمی اس کی کمرے سے بھی ریوالبور لگائے ہوئے چل رہا تھا۔

پھر وہ ایک بڑے سے ہال میں پہنچے.... جہاں ایک نقاب پوش پہلے سے موجود تھا۔ وہ دونوں اُڑی جوا نہیں یہاں تک لائے تھے پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن ان کے ریوالبوروں کا رخ انہیں کی طرف رہا۔  
”ارے مارڈالا....!“ دفعتاً حمید کے منہ سے نکلا۔ ”نمے پھنسنے۔“

اسے ایک دروازے میں گھوریا نظر آئی تھی، جواب میک اپ میں نہیں تھی۔ وہ مسکراتی تھی۔ لیکن اس مسکراہٹ کو زہر آلود ہی کہا جاسکتا تھا۔

اچانک نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ ”دیکھا تم لوگوں نے۔ میک اپ کر کے آئے تھے۔ تم لوگ بھی ایکٹر ہو۔ لیکن گھوریا تم سے بھی زیادہ کامیاب ایکٹرس ہے۔ کیسا آلو بنایا نہیں.... کرئل فریدی.... کیٹیون حمید.... ہینہ یہ وہی جوڑا ہے جس سے بڑے بڑے کانپتے ہیں لیکن میں آج تمہیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔“

”کرئل....!“ گھوریا کی آواز ہال میں گونجی۔ ”اب میں یہاں تمہارے ایک سوال کا جواب دے سکتی ہوں۔ تم نے مجھ سے میرا کے متعلق پوچھا تھا۔ ہاں وہ میری ایک بہت پیاری دوست تھی، لیکن محض تمہاری بدولت اسے اپنے ہی ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے سلاتا پڑا تھا۔ میں نے اسے مارا تھا۔“

”سن رہے ہیں۔“ حمید نے فریدی کو گھور کر کہا۔ ”کچھ تو بولے۔ یا یہاں بھی ہونٹ ہلا۔ نہ سے میک اپ تباہ ہو جائے گا۔“  
وہ کچھ نہ بولا۔

”ان دونوں کو ختم کر دو۔“ دفعتاً نقاب پوش نے کہا اور بڑی تیزی سے دو فائر ہوئے۔ دو

اس نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور حمید کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ جس پر تحریر تھا۔  
”یہ کچھ اس قسم کا میک اپ ہے کہ ہونٹ ہلانے سے خراب ہو جائے گا۔ لہذا مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو۔ خاموشی سے چلو! میرے کسی کام میں دخل نہ دو۔“

”مارڈالا....!“ حمید روہانسی آواز میں بولا۔ ”آپ نہ بولنے کا مگر مجھے تو رونے دیجئے اور کچھ دنوں سے آپ میرے لئے فلاں معہ نمبر ۳۲۰ کا کوئی چلیپائی اشارہ بن کر رہ گئے ہیں کہ خواہ قلندر بھرو خواہ چندر بھرو، ہر حال میں ساڑھے سات غلطیاں آئیں گی اور پہلا انعام ساڑھے باون ہزار خوش نصیبوں میں برابر برابر بحساب ایک آنہ تین پانی فی کس پوری پوری ایمانداری کے ساتھ تقسیم ہو جائے گا۔“

لیکن اسے حقیقتاً کوئی جواب نہ ملا اور پھر وہ بھی خاموشی سے چلنے لگا۔ مگر کچھ دور چلنے کے بعد اس نے بوکھلا کر پوچھا۔ ”کیا پیدل ہی چلیں گے۔“

جواب اثبات میں ملا اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ یہاں سے ایگل اسکوائر کا فاصلہ ڈھائی میل سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔

مگر اسے ہر حال میں چلنا ہی تھا۔

ایگل اسکوائر والی عمارت کی کمپاؤنڈ تاریک اور دیران تھی۔ حمید نے سوچا کہ کہیں یہاں کتے نہ ہوں۔ لیکن پھر ان عمارت کا خیال آیا جہاں وہ اپنے تین دن برباد کرنے کے باوجود بھی کچھ نہ معلوم کر سکے تھے۔ اس کی دانست میں اس وقت کی بھاگ دوڑ کا بھی یہی انجام ہونے والا تھا۔

عمارت کی صرف ایک کھڑکی میں روشنی نظر آ رہی تھی۔

حمید نے ایک پتھر اٹھا کر کمپاؤنڈ میں پھینکا اور ایک طرف ہو گیا۔ پتھر گرنے کی آواز آئی اور اسکے بعد پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ کمپاؤنڈ میں کتے نہیں تھے۔

پھانک سلاخوں دار تھا۔ اس لئے اسے کھول لینے میں دشواری نہیں پیش آئی، دوسری طرف قفل بھی نہیں تھا۔

کمپاؤنڈ سے گذر کر وہ پورچ میں پہنچے اور وہاں سے برآمدے میں۔ برآمدے میں اندھیرا اور زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔

حمید دروازے ٹٹولنے لگا۔ لیکن اچانک اسے اپنی بائیں کپٹی پر کسی ٹھنڈی سی چیز کا دباؤ

جینیں ہال میں گونجیں..... حمید فرش پر گر کر تڑپ رہا تھا۔

لیکن پھر اسے سچ سچ اپنی بوکھلاہٹ پر رونا آگیا۔ کیونکہ نہ تو وہ اس کی چیخ تھی اور نہ اس کے گولی ہی لگی تھی۔ البتہ اس نے ان دونوں آدمیوں کو تڑپتے دیکھا جو انہیں برآمدے سے ہال میں لائے تھے۔

اور فریدی نقاب پوش سے گتھا ہوا تھا..... حمید نے دوڑ کر گھوریا کو پکڑ لیا، جو شاید بھاگنے کی تیاری کر رہی تھی۔

حمید کا اندازہ تھا کہ عمارت میں ان دونوں آدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں ہے، ورنہ فائرنگ کی آواز پر کوئی نہ کوئی ضرور آتا۔ مگر فائر کس نے کئے تھے؟

گھوریا اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے زور کر رہی تھی۔

”ارے.... ارے.... تم اتنی بوریوں ہو رہی ہو ڈار لنگ.... آؤ رہنا بچیں۔“

”چھوڑو.... دو.... مجھے چھوڑ دو....!“

”بھلا چھوڑ دینے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔“ حمید نے مایوسی سے کہا اور تاپنے کے سے انداز میں سے جھنجھوڑنے لگا۔ پھر بولا۔ ”مگنی بھی رہو....!“ اور ساتھ ہی اس کے بال پکڑ کر ایک

زدار جھکا دیا۔ وہ بے ساختہ چیخ پڑی اور حمید بولا۔ ”ہاں یہ تان خاصی تھی.... چلو اب دوسری۔“

دفعتاً اس نے دیکھا کہ نقاب پوش نے فریدی کو گرا لیا ہے۔

اس نے ریو الور نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ بائیں جانب سے آواز آیا۔

”بہت خوب.... بہت اچھے جارہے ہو۔“

حمید بے ساختہ اچھل پڑا.... یہ فریدی کی آواز تھی اور فریدی تو ایک دروازہ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر یہ کون تھا، جو یہاں تک اسکے ساتھ آیا تھا اور اب نقاب پوش اسے رگڑے دے رہا تھا۔

نقاب پوش نے بھی مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اسے چھوڑ کر گھوریا کو گالیاں دیتا ہوا فریدی کی جانب دوڑا۔

لیکن فریدی کا ایک ہی گھونٹہ اسے ہال کے وسط میں لے آیا اور حمید گھوریا کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر گانے لگا۔

”کر کے بدنام میری نیندیں حرام کہاں چلا گیا۔“

ابے کہاں چلا گیا۔“

پھر نقاب پوش کو دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا.... فریدی کی ٹھوکریں برابر اس کے سر پر پڑی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ لمبا لمبا لٹ گیا۔

”نقاب ہٹاؤ۔“ فریدی نے حمید سے کہا اور دوسرے آدمی سے بولا۔ ”وحید تم لڑکی کو سنبھالو۔“ تو یہ وحید تھا۔ حمید کے محکمے کا ایک معمولی کانسٹیبل! لیکن ذیل ڈول فریدی ہی کا سار کھتا تھا۔

لے حمید دھوکا کھا گیا تھا۔

وحید نے گھوریا کی کلاںیاں پکڑ لیں، اور حمید دل ہی دل میں ”سرداؤد.... سرداؤد“ رشتا ہوا پوش نقاب پوش کی طرف بڑھا۔ لیکن خدا کی پناہ۔ نقاب ہٹاے ہی وہ اس بُری طرح اچھلا جیسے ریش پر خنجر آگ آئے ہوں۔ کیونکہ بے بیہوش نقاب پوش سرداؤد کی بجائے راقفل کلب کا بریڑی گراہم نکلا تھا۔



دوسری صبح حمید کے لئے خوشگوار نہیں تھی۔ کیونکہ اسے پچھلی رات جاگ کر ہی گزارنی پڑی تھی.... اور پھر صبح ہی سے فریدی کیساتھ لگ جانا پڑا تھا۔

فریدی نے گھوریا کی نشاندہی پر کئی عمارتوں پر چھاپہ مارا اور کام کی بہتری چیزیں برآمد کیں۔ ل کے ساتھ ہی کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں لائی گئیں۔ لیکن حمید کو فریدی سے تفصیل گفتگو کا

بوتہ نہ مل سکا۔ اس دوران میں کئی بار ایسا بھی ہوا تھا کہ فریدی ایک آدھ گھنٹہ کے لئے اس سے لگ ہو گیا تھا.... اور اس وقت بھی حمید اس توقع پر گھر کی طرف چل پڑا تھا کہ اب اس سے گھر

ن پڑے گا۔ لیکن کھر پہنچ کر بھی نوبے تک اسے اس کا انتظار کرنا پڑا.... پکلیں نیند کے مارے جھکی پڑ رہی تھیں۔ لیکن اس کیس کی تفصیل سننے کیلئے وہ اپنے ذہن سے لڑتا ہی رہا تھا۔

نوبے فریدی واپس آیا اور وہ سارا کام پٹپٹا کر ہی آیا تھا۔

”یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ آپ نے مجھے اس طرح آلو بنایا تھا۔“ حمید نے کہا۔

”غالباً تمہارا اشارہ وحید والے معاملہ کی طرف ہے۔“

”آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ضرورت تھی بھی تو مجھے بتادینے میں کیا حرج تھا۔“

”یک وقت دو سوال؟ خیر سنو! میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس لڑکی کے فقرے پر

آجاتا.... جو لوگ میرا اور برونف کو قتل کر سکتے تھے وہ بھلا انجکشن وغیرہ کا کھڑاگ کیوں پھیلاتے! میرا اور برونف سے انہیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ ان کے ذریعہ راز افشاء ہو سکتا ہے۔ لہذا انہوں نے ان کو ختم کر دیا۔ یہی چیز اس لڑکی کے لئے بھی ہو سکتی تھی۔ پھر وہ تو شروع ہی سے مجھے ٹھکانے لگا دینے کی فکر میں تھے پھر میں کیوں نہ محتاط ہو جاتا۔“

”قصہ کیا تھا....!“

”بلیک میلنگ.... گراہم بہت عرصہ سے یہ کاروبار کر رہا تھا.... لیکن کوئی ایسا کیس میرے سامنے نہیں آیا تھا، جس کے ذریعہ اس تک پہنچنے کے امکانات ہوتے۔ اتفاق سے لیڈی داؤد کی خودکشی نے اس کا ایک کھیل بگاڑ دیا اور جب اس نے دیکھا کہ اس کی تفتیش میرے سپرد کر دی گئی ہے تو اس نے مجھے ہی راستے سے ہٹا دینے کی کوشش شروع کر دی۔ حالانکہ اگر وہ اس چکر میں نہ پڑتا تو شاید مجھے اس تک پہنچنے کے لئے مثال کے طور پر دو چار جنم لینے پڑتے.... مگر وہ مجھے اپنی راہ پر دیکھ کر بوکھلا گیا تھا اور اسی بوکھلاہٹ میں اس سے گوریلا والی حماقت بھی سرزد ہو گئی اور میرا ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچ ہی گیا۔ اس نے برونف کو بھی بلیک میل کر کے قابو میں کیا تھا۔ ٹھہرو لگے ہاتھوں تمہیں برونف کے متعلق بھی بتانا چلوں.... برونف روس کا ایک بائی جاسوس تھا جس کے سر کی قیمت لگا دی گئی تھی۔ دنیا کی کئی حکومتیں اسے زندہ یا مردہ اپنے قبضہ میں دیکھنا چاہتی تھیں۔ بچھلی جنگ میں وہ روس کے لئے کام کرتا رہا تھا۔ پھر نازیوں سے جا ملتا تھا۔ پھر نازیوں کو بھی دھوکا دے کر انگریزوں کے پاس چلا آیا تھا۔ پھر اس کے پاس سے جاپان کی طرف نکل بھاگا اور بہت دنوں تک جزل ٹوبو کے لئے کام کرتا رہا۔ جنگ ختم ہونے پر اس نے دوسرا ذریعہ معاش تلاش کر لیا۔ یہ تھا مالدار عورتوں کو پھانس کر ان کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا۔ مغربی جرمنی میں اس نے کئی خاندان تباہ کر دیئے تھے لیکن فرانس میں قلعی کھلنے سے پہلے ہی یہاں چلا آیا تھا۔ گراہم شاید اس کی ہسٹری سے واقف تھا۔ لہذا اس نے اسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔“

گراہم کے لئے امیر گھرانوں کی عورتوں سے دوستی کرنا اور پھر وہ عورتیں بلیک میل کی جاتی تھیں.... مگر برونف ہی گراہم کا کفن ثابت ہوا۔ اس نے اس دوران میں دو عورتوں کو شکار کیا تھا۔ لیڈی داؤد اور شیلہ درپن۔ لیکن دونوں ہی کا انتخاب غلط ہوا تھا۔ لیڈی داؤد کے پاس اس کی اپنی کوئی نجی رقم نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کے مطالبات پورے کر سکتی۔ سر داؤد سے اسے جو بھی

رقبات ملتی تھیں ان کا وہ باقاعدہ طور پر حساب رکھتا تھا اور لیڈی داؤد بھی اسے حساب دیتے رہنے کی عادی تھی۔ گراہم نے اس کی اور برونف کی کچھ قابل اعتراض تصاویر حاصل کر لی تھیں اور اسے ہر ایک کا نمونہ بھیج کر دھمکی دی تھی اگر اس نے ایک ہفتے تک نصف لاکھ روپیہ نہ فراہم کیا تو وہ تصاویر چھپوا کر شہر میں تقسیم کرا دی جائیں گی۔ لیڈی داؤد نے غالباً سوچا ہو گا کہ وہ ایک مستقل عذاب میں پڑ گئی ہے جس سے پیچھا چھڑانے کا واحد ذریعہ خودکشی ہی ہو سکتی ہے۔ میرا اس لئے رکھی گئی تھی کہ وہ لیڈی داؤد پر نظر رکھے اور اسے پولیس سے سلسلہ جھبانی نہ کرنے دے۔ گراہم کو توقع نہ رہی ہو گی کہ وہ خودکشی ہی کر لے گی۔ ورنہ وہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتا۔ کوئی نئی راہ نکالتا۔ لیڈی داؤد کے پاس زہر کی شیشی میری آنے بھی دیکھی ہو گی اور اس کی اطلاع گراہم کو دی ہو گی، اس پر گراہم نے بوکھلا کر سر داؤد کو ڈی کس میڈیکل اسٹور کے مالک کی حیثیت سے فون کیا ہو گا تاکہ یہ خودکشی ہر حال میں رک جائے.... رہی شیلہ تو وہ ابھی اس اسٹیج پر نہیں پہنچی تھی جس سے لیڈی داؤد گزر چکی تھی۔ اگر پہنچتی بھی تو کیا ہوتا۔ گراہم ہی کو منہ کی کھانی پڑتی۔ کیونکہ وہ دوسری قسم کی عورت ہے۔ اگر ضرورت پڑ جائے تو سر عام برہنہ رقص شروع کر دے گی۔ اسے کوئی کیا بلیک میل کرے گا۔ شاید وہ گراہم کو ناکوں پچنے چھوادی۔ بہر حال اس کا معاملہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔“

”ان دونوں کے علاوہ اور بھی تھیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہ جانے کتنی ہوں گی حمید صاحب۔ گراہم کے پاس نہ جانے کتنے ذرائع تھے جن سے ان کا بزنس چلتا تھا۔ مثال کے طور پر کچھ ایسے نوجوان اور خوش شکل آدمی تھے جن کا کام محض خط و کتابت کرنا تھا۔ یہ مالدار گھرانوں کی لڑکیوں سے قلمی دوستی کرتے تھے۔ اس قلمی دوستی میں ایک ایذاقت بھی آتا ہے جب تحریری معاشرے چلنے لگتے ہیں۔ گراہم معاشرے والے خطوط کو بہت احتیاط سے رکھتا تھا اور جب ان لڑکیوں کی شادی ہو جاتی تھی تو انہیں بلیک میل کیا جانے لگتا تھا۔ انہیں دھمکی دی جاتی تھی کہ اگر انہوں نے گراہم کے مطالبات پورے نہ کئے تو وہ قابل اعتراض خطوط ان کے شوہروں تک پہنچا دیئے جائیں گے۔“

”رینارڈ ہونے کے بعد میں بھی یہی کروں گا۔ میرے پاس بھی سینکڑوں عشقیہ خطوط ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں حمید اتنی بے دردی سے نہ ہنسو.... یہ مسئلہ بڑا دردناک ہے۔ پچیس سال سے پہلے لڑکیوں کو عقل نہیں آتی اور والدین کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یا پھر ان کے اذہان پر غلط قسم کی مغربیت طاری ہوتی ہے یا پھر وہ اس کے قائل ہوتے ہیں کہ پودوں کے پھیلنے اور بوھنے کے لئے کھلی ہو اور روشنی ضروری ہے، مگر مثال برائے مثال ہی ہونی چاہئے! آدمی پودا نہیں ہے۔ پابندیوں ہی میں اس کی نشوونما بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ پابندیوں ہی نے اسے ادنیٰ حیوان سے آدمی بنایا تھا اور پابندیاں ہی اس میں سلامت روی برقرار رکھ سکتی ہیں۔“

”کیا میں پچیس سال سے کم کی لڑکی ہوں۔“ حمید نے جھلا کر پوچھا۔ ”یا والدین ہوں.... جائے سو جائے! اور اسے لکھ لیجئے کہ نہ آپ کبھی والد ہو سکیں گے اور نہ.... بھلا لڑکی کیوں ہونے لگے.... اچھا ناٹا.... مجھے نیند آرہی ہے۔“

ختم شد